مختصر تاریخ افغانستان

پروفیسر صاحبزادہ حمید اللہ

مختصر تاریخ افغانستان
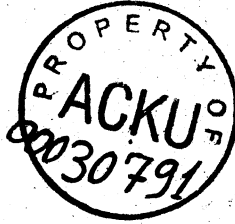
مصنف:

پروفیسر صاحبزادہ حمیداللہ

فون نمبر 0812005872 موبائل نمبر 0321:4879704

ای میل ghaznavikitabtoon@yahoo.com

نام کتاب: مختصر تاریخ افغانستان

مصنف: پروفیسر صاحبزادہ حمید اللہ

کمپوز: غزنوی کمپوزنگ سینٹر

کمپوزر: محمد رمضان ارمانی

تعداد: 500

سن اشاعت: 2008 جولائی

صفحات: 296 روپے

قیمت: دوسو پچاس روپے

پبلشر: روزالدین غزنوی پبلشرز سوئیس پلازہ نزز ہری مسجد جناح روڈ کوئٹہ کینٹ

فون نمبر 0812005872 موبائل نمبر 0321:4879704

ای میل ghaznavikitabtoon@yahoo.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

صفحہ نمبر

فہرست

فہرست

(مقدمہ)

اللہ رب العالمین کی حمدوثناء اور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم

پر درود لامحدود اوران کی آل واصحاب پر درود وسلام کے بعد عرض یہ ہے کہ اولین کے قصے آخرین کے لئے عبرت ہوتے ہیں۔اور یہی تاریخ کا ماحصل ہے۔

افغانستان کے جس کے نام سے دنیا اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط میں آشنا ہوئی۔وسط ایشیا سے ذرا جنوب کو واقع ہے۔یہ 60 اور 75 درجہ طول بلد اور 38,29 عرض بلد کے درمیان واقع ہے۔یہ زیادہ تر پہاڑی ملک ہے۔مشہور سلسلہ کوہ ہندوکش شمال مشرق سے جنوب مغرب کی طرف چھ سو (600) کلومیٹر طول اور سو (100) کلومیٹر عرض میں پھیلا ہوا ہے۔اور افغانستان کے اکثر دریا اسی سلسلہ کوہ سے نکلتے ہیں۔کوہ ہندوکش کے شمالی درے تقریباً ہموار اور زراعت کے قابل ہیں۔جبکہ جنوبی درے کوہستانی اور درختوں سے ڈھکے ہوئے ہیں۔

افغانستان کے شمال میں ﴿روس﴾ اور مغرب میں ﴿ایران﴾ واقع ہے۔جنوب اور مشرق کی طرف سے یہ پاکستان سے گھرا ہوا ہے۔شمال مشرق کی طرف سے سو (100) کلومیٹر تک ایک تنگ سی پٹی سنکیانگ سے ملتی ہے، جو کمیونسٹ ﴿چین﴾ کا حصہ ہے۔افغانستان کی لمبائی شمالاً جنوباً 1350 کلومیٹر اور چوڑائی شمالاً جنوباً نوسو (900) کلومیٹر ہے۔افغانی بلوچستان کی سرحد بحر ہند سے ساڑھے چار سو کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

افغانستان کی سطح مرتفع تین چار قسم کی ہے۔کوہستانی علاقے جو سطح سمندر سے 2400 میٹر سے زیادہ بلند ہیں۔ یہاں موسم سرما چھ سات ماہ تک رہتا ہے۔نورستان، بدخشان کا ایک بڑا حصہ اور ہزارہ جات اسی زمرے میں شامل ہیں۔البتہ ایسے بھی بعض مرتفع مقامات ہیں۔جو سکونت کے قابل مگر اکثر برف سے ڈھکے رہتے ہیں۔

وہ خطے جو 1300 اور 2400 میٹر سطح سمندر سے بلند ہیں جیسے کابل، غزنی کتواز بدخشان کا کچھ حصہ، ہزارہ جات اور ﴿کنڑ﴾ کا اونچا درہ جو نسبتاً معتدل آب وہوا کے علاقے ہیں۔ان علاقوں میں موسم گرما شدید نہیں ہوتا اور سردیوں میں بعض اوقات درجہ حرارت صفر سے بھی بیس (20) درجے نیچے چلا جاتا ہے۔بارش

اور برف باری جو سردیوں اور اوائل بہار میں ہوتی ہے۔ تین چار سو ملی میٹر تک ہوتی ہے۔

وسطی خطے جو نو سو (900) سے لے کر تیرہ سو (1300) میٹر تک سمندر سے بلند ہیں۔ جیسے ہندوکش کے شمالی دامن، غور کے پہاڑوں کی سطح مرتفع اور ہری رود کی وسطی اور نشیبی وادی۔ ان علاقوں میں سردیاں شدید نہیں ہوتیں ۔موسم گرما نسبتاً شدید ہوتا ہے۔ درجہ حرارت سردیوں میں بہت کم صفر سے دس درجے نیچے جاتا ہے۔ سالانہ اوسط بارش دو سو ملی میٹر سے کم ہوتی ہے۔

نو سو (900) کلو میٹر سطح سمندر سے کم علاقے جو عموماً دشت یا صحراء کے حکم میں آتے ہیں۔ دن اور رات کے درجہ حرارت میں بہت فرق ہوتا ہے۔ بارش اور برفباری ان خطوں میں کم ہوتی ہے۔ سالانہ بارش ایسے مناطق میں ڈیڑھ سو ملی میٹر ہوتی ہے۔ ﴿مزار شریف﴾ میں ایک سو بیس (120) ﴿جلال آباد﴾ میں ایک سو پچاسی (185) اور ﴿نیمروز﴾ میں پچپن (55) ملی میٹر بارش ہوتی ہے۔

افغانستان کی پیداوار میں گندم، جو، جوار، چاول، گنا وغیرہ شامل ہیں۔ خشک اور تازہ میوہ جات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ ملک میں سونے، چاندی، لعل، لاجورد، تانبے، سیسہ، ابرک، کوئلے، گندھک، لوہے، سنگ مرمر، یاقوت اور چونے کی کانیں پائی جاتی ہیں۔

برآمدات میں قالین، دریاں، کھال، اون، قراقلی کھال، انگور، کشمش، پستے وغیرہ شامل ہیں۔ زیادہ تر درآمدات صنعتی اشیاء ہوتی ہیں۔

افغانستان میں اسلام سے انیس سو (1900) سال قبل سفید فام اقوام آریا آئے۔ ﴿بلخ﴾ کا شہر جس کا نام بخذی یا "باختریا" ہے۔ ہزاروں سال قدیم اور آریاؤں کا بسایا ہوا ہے۔ اسلامی دور میں اسے اقدم البلاد کہا گیا۔ ایران کے مشہور ﴿ہخامنشی﴾ بادشاہوں سائرس اعظم 529، 549 قبل مسیح اور داریوش اعظم 522 قبل مسیح کے زمانے میں سرزمین "آریانا" دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک کا نام "گندھارا" اور دوسرے کا نام "باختر" پڑ گیا۔

سکندر اعظم ۳۲۶ تا ۳۲۳ قبل مسیح کے بعد یونانیوں کا اثر و نفوذ افغانستان میں بڑھا۔ ہندوستان کے موریا خاندان کے بادشاہ "اشوک" 272، 232 ق م کا اثر ہندوکش کے جنوبی دامنوں تک پھیلا اور اشوک کی

کوششوں سے بدھ مت مذہب کو فروغ حاصل ہوا۔اور پانچ سو سال کی مدت میں افغانستان کے اکثر مشرقی حصوں میں بدھ مت پھیل گیا۔''کنشک'' 120ء،162ء کشان خاندان کا بڑا بادشاہ تھا۔جس نے افغانستان اور پشاور پر حکومت کی۔اس کا صدر مقام موجودہ ﴿بگرام﴾ کا شہر تھا۔بامیان کے پہاڑوں میں تراشے گئے گوتم بدھ بانی مذہب بودائی کے 175 اور 115 فٹ بلند مجسمے اسی دور کی یادگاریں ہیں۔جنہیں طالبان افغانستان کی حکومت نے 2001ء میں بارود سے اُڑا دیا تھا۔

اسی زمانے میں نور اسلام کی تابندگی نے افغانستان کو درخشان کیا۔روم اور فارس کی دو بڑی سلطنتوں کے خاتمے کے بعد مسلمانوں نے وسط ایشیا کے ساتھ ساتھ افغانستان کو بھی فتح کیا۔اور قدیم بدھ مت اور آتش پرستی کو ختم کر کے یہاں کے باشندوں کو دین متین اسلام کا ایسا پابند بنایا کہ ڈیڑھ ہزار سال گزرنے کے باوجود اہل افغانستان دنیا بھر میں سب سے کٹر مسلمان ہیں۔

افغانستان میں دور اسلام کے ابتدائی ایام کی تاریخ بہت کم ملتی ہے۔کیونکہ اس زمانے میں یہ خراسان کا ایک حصہ تھا۔جس کے مشرقی حصے کا مرکز ﴿بلخ﴾ تھا جو موجودہ مزار شریف کے قریب واقع اور تقریباً کھنڈر ہے۔کسی زمانے میں بلخ علماء وفضلاء کا مرکز و مرجع تھا۔یہاں سے سینکڑوں محدثین،صوفیاء اور علماء اُٹھے۔ ہندو پاکستان کی کتب تواریخ میں غزنوی اور غوری سلاطین کا حال ملتا ہے۔اس کے بعد خاموشی چھا جاتی ہے۔پھر مغلوں کے دور میں ظہیر الدین بابر کا حال ملتا ہے۔جس نے 1502ء میں ''کابل'' پر قبضہ کر کے اسے اپنا پایہ تخت بنایا اور چوبیس سال کے بعد 1526ء میں ہندوستان کے لودھی بادشاہ ابراہیم کو پانی پت کی تاریخی لڑائی میں شکست دے کر ہند کی پہلی افغان حکومت کا خاتمہ کیا۔بابر کابل ہی میں مدفون ہوا۔

مغلوں کے تین سو سالہ دور اقتدار میں افغانستان کابل کے نام سے مغلوں کا ایک صوبہ رہا۔جس کے ساتھ پشاور بھی ملحق تھا۔شاہجہاں اور اورنگ زیب کے دور حکومت میں پشتونوں کا مرکز و مسکن قندھار کافی سالوں تک ایران کے ماتحت رہا۔حتیٰ کہ 1770ء میں عظیم افغان شجاع میرویس خان ہوتک خلجی نے قندھار کو پہلی مرتبہ آزادی دلائی۔اس کے بعد سدوزئی اور پھر محمد زئی خاندان کی حکمرانی میں افغانستان ایک مستقل ملک اور آزاد وطن رہا۔انگریزوں کی دو مسلط کردہ جنگوں 1839ء-1877ء کے بعد 1919ء میں غازی امان اللہ

خان نے افغانستان کو ایک آزاد، خودمختار اور غیر جانبدار ملک کی حیثیت سے دنیا سے منوایا۔

1994ء میں طالبان کی درویشانہ قیادت کے تاریخ ساز اور محیر العقول کارناموں نے مجھے اسی دور افتادہ پسماندہ ملک کی مکمل مگر مختصر تاریخ اردو میں لکھنے پر آمادہ کیا۔ غزنوی کتب خانہ، قندہاری بازار کوئٹہ کے روز الدین نے اس کتاب کی طباعت کا بیڑا اٹھا کر علم پروری کا ثبوت دیا ہے۔

حمید اللہ عفی عنہ

قریہ فیض آباد پشین

۵ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

﴿مختصر تاریخ افغانستان﴾

اسلامی عہد:

اسلامی عہد سے پہلے ہندو مہاراجوں اشوک اور کنشک کے عہد میں افغانستان کے کچھ علاقے ان کے زیر حکومت تھے، بدھ مت کو فروغ حاصل ہوا۔ بامیان کے دو دیو ہیکل بُت اُسی زمانے کی یادگار ہیں۔

امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت عبداللہ بن عامرؓ کو خراسان کا فوجی افسر مقرر کیا گیا۔ انہوں نے نیشاپور کو اپنا فوجی مرکز بنا کر مختلف علاقوں کی فتح کا کام شروع کیا۔ احنف بن قیسؓ کی سرکردگی میں بلخ کی طرف پیش قدمی ہوئی۔ ہرات کے والی نے صلح سے کام لیا سیستان کے حاکم نے شکست کھا کر اطاعت قبول کی، بلخ کے حکمران نے بھی خراج کے وعدے پر صلح کر لی حضرت ابن عامرؓ نے قیس بن ھیثم کو اپنا نائب بنا کر ایک ہی سال کی ان فتوحات کے بعد حج کے لئے مکہ معظمہ کی راہ لی۔ ہرات میں قارن نامی ایک شخص کی سرکردگی میں عربوں کے خلافت بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی۔ جسے عبداللہ بن حازمؓ نے فرو کیا یہی کچھ بلخ اور سیستان میں ہوا مگر باغیوں نے شکست کھائی۔

عبداللہ ابن حازمؓ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے زمانے میں ۷۲ ہجری میں شہید کئے گئے۔ ۸۶ ہجری میں عبداللہ کے مشہور سپہ سالار قتیبہ بن مسلم کو خراسان کا والی مقرر کیا گیا۔ انہوں نے پیشقدمی کر کے بلخ تک کا علاقہ صلح یا زور سے فتح کیا، کابل کے بادشاہ کی طرف سے ایک وفد ان کی خدمت میں آیا اور خراج کی ادائیگی اور ایک مسلمان کو اپنے دربار میں رکھنے پر صلح کی۔ یہی خوارزم شاہ نے کیا۔ قتیبہ بن مسلم عربوں کی باہمی آویزش میں ۹۷ ہجری میں مارے گئے ان کی جگہ یزید بن مہلب خراسان کے گورنر بنے۔

اموی دور میں عرب کی حکومت صرف مرو ند اور نیشاپور میں مستحکم رہی، تخار، بلخ، جوزجان، ہرات وغیرہ علاقوں میں علاقائی حکمران حکومت کرتے رہے۔ غزنی اور کابل میں ابھی تک اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی۔ ربیع ابن زیاد نے سیستان کی تسخیر شروع کی، ابن زیاد اور سیستانیوں کا پہلا مقابلہ زرنج کے مقام پر ہوا۔ حقانے ہو میرا جو دریائے ہلمند کے ڈیلٹا میں نادلی کے شہر کی جگہ واقع ہے۔ ابن زیاد کو فتح نصیب ہوئی۔ جب ۳۲ ہجری، ۶۵۲ عیسوی میں حکمرانوں کے خلاف ہرات اور دوسرے علاقوں میں شورش اُٹھی تو اہل سیستان نے

بھی اپنا عہد توڑ دیا۔ اور ابن زیاد کے نمائندے کو نکال باہر کیا، چنانچہ ابن زیاد نے عبدالرحمٰن ابن سمرہ کو سیستان کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ جنہوں نے سیستان کے حکمران رستم کو صلح کرنے پر مجبور کیا۔ ۳۵ ہجری میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ رونما ہوا اور ابن سمرہ وہاں سے چلنے پر مجبور ہوئے اہل سیستان نے پھر ان کے نمائندے کو باہر نکالا۔ اس پر ابن سمرہ نے آکر زرنج کو پھر بُست کو فتح کیا جو ایک بڑا شہر تھا۔ پھر زمینداور جہاں آج کل ابدالی افغان سکونت پزیر ہیں۔ اُن کے معبد کے طلائی بُت کو جس کی آنکھیں یاقوت کی بنی تھیں۔ ابن سمرہ نے توڑ دیا۔

اس کے بعد عبدالرحمٰن ابن سمرہؓ نے کابل، زابل اور الرخج کی تسخیر کا کام شروع کیا۔ زابل (غزنی) کے جنوب میں (مقر) کا علاقہ تھا۔ اور الرخج سے مراد قندہار کا موجودہ علاقہ ہے۔ زابل الرخج کے حکمران کا نام تبیل ایاز بیل یا رتبیل تھا، اور کابل کے بادشاہوں کو "کابل شاہ" کہتے تھے کابل کے مرکز شاہ کے ساتھ ایک مختصری "دوان" جنگ کے بعد صلح ہوئی اور ابن سمرہ ۴۳ ہجری سیستان چلے گئے، جسے ابن سمرہ کے ایک فوجی آفسر نے فتح کیا، مہلب بن ابی صفرہ نے ۴۴ ہجری ۶۶۴ء میں بنہ یا بنوں پر حملہ کیا۔ یہ دونوں مقامات عرب مورخین کے مطابق کابل پشاور شاہراہ پر واقع تھے۔ اس حملے میں قیقان یعنی (قلات) اور القندہار یعنی گندھارا جو کہ پشاور کا قدیم نام تھا فتح ہوئے۔

۵۳ ہجری، ۶۷۲ء میں عبیداللہ ابن زیاد مفتوحہ خراسان کا گورنر مقرر ہوئے، انہوں نے اپنے بھائی عبداللہ ابن زیاد کو سیستان کا حاکم بنایا۔ اس زمانے میں رتبیل نے بہت اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ عبداللہ نے رتبیل کے خلاف فوج کشی کی (القندہار) موجودہ ویہند یا ہنگ موجودہ کو بہت زیادہ جانی نقصان کے بعد فتح کیا۔ اہل ویہند نے جان توڑ کر عربوں کا مقابلہ کیا۔ یہ عربوں کا گندھارا پشاور کے علاقے پر آخری حملہ تھا۔ اس سے گندھارا کے پشتونوں کا پہلی دفعہ اسلام اور اسلامی تعلیمات سے واسطہ پڑا۔ عین ممکن ہے کہ کچھ لوگ اسی زمانے میں مسلمان ہوئے ہوں۔

خراسان میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے حامی اموی خلافت کے خلاف اور خوارج ان دونوں کے خلاف لڑتے رہے۔ اس طرح رتبیل کو اپنی قوت بڑھانے کا موقع ملا، چنانچہ ۶۶ھ، ۶۸۵ء میں رتبیل نے عرب گورنر کو زرنج

سے پیچھے ہٹالیا، گورنر رتبیل جنگ میں مارا گیا مگر اس کا جانشین رتبیل عربوں کا سخت دشمن تھا۔ اس نے عرب افسر علی بن عبداللہ کو سخت شکست دی۔

اس پر خلیفہ نے اُسے معزول کر دیا، ۷۸ھ، ۶۹۷ء میں ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کو رتبیل کے ہاتھوں شکست ہوئی۔ اس بار سیستان کے گورنر عبداللہ ابن ابی بکر نے کابل پر حملہ کیا تھا مگر شکست کھانے کے بعد بُست کے مقام پر آ کر وفات پائی۔

یہ دیکھ کر حجاج بن یوسف ثقفی گورنر خراسان نے چالیس ہزار فوج مرتب کی اس میں سے دس ہزار کو عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کی کمان میں سیستان کی طرف بھیجا۔ یہ فوج ساز و سامان اور خوبصورت نوجوانوں کی شمولیت کے باعث طاؤسوں کی فوج کہلائی عبدالرحمٰن نے کابل کی سمت پیشقدمی کی مگر رتبیل نے صلح کا پیغام بھیجا جسے عبدالرحمٰن نے مسترد کر دیا۔ کابل شاہ پیچھے ہٹا۔ اور عبدالرحمٰن اس کے تعاقب میں پہاڑوں اور دروں کے اندر چلا گیا۔ گو اسے کافی کامیابی ہوئی، لیکن نہ تو کابل فتح ہوا تھا۔ اور نہ ہی رتبیل نے اطاعت قبول کی تھی۔ سخت سردی کے باعث عبدالرحمٰن نے اپنا حملہ ملتوی کر دیا، حجاج بن یوسف نے عبدالرحمٰن کو ہر قیمت پر کابل کی مہم کو جاری رکھنے کی ہدایت کی، اس پر اختلاف اتنا بڑھا کہ عبدالرحمٰن نے حجاج کی خلاف بغاوت کرنے کا ارادہ کر لیا اور کابل شاہ کے ساتھ اس شرط پر صلح کر لی کہ اگر اسے حجاج پر فتح حاصل ہوئی تو کابل شاہ کو ہمیشہ کے کے خراج کی ادائیگی معاف کر دی جائے گی اور شکست کی صورت میں رتبیل اسے پناہ دیگا، رتبیل نے فوراً یہ شرائط مان لیں۔ اور عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث حجاج سے لڑنے چلا مگر بصرہ کے قریب سخت جنگ میں اُسے شکست سے دوچار ہونا پڑا اور کابل شاہ کے دربار میں ایک سیاسی پناہ گزین کی صورت میں آیا۔

حجاج عمارہ تمیم نے ایک زیرک شخص کو سفیر بنا کر رتبیل کے پاس بھیجا اور عبدالرحمٰن کی سپردگی کا مطالبہ کیا۔ عبدالرحمٰن ان دنوں سل کے مرض میں بتلا تھا۔ اور اسی کے باعث انہی دنوں میں فوت ہوا اور بقول مورخ ابن اثیر رتبیل نے موت کے بعد اُس کا سر کاٹ کر حجاج کے پاس بھیجا۔ ۸۵ھ، ۷۰۴ء اب عمارہ بن تمیم نے سیستان کی حکومت حاصل کی۔ اس بدنظمی کے باعث رتبیل چند دن کے لئے عربوں کے حملوں سے محفوظ ہو گیا۔ بقول البلاذری (فتوح البلدان) عبدالرحمٰن نے پہاڑ سے پھسل کر خودکشی کر لی اور اس کے ساتھ کا محافظ جو زنجیر سے

اس کے ساتھ بندھا ہوا تھا مر گیا۔ اس کے بدلے حجاج اور رتبیل کے درمیان معاہدہ ہوا جس کی رو سے سات یا نو سال تک مسلمانوں کے حملوں سے محفوظ رہا اُسے ہر سال نو لاکھ درہم کی اجناس دربار خلافت کو بھیجنی تھیں۔

خلیفہ عبدالملک کی وفات ۸۶ھ، ۷۰۵ء کے ساتھ ہی اموی خلافت کا زوال شروع ہوا۔ اس دوران عربوں کا قبضہ سیستان میں صرف زرنج تک محدود رہا اور عباسی خلافت کے آغاز تک یہی حال رہا۔ المامون کے زمانے میں کابل شاہ کابل کا حکمران تھا۔ تیسری صدی ہجری اور نویں صدی عیسوی میں صفاری خاندان نے کابل شاہ کی حکومت کا خاتمہ کر کے کابل فتح کیا اس سے پہلے خراسان کی آبادی مسلمان ہو گئی تھی اور اس میں بعض با اثر لوگ پیدا ہو گئے تھے۔

کابل کی فتح کی بعد کابل شاہ نے اپنا دارالسلطنت و یہند میں منتقل کیا اموی خاندان سے خلافت عباسیہ خاندان میں منتقل ہوئی جس میں خراسانیوں کا بڑا ہاتھ تھا اس کے ساتھ خراسانیوں کا عمل دخل، اسلامی خلافت میں نہ صرف بڑھ گیا۔ بلکہ عربوں سے آزادی کے جذبات بھی ان میں موجزن ہونے شروع ہوئے اور خلیفہ منصور کے ہاتھوں ابو مسلم خراسانی کے قتل نے ان جذبات میں شدت پیدا کر دی سیستان میں خارجیوں نے عباسی خلافت کی راہ میں بڑی رکاوٹ کھڑی کی۔ جو حضرت علی کرم اللہ اور حضرت معاویہؓ دونوں کے مخالف تھے۔

خلیفہ چہارم کے عہد میں کلبہ بن عتاب اور عمران بن فضیل نامی دو آدمیوں کی سرکردگی میں عرب سے بہت سے لوگ غربت کے باعث سیستان آ کر آباد ہوئے یہ خارجی کہلاتے تھے۔ بعد میں عربوں کی خلافت کے بالمقابل علم بغاوت بلند کرنے والوں کو بھی خارجی کہا گیا۔ یہ لوگ سنیوں اور شیعوں دونوں کے مخالف تھے۔ اپنی پرہیزگاری بہادری اور جفاکشی کی بدولت اور عربوں اور غیر مسلموں کی شدید مخالفت کے باعث عام لوگوں کی ہمدردیاں ان خوارج کے ساتھ تھیں۔ ہارون الرشید کے عہد خلافت یعنی دوسری صدی ہجری کے اواخر میں امیر حمزہ سیستانی خارجی انقلابیوں کا سرکردہ تھا اُس نے اپنی جرأت و دانائی کے سبب عباسی فوجوں کو کئی مرتبہ شکست دی، اور سیستان میں خطبے میں خلیفہ کا نام لینے کے عباسی اثر و نفوذ کو یکسر ختم کر دیا۔

عباسیوں کے مشہور خلیفہ ہارون الرشید امیر حمزہ سیستانی کو ایک تہدید آمیز خط لکھا۔ جس نے خلیفہ کو اسی قسم کا تند و تیز خط لکھا۔ ہارون الرشید ایک بڑی فوج کے ساتھ حمزہ کی سرکوبی کے لئے نکلا اُدھر حمزہ بھی تیس ہزار جانثاروں

کے ساتھ مقابلے کے لئے بڑھا مگر نیشاپور پہنچ کر حمزہ کو خبر ملی کہ ہارون وفات پا گیا ہے۔لہذا اس المناک موقع پر اس نے جنگ کرنی مناسب نہ سمجھی اور سیستان کو لوٹا چونکہ جہاد کی نیت سے نکلا تھا۔اس لیے سیستان میں پانچ ہزار فوج چھوڑ کر وہ بلوچستان اور سندھ کی طرف غزا کی نیت سے بڑھا۔چھ سال کی مہمات اور جنگوں کے بعد وہ واپس سیستان آیا۔

حمزہ سیستانی نے باقی زندگی آرام سے گذاری اور ۲۱۳ھ میں وفات پا گیا۔حمزہ اپنے غیر معمولی کارناموں اور جرات مندی کے باعث لوگوں میں ایک افسانوی پہلوان کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

یہ جو داستان امیر حمزہ کے نام سے فارسی اور اردو میں کتابیں ملتی ہیں یہ غالباً اسی امیر حمزہ کی بہادری اور جنگوں کی داستانیں ہیں جو غلط فہمی اور نام کے اشتراک کی بنا پر سیدنا حمزہؓ عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر دی گئی ہیں۔

وزیرستان کے علاقے کے قریب گردیز کا شہر جو افغانستان کے صوبہ پکتیا کا صدر مقام ہے۔اس حمزہ سیستانی کا آباد کیا ہوا ہے۔اس کی تصدیق کتاب "حدود العالم من المشرق الی المغرب" سے ہوتی ہے۔اس کتاب کے مصنف نے گردیز کو خوارج کا ایک مرکز کہا ہے۔

تیسری ہجری صدی کے آغاز یعنی ۸۰۵ء کے لگ بھگ عباسیوں کا اقتدار کمزور ہو گیا تھا۔کابل کا ہندو حاکم رُتبیل بھی اس زمانے میں بُست تک کے مشرقی علاقے تک حکمران تھا۔اگر چہ رُتبیل اور کابل شاہ گاہے بگاہے اسلامی حکومت کو خراج ادا کرتے تھے۔لیکن پہلے کی طرح آبائی دین پر قائم اور اندرونی طور پر خود مختار تھے۔جہاں تک سلسلہ کوہ سلیمان میں عرب اسلامی حملوں کا تعلق ہے۔اُس کا حال ایک کتبے سے معلوم ہوتا ہے۔جو ۱۹۰۷ء میں وادی ٹوچی میں ملا تھا۔اس کتبے کی تاریخ ۲۴۲ھ ہے۔یہ کتبہ عربی اور سنسکرت دونوں زبانوں میں لکھا ہوا ہے۔ اور آج تک پشاور کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔اس میں کسی عمارت کی تعمیر کا ذکر ہے مگر عمارت کے تعمیر کنندہ کا نام نہیں پڑھا جا سکتا ہے۔جو کہ غیر عرب معلوم ہوتا ہے۔مگر اس کتبے سے ظاہر ہے کہ سیستان سے لے کر وادیٔ ٹوچی تک عربی زبان کا اثر و نفوذ ہو گیا تھا۔اور اس علاقے میں کافی مسلمان موجود تھے۔دوسری طرف یہ ظاہر ہوا کہ اسلام سے قبل ان علاقوں میں سنسکرت زبان رائج تھی۔

صفاری خاندان

تیسری صدی ہجری کے نصف اول میں سیستان میں ایک نئی سلطنت کی داغ بیل پڑی جو جلد ہی بغداد کی عباسی خلافت کی حریف بن گئی۔ اس سلطنت کا بانی یعقوب بن لیث سیستان کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ یعقوب نے اپنے والد کا پیشہ چھوڑ دیا اور اپنے چند نوجوان ساتھیوں کے ساتھ صالح بن نصر کی فوج میں شامل ہو گیا۔ یہ شخص خوارج کا سخت مخالف تھا، اس لئے خلیفہ عباسی کی طرف سے سیستان کا امیر تسلیم کرلیا گیا تھا۔

چھ سال کی بعد صالح کا بھائی امیر سیستان بنا اسی زمانے میں یعقوب بن لیث اس کی فوجوں کا سپہ سالار مقرر کیا گیا دو سال کے بعد یعقوب نے اس فوج کی مدد سے امارات پر قبضہ کرلیا اور لوگوں نے بحیثیت امیر سیستان اس کی بیعت کرلی۔ یعقوب بہت فعال تھا دن بدن اس کا اقتدار بڑھتا گیا اور تمام سیستان پر اس کا اقتدار قائم ہو گیا، کچھ عرصے کے بعد اس نے ہرات پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور کرمان اور شیراز بھی فتح کر لئے۔ سید بہادر شاہ ظفر اپنی شاہکار تاریخ ''پشتون تاریخ کے آئینے'' میں لکھتے ہیں کہ غزنی کا شہر بھی یعقوب نے بسایا تھا۔

یعقوب بن لیث صفار کا بڑا کارنامہ فتح کابل تھی۔ اُس نے ۲۵۷ھ مطابق ۸۷۰ء میں کابل پر حملہ کیا۔ اور کابل شاہ کو شکست دے کر شہر پر قبضہ کرلیا۔ اُس نے کابل کے بڑے معبد یا مندر کا بُت بامیان کے دوسرے بتوں کے ساتھ خلیفہ کی خدمت میں بغداد بھیجا۔ ۲۵۹ھ مطابق ۸۷۶ء میں یعقوب نے ہندوکش پار کر کے بلخ پر حملہ کیا۔ اور اُسے فتح کر کے اپنی قلمرو میں شامل کیا۔ اس کے بعد اس نے نیشاپور پر حملہ کیا۔ طاہری خاندان کے آخری حکمران محمد بن طاہر کو گرفتار کیا جس کے ساتھ ہی آل طاہر کی حکومت ختم ہوگئی۔

یعقوب کی روز افزوں طاقت اور بڑھتے ہوئے اقتدار سے خائف ہو کر خلیفہ المہدی باللہ نے اس کی مخالفت شروع کردی اور اسے باغی قرار دیا گیا۔ اس پر یعقوب نے خلیفہ کی معنوی اور روحانی اقتدار سے انکار کر دیا اور عباسی دربار سے اپنے سیاسی تعلقات توڑ دیے۔ اور خلیفہ کے خلاف جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے فوج لے کر بغداد کا رُخ کیا۔ خلیفہ اور یعقوب کے درمیان جنگ ہوئی لیکن خلیفہ کی طرف سے اس کی فوجوں کو بہلا پھسلا کر اُس سے الگ کیا گیا۔ اس سے یعقوب کو شکست ہوئی لیکن اس کے عزم اور ارادے میں فرق نہیں آیا۔

اُس نے دوبارہ فوج مجتمع کر کے بغداد کا ارادہ کیا۔ لیکن راستہ میں بیمار پڑ گیا اور جندی شاپور (نیشاپور) کے مقام

پر ۲۶۵ھ یا ۸۷۹ء میں وفات پا گیا۔

یعقوب اس خاندان کا بلند ہمت شجاع اور ٹھنڈے مزاج کا آدمی تھا۔ جب بغداد پر دوسری فوج کشی کے دوران وہ بیمار ہو کر پڑا ہوا تھا، خلیفہ کی طرف سے صلح کا قاصد اس کے پاس بھیجا اس موقع پر یعقوب نے ایلچی کو ایک مٹی کا بنا ہوا کوزہ کچھ پیاز ایک سوکھی روٹی اور ایک تلوار دکھائی اور کہا کہ خلیفہ سے کہو کہ اگر میں صحت یاب ہو گیا تو یہ تلوار میرا اور تمہارا فیصلہ کرے گی اور اگر میں نے شکست کھائی تو روکھی روٹی اور یہ پیاز میری عام خوراک ہے اور میرے لئے کافی ہے۔

یعقوب نے غزنی کا شہر آباد کیا اور پہلی مرتبہ خلجی یا غلجی قبائل کو جو کہ افغان تھے اپنا مطیع بنایا اور ان کی ایک بڑی فوج مرتب کی، کیونکہ یہ لوگ غزنی کے آس پاس کے علاقے میں سکونت پذیر تھے۔ یعقوب نے بھی پہلی مرتبہ اُس علاقے میں جو کہ سامانی سلطنت کا مشرقی صوبہ کہلاتی تھی۔ اسلامی اثر ونفوذ بڑھایا۔ اور تمام احتمالات کی بنا پر کہا سکتا ہے کہ یہ پہلا بادشاہ تھا۔ کہ جس کی فوج میں پٹھان بہت بڑی تعداد میں شامل ہوئے تھے۔ اور گمان غالب ہے کہ کابل اور غزنی کے علاقے میں اسلام کی اشاعت وتوسیع صفاری خاندان کے زمانے ہی میں ہوئی۔ اس کام کو محمود غزنوی نے بعد میں آگے بڑھایا۔

یعقوب بن لیث کی وفات پر اس کا بھائی عمر بن لیث ۲۶۵ھ یا ۸۷۰ء میں اس کا جانشین بنا۔ عمر نے خلیفہ عباسی کے ساتھ صلح کر لی لیکن روز بروز اپنی قوت وطاقت بڑھاتا رہا۔ جس کو خلیفہ تشویش کی نظر سے دیکھتا تھا اور اپنے لئے خطرہ سمجھتا تھا۔

چنانچہ اسی بنا پر خلیفہ نے سامانیوں کی نو قائم شدہ سلطنت کو عمر بن لیث کے خلاف اُبھارا۔ چنانچہ ۲۸۶ھ میں بخارا میں عمر بن لیث اور سامانیوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ جس میں سامانیوں کو فتح حاصل ہوئی۔ اس کے بعد ایک اور جنگ دونوں قوتوں میں ہوئی۔ عمر لیث اس جنگ میں نفس بہ نفیس شریک تھا۔ لیکن اس بار بھی فتح نے سامانیوں کے قدم چومے۔ اور عمر لیث اُن کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ عباسی خلیفہ معتضد باللہ جو کہ صفاریہ کا کٹر مخالف تھا عمر لیث کو سامانیوں سے مانگا۔ اور اسمٰعیل سامانی نے اُسے خلیفہ بغداد کے پاس بھجوایا۔ جس نے اُسے قید میں ڈال دیا اور اس قید میں عمر لیث نے ۲۷۹ھ میں وفات پائی۔ یوں غزنی کا علاقہ سامانی سلطنت کا حصہ بن گیا۔

کابل شاہان ہندوشاہان اور پٹھان

جب مسلمانوں نے افغانستان کے علاقے میں قدم رکھا تو یہ ملک چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں منقسم تھا۔ ان میں سے کابل حکومت باقیوں کی نسبت زیادہ طاقتور تھی۔ جو شمالاً جنوباً ہندوکش سے لے کر ہلمند یا ہیر مند تک اور پھر مشرق میں دریائے سندھ تک پھیلی ہوئی تھی۔ کابل کے ہندو بادشاہوں کا یہ سلسلہ جو کہ کابل شاہوں کے نام سے مشہور تھا۔ غالباً ان بادشاہوں کی باقیات میں سے تھا جو کیدری یا چھوٹے کشان کہلاتے تھے جن کے ساتھ ایک اور قوم ہفتلیوں کا بھی خلط ملط ہو گیا تھا۔ یہ سلسلہ کابل شاہوں، ترکی شاہوں، کشاتریوں، برہمن شاہوں اور ویہند کے ہندوشاہوں جیسے مختلف ناموں سے کیا گیا ہے۔

البیرونی کا قول سید بہادر شاہ ظفر نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے۔ کہ یہ سلسلہ دو حصوں میں تقسیم تھا، پہلا حصہ رتبیل یا کابل شاہان جو کشاتریہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے اور بدھ مت کے پیروکار تھے۔ بعد میں اسے تگین شاہان کہا جانے لگا، بقول البیرونی تگین شاہوں کا بانی برہاتگین اور آخری بادشاہ تورمان تھا۔ اور دوسرا طبقہ برہمن شاہان کبریں ہندوشاہان کے نام سے موسوم تھا۔ اس سلسلے کا بانی کلر تھا جو کہ تورمان کا وزیر تھا۔ اس نے بادشاہ کے اختیارات سلب کر لئے اور خود بادشاہ بنا۔ یہ برہمنی سلسلے کا بانی تھا۔

بہر حال ان دونوں طبقوں نے چھٹی صدی عیسوی سے لے کر گیارہویں صدی عیسوی تک کوہ ہندوکش کے جنوب میں حکومت کی۔ شروع میں ان کا دارالسلطنت کاپیسی بگرام تھا، مگر برہمن شاہوں کے سلسلے کے ہاتھوں ہی کاپیسا کا سقوط ہوا اور ان کا مرکز حکومت کابل میں منتقل ہوا۔ بادشاہوں کے اس طویل سلسلے کا مذہب برہمنی مذہب تھا۔ انہوں نے سامانیوں ترکوں، ہندیوں اور آخر میں عربوں کے ساتھ اپنے وطن اور سلطنت کی حفاظت کے لئے خونریز جنگیں لڑیں۔

لیکن جب اس علاقے کے لوگ مسلمان اور صاحب اقتدار ہوئے تو برہمن شاہوں کی سلطنت میں بھی ضعف او اضمحلال آیا۔ چنانچہ صفاریوں کے عہد میں ان کی سلطنت سمٹ گئی۔ اور ان کا دارالحکومت کابل سے ویہند (ہنڈ) منتقل ہو گیا۔ اور جب صفاریوں کے بعد غزنوی دور آیا تو شروع میں ان کی سلطنت لغمان اور پشاور اور بعد میں پنجاب میں ضم کر دی گئی۔ اور آخر میں یہ ختم کر دی گئی۔ اور گو اسلام کی روشنی میں پشتونوں کے اس خطے میں آغاز ہی

سے پھیل گئی تھی۔ مگر ہندو شاہی حکمران دو سو سال تک مسلمانوں سے کبھی لڑ کر اور کبھی صلح کر کے اور خراج ادا کر کے اپنی سلطنت کو بچاتے رہے۔

گو ان راجاؤں کے حالات پردہ تاریکی میں ہیں لیکن وہ بہادر اپنے دین کے محافظ اور اپنی رعیت کے خیر خواہ معلوم ہوتے ہیں۔ دو چینی سیاح ہیون سانگ اور اس کے بعد ۱۳۰ سال بعد دو کونگ ۷۵۹ء ۷۵۱ء کے درمیان اس علاقے میں آگئے اور ان کے حالات لکھے ہیں۔

کابل شاہوں کا صدر مقام کابل سے ۶۵ کلومیٹر دور شمال کی جانب بگرام کے کھنڈرات کے پاس متعین کیا گیا ہے۔ چینی سیاح ہیون سانگ نے جس کے ۶۳۵ء سے ۶۴۵ء ہندوستان کی سیاحت کی تھی، ۶۳۲ء میں شہر میں بادشاہ سے ملاقات کی تھی۔ اس کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ گندھارا کا علاقہ بھی کاپیسا میں شامل تھا اور اس سے کچھ پہلے ہیون سانگ کی سیاحت کے وقت ٹیکسلا کی ریاست کشمیری کی باجگذار تھی۔ ہیون سانگ کہتا ہے "کاپیسا کا بادشاہ کشاتریہ طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ اور ایک عقلمند اور بوڑھا اور بلند ارادے والا ہے۔ اور دس صوبوں یا ریاستوں پر حکمران ہے۔ اپنی رعیت سے محبت کرتا ہے۔ بدھ مت کا پیرو ہے۔ ہر سال اٹھارہ فٹ لمبا طلائی مجسمہ بناتا اور اسے یتیموں اور بیواؤں اور محتاجوں میں تقسیم کرتا ہے۔

۱۷۶ھ مطابق ۷۹۲ء میں ابراہیم بن جبل نے فضل بن یحییٰ گورنر خراسان کے حکم سے کاپیسا پر حملہ کر کے شہر کو بہت نقصان پہنچایا۔ یہ حملہ درہ غور بند کی راہ سے کیا گیا تھا۔ اس کے بعد صدر مقام کابل منتقل کر دیا گیا۔ اور کابل بھی موجودہ کابل سے جنوب سے مشرق کو سات آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر لوگر دریا اور کرنی چکری کی طرف واقع تھا۔ ترکی شاہوں یا بدھ مذہب والے کابل شاہوں کے بعض سکے خاران سے ملے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علاقہ بھی حکومت میں شامل تھا۔

بہادر شاہ ظفر کاکاخیل رقمطراز ہیں کہ کابل شاہوں کے سکوں سے جن بادشاہوں کے نام معلوم ہوئے ہیں۔ ان کی ترتیب کچھ یوں ہے۔

۱۔ سیالاپتی دیوا ۲۔ سامنتہ دیوا

۳۔ اہمیہ دیوا ۴۔ دیکا دیوا ۵۔ کماریا کا دیوا

البیرونی اس سلسلے کا بانی (کلر) کو بتاتا ہے ان دونوں ناموں میں مطابقت بظاہر مشکل ہے کہ "کلر" نے تخت نشین ہونے کے بعد "سیالاپتی" کا لقب اختیار کیا ہو۔ یہ حروف ناگری اور ساتھ ہی کوشانی زبان میں لکھے گئے ہیں۔ دوسرے بادشاہ کا نام البیرونی نے سامند بتایا ہے جس کا مطلب سپہ سالار ہے۔ فرانسیسی محقق لوشہ کے مطابق یعقوب لیث صفاری نے کابل میں سپہ سالار کو قید کر کے مسلمان کیا۔ اگر یہ سچ ہے تو یعقوب اور سامنتہ دیو دونوں ہم عصر بنیں گے۔

سامند یا سامنتہ دیو یا تو جنگ میں یعقوب لیث کے ہاتھوں مارا گیا یا شکست کے بعد مسلمان ہو گیا۔ یعقوب لیث اور رتبیل سامنتہ دیو کی اس جنگ کی تفصیل محمد عوفی نے "جوامع الحکایات" میں بیان کی ہے، جسے بہادر شاہ ظفر کے حوالے سے یہاں بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

"کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یعقوب لیث کو ہمت بلند عطا کی تھی چنانچہ اپنی ہمت کی برکت سے عروج کی بلند سڑھیوں پر پہنچا۔ جب صالح نصر بھاگ کر رتبیل کے پاس چلا گیا تو امیروں نے اُسے رتبیل پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا۔ اور کہا کہ تیری طاقت رتبیل کے مقابلے میں کم ہے۔ مگر خدا پر توکل کر کے حملہ کر اور چال کو کام میں لا۔ یعقوب نے اپنی فوج جمع کی جو ایک ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ اور رتبیل سے لڑنے کے لئے روانہ ہوا۔ جب بُست پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے اس کی کم فوج کا مذاق اُڑایا۔ پس یعقوب نے چال سے کام لیا۔ اس نے اپنے دو با اعتبار سفیروں کو اس پیغام کے ساتھ رتبیل کے پاس بھیجا۔ کہ میں تمہاری خدمت میں حاضر ہو کر تمہاری خدمت کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ لیکن اگر یہ بات سپاہیوں سے کہوں تو مجھ سے باغی ہو جائیں گے اور مجھے میرے دوستوں کو قتل کر دیں گے۔ لہٰذا اُن سے کہتا ہوں کہ میں تمہاری رتبیل کی جنگ کے لئے آرہا ہوں۔ لیکن جب میں تمہارے پاس پہنچوں گا تو یہ لوگ بھی میرا ساتھ دینگے۔"

اس پیغام سے رتبیل بہت خوش ہوا۔ کیونکہ وہ یعقوب کے ہاتھوں تنگ تھا۔ اُس نے دونوں سفیروں کو نوازا اور کافی وعدوں کے ساتھ واپس یعقوب کے پاس بھیجا۔ دوسری طرف یعقوب نے فوج میں یہ بات پھیلا دی کہ میں ان دو سفیروں کو جاسوسی کی غرض سے رتبیل کے پاس بھیج رہا ہوں جب یعقوب رتبیل کے قریب پہنچا تو اُس نے صالح نصر کو بلا کر کہا کہ چونکہ یعقوب اب کی بار صلح کی غرض سے آرہا ہے۔ لہٰذا اُس سے لڑنا مناسب نہیں اور پھر ٹھیک

اسی وقت یعقوب سے ملاقات کی تیاریاں شروع کر دیں۔

رتبیل کا یہ قاعدہ تھا کہ جب وہ گھوڑے پر سوار ہوتا تھا تو فراش اُس کے تخت کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر چلتے تھے۔ اور کبھی وہ تخت پر بیٹھ جاتا تو اُسے اُٹھا کر چلتے۔ جب اُس کی فوج نے صفیں قائم کیں تو رتبیل تخت پر بیٹھ گیا اور دونوں کناروں پر فوج کی قطاریں کھڑی ہو گئیں۔ پھر ٹھیک اسی وقت یعقوب نے اپنی تین ہزار سوار فوج سے حملہ کیا، تلواریں نکال کر اس کی فوج کے کشتوں کے پشتے لگا دئے۔ جب کفار نے اپنے بادشاہ کا کٹا ہوا سر دیکھا تو راہ فرار اختیار کر لی۔ اس روز قتل عظیم ہوا۔ اور فتح یعقوب کو نصیب ہوئی۔ اور اُس کے ہاتھ قدر خزائن دفائن آئے کہ عقل وہم اس کا اندازہ نہیں کر سکتی تھی۔ صالح نصر یہ دیکھ کر زابلستان کو بھاگ گیا۔ اور اُس کا لشکر اُس سے الگ ہو کر یعقوب سے آملا۔

اس کے بعد یعقوب نے صالح نصر کو زابلستان سے بلا بھیجا۔ اُسے یعقوب نے قید کر دیا۔ جو وہیں مر گیا۔ یعقوب نے فتح کے بعد بُست کے لوگوں پر بھاری جرمانہ بھی کیا۔ کیونکہ انہوں نے اس کا مذاق اُڑایا تھا۔ یعقو اور سامنتہ دیو کی لڑائی غزنی اور کابل کے درمیان کسی مقام پر ہوئی تھی۔ جو دارالحکومت کے قریب ہی ہوتا ہوگا۔

اس شکست کے بعد کابل شاہوں نے اپنا صدر مقام ''اودھ بھانگر یا اوہند'' (ہنڈ) منتقل کیا۔ مگر کابل کا شہر اس کے بعد بھی آباد رہا۔

البیرونی کی ترتیب کی مطابق تیسرا بادشاہ ''کمکو یا کلمو'' تھا عوفی یزدی کے قول کے مطابق وہ یعقوب کے بھائی عمر لیث کا ہم عصر تھا۔ جو ۸۷۹ء سے ۹۵۰ء تک حکمران رہا کلمو کو رائے ہندوستان کہا جاتا ہے عوفی کا کہنا ہے کہ عمر لیث فردعان کو زابلستان کی حکومت پر مامور کیا۔ اور چار ہزار فوج اس کے ہمراہ روانہ کی۔ جب وہ زابلستان پہنچا تو اس نے سکاوند پر حملہ کیا جہاں ہندوؤں معبد تھا۔ جس کی زیارت کے لئے لوگ ہندوستان سے بھی آتے تھے۔

اُس نے معبد کے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا اور بت پرستوں کو قتل کر دیا کچھ مال غنیمت فوج میں تقسیم کر دیا، اور کچھ عمر لیث کے پاس بھیج دیا۔ سکاوند یا سکاوند وادی زرمت اور لوگر کے درمیان تیمور درے کے قریب واقع ہے۔

البتہ مسکوکات میں کلمو کا نام نہیں ملتا۔

کابل شاہوں کا چوتھا بادشاہ البیرونی کے قول کے مطابق بھیمہ یا بھیمہ پالہ تھا اس کے نقرئی مسکوکات میں جو علاقہ

کابل سے ملے ہیں اسے بھیم یہد یو لکھا گیا ہے۔ پانچواں نام "مسکا دیوا" کا آتا ہے جو تانبے کے سکوں پر پایا جاتا ہے۔

مگر البیرونی کی فہرست میں اس راجہ کا نام نہیں ہے۔ ایک اور نام کماریا کا دیوا ہے۔ جس کے سکے بہت کمیاب ہیں۔ اس کا نام بھی البیرونی کے ہاں نہیں ملتا۔ شاید اُس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا ہو۔

البیرونی نے لکھا ہے کہ اسی سلسلے کے دو بادشاہ جے پال اور انند پال تھے جو غزنوی بادشاہوں کے ساتھ جنگ کرنے کے باعث بہت مشہور ہیں۔ مگر اُن کے نام کا کوئی سکہ اب تک نہیں ملا۔ حالانکہ اس خاندان میں دوسرے بادشاہ سامنتہ دیوا یا سامند کے بے شمار سکے دستیاب ہوئے ہیں۔

اس خاندان کے بادشاہوں کے مسکوکات عموماً افغانستان کے جنوبی مشرقی صوبوں اور ویہند کے گرد و نواح میں ملے ہیں۔ ان مسکوکات سے تاریخی حالات کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم کے سکوں میں بادشاہ گھوڑے پر سوار ہے۔ اور دوسری بیل کی تصویر ہے۔ دوسری قسم کے مسکوکات میں ایک طرف بادشاہ گھوڑے پر سوار ہے اور دوسری طرف ہاتھی یا شیر کی تصویر ہے۔ سامنتہ دیوا کے اکثر سکے تانبے اور چاندی کے ہیں۔

بہادر شاہ ظفر نے لکھا ہے کہ خلیفہ المقتدر باللہ ۹۰۸ء نے اپنے سکہ جات کابل شاہوں کے سکوں کے نمونے پر ڈھالے ہیں۔ صرف بادشاہ کا نام عربی میں ہے۔ جو میرے خیال میں درست نہیں۔ کابل شاہوں نے ہی وقت کے خلیفہ کا نام اپنے سکوں پر لکھوایا ہوگا۔

غوری بادشاہوں نے اپنے مسکوکات میں بیل کی تصویر ترک کر کے عربی پر پیچ خط کو رواج دیا کابل شاہوں کی یہ حکومت پشتونوں کے علاقوں ہی میں رہی مگر اُن کے حالات اس دور میں بالکل پردہ اخفا میں ہیں اور کسی قسم کی تفصیل معلوم نہیں ہوتی بقول سید بہادر شاہ ظفر سکندر اعظم کے حملے سے لے کر بابر تک اٹھارہ سو سالہ طویل دور پشتون تاریخ کا تاریک ترین دور ہے۔

غزنوی دور
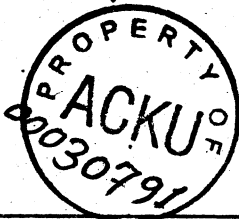
صفاری خاندان کے خاتمے پر بخارا کے سامانی خاندان نے زابلستان اور سیستان اپنی حکومت میں شامل کر لئے۔ مگر اُن کا دور مختصر اور نہ محسوس ہونے والا تھا۔ کابل کو ۸۷۰ء میں یعقوب لیث نے اور لوگر کو اس کے بھائی عمر لیث نے ۸۷۵ھ مطابق ۹۹۵ء میں فتح کیا تھا۔ "طبقات ناصری" کے قول کے مطابق ابو بکر لاویک سامانی حکومت کی جانب سے غزنہ میں زابلستان اور کابل کا حکمران تھا۔ اس سال الپتگین نامی ایک ترکی امیر نے جو کہ سامانیوں کی طرف سے خراسانی افواج کا کمانڈر تھا ایک جنگ میں ابو بکر لاویک سے غزنی کو فتح کیا۔ اس طرح غزنی میں ایک نئی سلطنت نے تشکیل پائی۔ بعد میں غزنویوں اور کابل شاہوں کے درمیان جنگوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوا۔ جو بالآخر کابل شاہی ہندوؤں کی حکمرانی کے خاتمے پر منتج ہوا۔ انہی دنوں میں جب الپتگین نے غزنی میں اپنی حکومت قائم کی غالباً کابل شاہی حکمران جے پال بھی تخت نشین ہوا تھا۔

صفاریوں اور سامانیوں کے دارالحکومت کابل شاہوں کے صدر مقام ولہنڈ سے کافی فاصلے پر واقع تھے۔ مگر غزنی میں نئی حکومت کے قیام کے بعد کابل شاہی راجاؤں نے اپنا مرکز سلطنت ولہنڈ سے بٹھنڈہ منتقل کر دیا۔ جو دریائے ستلج کے کنارے ایک مضبوط قلعہ تھا۔

جو غزنی سے دور محفوظ تھا، بقول مصنف "تاریخ فرشتہ" جے پال کی سلطنت طول میں سرہند سے لمغان تک اور عرض میں کشمیر سے ملتان تک پھیلی ہوئی تھی۔ جے پال کے لئے نہ صرف غزنی میں نئی نئی قائم شدہ سلطنت خطرے کی پہلی گھنٹی تھی بلکہ وہ افغان قبائل واقوام بھی جو دریائے سندھ اور لمغان کے درمیانی علاقے میں آباد تھے۔ کیونکہ دارالسلطنت کی منتقلی کے بعد ان پٹھان قبائل میں سرکشی پیدا ہونا فطرتی امر تھا۔

"تاریخ فرشتہ" میں لکھا ہے کہ ان دنوں میں جے پال اور پشتون قبائل کے درمیان چار پانچ مہینے کے اندر ستر لڑائیاں ہوئیں۔ ممکن ہے کہ ان کی نوعیت مقامی رہی ہو۔ بہر حال ان کا جے پال کے لئے وجہ پریشانی بننا اغلب تھا۔ انہی دنوں میں پنجاب کے کھوکھروں اور جے پال کے خلاف پشتونوں میں اتحاد ہوا جس سے مجبور ہو کر جے پال نے لغمان کے علاقے میں اس شرط پر افغانوں کی سیادت تسلیم کی کہ وہ غزنی اور سامانی حملہ کے خلاف پنجاب پر حملے کا دفاع کرینگے اور کھوکھروں سے مقابلے میں دخل نہ دینگے۔ شیخ حمید لودھی کو جو کہ افغانانوں کا سربراہ اور

اہم شخصیت کا مالک تھا۔ اُن کا سربراہ تسلیم کیا گیا۔ اسی زمانے سے ہند میں لودھی پٹھانوں کے اقتدار اور عروج کا آغاز ہوا۔ الپتگین کے لئے اپنی نوازئیدہ مملکت کے استحکام کے لئے جے پال سے نبرد آزمائی ضروری تھی۔ مگر ۹۶۳ء میں اس نے وفات پائی، اس کے بعد اس کا بیٹا اسحاق غزنی کا نیا حاکم بنا۔ اس کے بعد بلکاتگین اور پھر پیری تگین بخارا کی سامانی حکومت کے گورنروں کی حیثیت سے غزنی کے حاکم رہے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی امور سلطنت چلانے کا اہل نہیں تھا۔

آخر ۹۷۷ء میں سبکتگین جو کہ الپتگین کا داماد تھا۔ تخت غزنی پر جلوہ افروز ہوا اور غزنوی خاندان کی بنیاد رکھی۔ یہ غزنوی سلاطین کا عہد ہی تھا جس میں افغان یا پٹھان یا پشتون بطور ایک فیصلہ کن اور موثر قوت کے اُبھرے یہی عہد تھا جس میں پشتون من حیث القوم اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ اس سے پہلے وہ سب کے سب مسلمان نہیں تھے۔ بعد میں افغانوں نے ہندوستان میں ایک عظیم سلطنت قائم کی اور بقول بہادر شاہ ظفر کہ یہ سلطنت ان کے اپنے وطن افغانستان میں نہیں تھی مورخ مذکور نے افغان تاریخ کے اس دور کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ تخت غزنی پر سبکتگین کی تخت نشینی ۹۷۷ء سے شروع ہوتا اور محمد غوری کی وفات ۱۲۰۶ء پر اختیام پذیر ہوتا ہے۔ دوسرا حصہ وہ ہے جو افغانستان میں چنگیز خان کے ہاتھوں غوری حکمران کے زوال ۱۲۲۰ء شروع ہوتا اور ظہیر الدین بابر کی فتح ہند ۱۵۲۶ء کے ساتھ ہوتا ہے۔

پہلے دور میں جو کہ تقریباً دو سو سال پر محیط ہے طاقت کا منبع غزنی تھا۔ یہ شہر پشتونوں کے علاقے کے وسط میں واقع تھا۔ اور پہلے غزنویوں اور بعد میں غوریوں کی سلطنت کا صدر مقام تھا۔ اس دور کے ابتدائی حصے کے حالات البیرونی اور لعتبی نے لکھے ہیں۔ دوسرے دور میں جو کہ تقریباً تین سو سال پر مشتمل ہے پٹھانوں کی طاقت کا مرکز ہندوستان میں دہلی اور اس کے آس پاس کے علاقے میں رہا۔ اس دور میں پشتونوں کا وہ مسکن جسے آج کل افغانستان کہتے ہیں۔ چنگیز خان اور اس کے اولاد کے خونریز اور وحشیانہ حملوں کے نتیجے میں تباہ و برباد ہوا۔ حتیٰ کہ پہلے دور کی شاندار تہذیب وثقافت کا خاتمہ ہو گیا۔ شہر ویران اور بندات و کاریزیں تباہ کر دی گئی۔ اور مدت تک وحشت و ویرانی کا بھوت ناچتا رہا تیرھویں صدی عیسوی میں اولاد تیمور نے مختلف علاقوں میں ایسی سلطنتیں قائم کر کے دوبارہ تعمیر کا آغاز کیا جس سے گذشتہ بربادیوں کی تلافی ہوئی۔

غزنویوں اور غوریوں کے دور میں افغان ایک عظیم مہم جو قوت کی حیثیت سے اُن مسلمان بادشاہوں کے دست و بازو بنے جنھوں نے ہندوستان پر حملے کئے اور پہلی دفعہ افغان ہندوستان سے متعارف ہوئے۔ دوسرے دور میں اپنوں سے خود ہندوستان کی بادشاہی حاصل کر لی، حیرت استعجاب کی بات ہے کہ جہاں تین سو سال تک پشتون ہندوستان میں غالب قوت کی حیثیت سے رہے وہاں اُن کا اصلی وطن و مسکن جسے "روہ" کے نام سے جانا اور پکارا جاتا تھا ایک منظم و مضبوط حکومت سے محروم رہا۔ قبائلیت کا دور دورہ رہا، اس دور میں نہ تو ہند کے افغان سلاطین نے یہ کوشش کی کہ اپنے اصل وطن یعنی موجودہ افغانستان کو بھی اپنی وسیع سلطنت میں شامل کر لیں اور نہ ہی آس پاس کی دوسری اقوام نے یہ جرات کی کہ افغانوں کے وطن پر قبضہ کریں۔ ہندوستان کے افغان بادشاہ (روہ) کا مصرف سمجھتے تھے کہ بوقت ضرورت وہاں سے فوجی بھرتی کریں اور اپنی ہندی سلطنت کی حفاظت افغان جوانوں سے کریں۔

سبکتگین نے تخت نشینی کے بعد بُست اور خضدار کے شہر فتح کیے اور اس زمانے میں جبکہ بخارا کا سامانی دربار کمزور ہو چکا تھا۔ لہذا اس نے افغانوں سے دوستانہ روابط رکھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بقول غزنوی مورخ العتبی کے سبکتگین کی فوج میں شامل ہوئے ہزاروں خلج اور افغانوں عتبی نے جن پشتون قبائل کو خلج کہہ کر افغانوں کو الگ کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ یہی غلجی، غلزئی ہیں جو افغانوں کا ایک مشہور اور بہادر قبیلہ ہے۔ اور اُن سے الگ نہیں ہے۔ افغانوں کی اس موافقت و معاونت سے سبکتگین اس قابل ہوا کہ کابل شاہ سے پنجہ آزمائی کر سکے۔ اس نے ملتان کو جے پال سے فتح کرنے کے بعد شیخ حمید لودھی کو دیا جو کہ افغان تھا۔ اور یہ ہندوستان میں افغانوں کی سب سے پہلی سلطنت تھی۔

ان واقعات پر جے پال کے کان کھڑے ہوئے اور اس نے ایک بڑی فوج کے ساتھ غزنی پر حملہ کرنے کیلئے پیشقدمی کی لغمان اور جلال آباد کے درمیان "غورک" کے مقام پر سبکتگین اور جے پال کے درمیان معرکہ آرائی ہوئی۔ افغانستان کی برفباری اور سخت سردی ہندوؤں کے لئے ناقابل برداشت تھی اس لئے جے پال شکست کھا کر صلح کا طالب ہوا۔ سبکتگین نے اپنے بیٹے محمود کی مخالفت کے باوجود جے پال سے صلح کر لی۔ جے پال نے پچاس ہاتھی اور دس لاکھ روپے تاوان جنگ دیا نیز اپنے شمالی قلعوں سے بھی دستبردار ہوا۔ اور بطور ضمانت اپنے

کچھ سرداروں کو سبکتگین کے پاس چھوڑا اور سبکتگین کے کچھ سرداروں کو تاوان جنگ کی رقم ادائیگی کے لئے اپنے ساتھ لیا، مگر اپنے مرکز لہنڈ میں پہنچ کر اپنے وعدے سے پھر گیا۔ اور سبکتگین کے سرداروں کو قید کر لیا۔
سبکتگین جے پال کی اس بدعہدی پر اس کے خلاف فوج لے کر بڑھا جے پال نے پہلے سے زیادہ بڑی فوج کے ساتھ اس کا سامنا کیا غالباً یہ جنگ ننگرہار میں کہیں واقع ہوئی۔ جس میں جے پال کو شکست ہوئی اور خراج کی ادائیگی کی شرط پر جان چھڑائی۔ چنانچہ ۹۸۷ء میں لغمان اور ننگرہار کے علاقے جے پال کے ہاتھ سے نکل کر غزنی کی سلطنت میں شامل ہو گئے۔ سبکتگین نے ۹۹۶ء میں ۵۶ سال کی عمر میں بلخ کے ایک گاؤں ترمذ میں وفات پائی

سبکتگین کے وفات کے بعد اسمٰعیل جو اس کا بڑا لڑکا اور الپتگین کا نواسا تھا تخت نشین ہوا۔ مگر بعد میں اپنے چھوٹے بھائی محمود سے شکست کھائی۔
محمود غزنوی اپنے ان خوش نصیب بادشاہوں میں سے ہے۔ جو اپنے عظیم الشان کارناموں کے باعث نہ صرف اسلامی تاریخ بلکہ عالم میں شہرت رکھتے تھے۔ وہ ۹۹۹ء میں غزنی کے تخت پر بیٹھا۔
اگرچہ وہ خود ترک تھا مگر اس کی ماں زابلستان کے ایک افغان سردار کی لڑکی تھی۔ یہی وجہ ہے، کہ اس نے افغانوں کی طرف زیادہ توجہ دی۔ محمود کے درباری مورخ عتبی نے لکھا ہے کہ بلخ کی مہم کو محمود غزنوی نے پٹھانوں خلج و افغان کی مدد سے سر کیا تھا۔

محمود غزنوی ۹۹۹ء تا ۱۰۲۶ء تک

اور اس دوران اُس نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے مذکورہ بالا مورخ محمود کی فوجوں میں پشتونوں کی اکثریت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ معرکہ ماردین میں ہندوؤں کی قوت وشوکت بہت زیادہ تھی۔ محاصرے نے طول کھینچا، سلطان نے پشتونوں سے درخواست کی پٹھان ہندوؤں سے لڑے اور آخر میں اُن کی صفوں میں گھس گئے اور اپنی چیش قبض سے انہیں چیر پھاڑ ڈالا۔ اس طرح تاریخ یمینی کا یہ مصنف ایک اور جگہ پٹھانوں کی شجاعت اور دلیری کے بارے میں رقمطراز ہے "پٹھان ہندوؤں کے لئے پیغام اجل تھے۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے جنگلوں میں گھستے اور ہرن کی طرح پہاڑوں کے اوپر چڑھتے۔ اور سیلاب کی مانند پہاڑوں سے اترتے۔ اور

برمے کی طرح دشمن کو سوراخ کرتے۔ وہ بھوکے شیروں کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑتے۔ اور ان کی آنکھوں کو دیکھ کر دشمن کا پتہ پانی ہوتا تھا۔"

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ پٹھان محمود غزنوی کی تمام مہمات میں اس کی فوج کا حصہ ہوتے تھے۔ سومنات کی جنگ میں تو پشتونوں نے خصوصی طور پر حصہ لیا اور ان کے سردار ملک عارف، ملک داؤد، ملک محمود، ملک یحیٰ، ملک شاہو، ملک خالو، ملک ماموا اور ملک احمد تھے۔

یہ معرکہ تکالیف اور شدتوں کے لحاظ سے ایک بے مثال معرکہ تھا۔ جب ایک موقعے پر ترکوں نے کچھ کمزوری دکھائی تو پٹھان آگے بڑھے جس کا ذکر ایک پٹھان نے ان دو شعروں میں کیا ہے۔

ا۔"ترک نام و ننگ سے ایسے درگذر کہ بھاگ گئے۔ میں ایک پٹھان پشتون ہی تھا جو سلطان کے پہلو میں کھڑا رہا"

۲۔"میں تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے جنگ کے میدان میں کودا اور بت شکن کے ہمراہ سومنات کے قلعے پر چڑھ دوڑا"

سبکتگین کی وفات کے وقت اس کا بیٹا اسمٰعیل جو چھوٹا تھا۔ باپ کے پاس موجود تھا اور محمود جو بڑا تھا نیشاپور میں تھا۔ خوشامدی وزراء کے ورغلانے پر اسماعیل نے اپنی بادشاہی کا اعلان کیا۔ مگر وہ ناتجربہ کار اور ناقبت اندیش تھا۔ تخت نشین ہوتے ہی۔ اُس نے خزانے کا منہ کھول دیا اور خود غرض اور خوشامدی امراء کو بے دریغ انعام واکرام خلعت سے نوازا، اور خود عیش وعشرت میں پڑ گیا یہ دیکھ کر محمود نے چھوٹے بھائی کو خط لکھا کہ اگر تم والد مرحوم کی سلطنت کو سنبھالنے کے قابل ہوتے تو چشم ماروشن دل ماشاد، مگر تم کو نہ سلطنت کی فکر ہے۔ نہ اس کے انتظام کی قابلیت اور تم بیوقوف خوشامدیوں میں گھرے ہوئے ہو عیش وعشرت میں مشغول ہو۔ ملک کو اس وقت ایک مضبوط اور طاقتور حکمران کی ضرورت ہے۔ جو اُن تمام دشمنوں کا مقابلہ کر سکے، جو ہمارے ملک کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ اور یہ بات تم میں موجود نہیں۔ لہذا بہتر ہے کہ تم بلخ اور خراسان کی حکومت پر قناعت کرو۔ اور غزنی کا تخت میرے حوالے کردو۔

جب یہ خط اسمٰعیل کو پہنچا تو خوشامدیوں نے اسے بہت برافروختہ کیا اور وہ بھائی کے مقابلے کی تیاریاں کرنے لگا۔ ادھر سے محمود بھی نیشاپور سے لشکر لے کر نکلا جنگ میں اسمٰعیل شکست کھا کر گرفتار ہوا۔ مگر محمود نے اس کے ساتھ

اچھا سلوک کیا۔

تخت نشین ہوتے ہی محمود نے گندھارا کے ہندوشاہوں کی حکومت کے سقوط کی طرف توجہ دی۔ اس کے باپ کا قدیم دشمن جے پال دو مرتبہ سبکتگین کے ہاتھوں بری طرح شکست کھا چکا تھا اور دوسری شکست کے ساتھ ہی پشاور بھی کھو دیا تھا۔ اب تک زندہ اور لاہور میں حکمران تھا۔ اس نے خراج کی ادائیگی سے عملاً انکار کر دیا۔ یہ جرات اسے محمود اور اسمٰعیل کی باہمی آویزش کے باعث ہوئی، نیز اس نے محمود کو نوجوان اور ناتجربہ کار سمجھ کر اُسے دبانے کی کوشش کی چنانچہ بقول بعض جے پال نے اور بقول بعض محمود نے پہل کی۔ جے پال بارہ ہزار سوار ۳۰ ہزار پیادہ فوج اور ۳۰۰ ہاتھیوں کے ساتھ لاہور پشاور فتح کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ اُدھر محمود بھی پندرہ ہزار فوج کے ساتھ جو کہ لودھی اور خلجی پٹھانوں پر مشتمل تھی، غزنی سے نکلا پشاور کے قریب (موجودہ یونیورسٹی) فریقین میں جنگ ہوئی جس میں جے پال بڑی بہادری سے لڑا۔ مگر اس کی تقدیر میں فتح نہ تھی۔ ہزاروں ہندو کھیت رہے اور جے پال محمود کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ یہ بہت خطرناک دشمن تھا۔

اس نے دو دفعہ اس کے باپ کو اور اب کی بار اسے تباہ کرنے کی کوشش کی۔ اُس سے قبل اُس نے سبکتگین کے آدمیوں کو خراج دینے کے بہانے لاہور جا کر قتل کر دیا تھا۔ یہ مستوجب سزا تھا۔

مگر اس کے لڑکے انند پال کی سفارش پر محمود نے کمال مہربانی سے اُسے اس شرط پر معاف کر دیا۔ کہ وہ پچیس ہزار اشرفیاں پچاس ہاتھی بطور خراج دربار غزنی کو ادا کریگا۔ نیز اپنا ایک بیٹا اور پوتا محمود کے دربار میں بطور یرغمال چھوڑے گا۔ اس حملے میں محمود کی فوج نے کابل شاہوں کے سابق مرکز ولہنڈ کو لوٹ لیا۔ مگر اس شکست اور رہائی کا جے پال پر اتنا اثر ہوا کہ لاہور پہنچ کر اس نے چتا روشن کی اور اس میں جل مرا۔

جے پال کے بعد اس کا بیٹا انند پال راجہ لاہور بنا۔ سات سال تک تو اُس نے غزنی کے دربار میں خراج بھیجا۔ انہی دنوں میں ملتان میں مسلمان اور افغانوں کی لودھی شاخ کی حکومت قائم تھی۔ شیخ حمید لودھی کا پوتا داؤد بن نصر اس وقت حاکم ملتان تھا۔ باطنیہ یا قرامطہ کے عقائد کی طرف میلان رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ شیخ حمید لودھی کو انند پال محمود غزنوی کے خلاف اُبھارتا تھا۔

اس لئے محمود غزنوی نے ملتان پر حملہ کر کے داؤد کو گرفتار کیا جو کہ سلطان کی قید میں مر گیا محمود نے یہ حملہ ۱۰۱۰ء میں

ملتان میں ابوالفتح داؤد کی دوبارہ بغاوت کے بعد کیا تھا۔اس نے بہت سے قرامطہ کو قتل کرڈالا اور بیشتر کے ہاتھ پاؤں کٹوا دئے۔

۱۰۰۴ء میں محمود نے بھیرہ (بھاطنہ) کے راجہ بجے راؤ پر حملہ کیا۔راجہ تین روز کے مقابلہ کے بعد جنگل کی طرف بھاگ گیا۔اور وہاں جا کر خودکشی کر لی۔

سلطان محمود بہت سا مال غنیمت ہمراہ لے کر غزنی کو لوٹ گیا۔۱۰۰۵ء میں محمود نے ملتان کے قرمطی اسماعیلی گورنر ابوالفتح داؤد کو اُس کے بیس ہزار طلائی درہم سالانہ خراج بھیجنے اور اپنے غیر اسلامی عقائد سے توبہ کرنے کے وعدے پر معاف کیا۔

انند پال سات سال تک سلطان کو خراج ادا کرنے کے بعد اپنے وعدے سے پھر گیا۔نیز اُس نے ملتان کے اسمٰعیل گورنر ابوالفتح کی محمود کے خلاف مدد کی تھی۔انند پال نے شمالی ہند میں دہلی۔اجمیر۔کالنجر۔اُجین۔گوالیار اور قنوج کے راجاؤں کو خط لکھ کر محمود کے خلاف اور اپنی مدد کے لئے بُلایا۔اس نے رازدارانہ طور پر تیاری کی۔مگر محمود کو یہ پتہ چل گیا۔اُس نے بھی جنگ کی تیاری شروع کی۔ہندوؤں نے اس جنگ کو قومی جنگ سمجھا اور جوش و خروش سے اس کی تیاری کی۔عورتوں نے کپڑے اور زیورات بطور چندہ اس جنگ کے لئے دئے جن عورتوں کے پاس نقد اور جنس نہ تھی۔انہوں نے چرخہ کات کر روپے جوڑے اور اس جنگ کے لئے دئے۔مقررین نے شمالی ہند کے طول و عرض میں غیر ملکی مسلمان حملہ آور کے خلاف اپنی تقریروں سے آگ لگادی۔شمالی ہند کے مندرجہ راجاؤں نے بہترین ساز و سامان کے ساتھ اپنی فوجیں انند پال کی مدد کے لئے بھیج دیں۔

یہ عظیم لشکر لے کر جب انند پال غزنی پر حملہ کرنے اور محمود کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے عزم کے ساتھ روانہ ہوا تو محمود بھی جسے پل پل کی خبر ملتی رہی تھی تیاری کر کے پشاور پہنچ چکا تھا۔محمود غزنوی کے پاس چند ہزار فوج تھی۔جبکہ ہندوؤں کی فوج لاکھوں میں تھی۔کھوکھر بھی اس فوج کے ہمراہ تھے۔محمود نے اپنی فوج کے اردگرد خندق کھدوائی۔ چالیس روز تک دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں۔ہندوؤں کی فوج میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا، روزانہ چھوٹی موٹی جھڑپیں ہوتی رہیں۔

تاریخ یمینی کے صفحہ ۲۲۴ کے مطابق یہ جنگ (ہنڈ) کے مقام پر ہوئی تھی۔محمود نے اپنی فوج کو ایک ایک ہزار کے

دستوں میں تقسیم کر دیا۔ اور حکم دیا کہ جب ایک ہزار سپاہی لڑتے لڑتے تھک جائیں تو دوسرے ایک ہزار لڑنے کے لئے چلے جائیں۔ بیس ہزار فوج اس لئے الگ کھڑی کی۔ تاکہ بوقت ضرورت اس سے کام لے سکے۔ محمود دشمن کے دل بادل کو دیکھ کر نہ گھبرایا اور مقابلے پر ڈٹ گیا۔ اور اس نے اپنے ایک ہزار تیر اندزوں کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اس پر بیس تیس ہزار کھوکھر جو ننگے سر اور ننگے پیر تھے فوج سلطانی کے قلب میں جا گھسے۔ اور ایک ہی ہلے میں تین چار ہزار افغانوں کو شہید کر دیا شام تک لڑائی میں انند پال کی فوج کا پلہ بھاری رہا۔ وہ ہاتھی پر سوار اور اپنی فوج کو لڑا رہا تھا۔

یہ دیکھ کر محمود اپنے گھوڑے سے اُترا اور فرش خاک پر خدا تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوا۔ اور گڑ گڑا کر دعا مانگی، جب سجدے سے اُٹھا تو نئے جوش سے دشمن پر حملہ آور ہوا۔ لڑتے لڑتے اُسے ایک تدبیر سوجھی۔ اُس نے اپنے ایک بہترین تیر انداز کو حکم دیا کہ انند پال کے ہاتھی کی آنکھ میں تیر مارے۔ اس نے شست لگا کر جو تیر چلایا تو وہ انند پال کے ہاتھی کی آنکھ میں پیوست ہو گیا۔ ہاتھی چنگھاڑتا ہوا اُلٹے پاؤں پھرا اور اپنی فوج کو روندتا ہوا نکل گیا انند پال کی فوج نے یہ دیکھ کر سوچا کہ راجہ بھاگ کھڑا ہوا ہے۔ تو اس کے بھی پاؤں اکھڑ گئے اور بھاگنے لگی۔ محمود کی فوج نے بھاگتی ہوئی فوج کو تلواروں پر رکھ لیا۔ اور ہزاروں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

یہ حملہ ۱۰۰۹ء میں ہوا، انند پال میدان جنگ سے صحیح سلامت بچ کر نکل گیا۔ اس شکست کے ساتھ ہی گندھارا یعنی وادیٔ پشاور سلطنت غزنی میں شامل ہو گئی۔ محمود کو انند پال کے جانے کا افسوس ہوا۔ اور اُس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اپنی بیس ہزار محفوظ فوج کے ساتھ انند پال کا تعاقب کیا۔ جس نے نگر کوٹ (کانگڑہ) کے مضبوط و محفوظ قلعے میں پناہ لی۔ محمود نے نگر کوٹ پر حملہ کر دیا۔ تین دن کے محاصرے کے بعد قلعہ فتح ہوا۔ راجہ نگر کوٹ اور انند پال دونوں قلعے سے بھاگ کر پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔ نگر کوٹ سے بے اندازہ مال و دولت محمود کے ہاتھ آئی۔ ایک کمرہ خالص چاندی کے ڈلوں سے بھرا ہوا تھا۔ بیس من جواہرات خزانہ میں موجود تھے۔ نیز نفیس اور نادر اشیا اور سونے چاندی کے برتن کروڑوں روپے مالیت کے بھی محمود کے ہاتھ آئے۔ یہ حملہ ۱۰۰۹ء میں ہوا۔ انگریز مورخین کا یہ الزام صحیح نہیں کہ محمود نے دولت کی خاطر نگر کوٹ پر حملہ کیا۔ بلکہ وہاں تو انند پال نے پناہ لی تھی۔ ظاہر ہے کہ تعاقب کے وقت اگر دشمن ہاتھ آئے تو کوئی بھی فاتح اسے نہیں چھوڑتا۔

انند پال کے بعد ان لوگوں کی باری تھی جنہوں نے اس کی مدد کی تھی۔ ملتان کے مسلمان حاکم ابوالفتح داؤد نے قرامطہ کا ہم خیال تھا محمود غزنوی کے خلاف روپے اور فوج سے انند پال کی مدد کی تھی۔ باجگذار ہونے کے باوجود اس غداری کے مظاہرے کے بعد محمود نے ۱۰۱۱ء میں ملتان پر حملہ کیا۔ اور ابوالفتح کو گرفتار کر کے قلعہ غور میں قید کیا۔

۱۰۱۴ء محمود نے تھانیسر پر حملہ کیا اس نے شہر کو خالی پا کر خوب لوٹا۔ اور مال غنیمت کے علاوہ دو لاکھ لونڈی غلام لے کر غزنی کو واپس چلا گیا۔

۱۰۱۸ء میں سلطان محمود ایک لاکھ بیس ہزار کا ٹڈی دل لے کر غزنی سے نکلا۔ ۲۰ دسمبر کو دریائے جمنا کے پار پہنچ گیا۔ برن (بلند شہر) کے راجہ نے سلطان کی اطاعت قبول کی اور اپنے دس ہزار ساتھیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔

اس کے بعد محمود نے مہابن کے راجہ گل چند کو شکست دی اس کی راجپوتی آن نے یہ گوارا نہ کیا اور اس نے اپنے زن و فرزند کو قتل کر کے خودکشی کر لی۔

اس کے بعد محمود نے متھرا پر حملہ کیا۔ جو ہندوؤں کا بہت مقدس شہر تھا۔ اور جہاں ایسی شاندار عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ کہ دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ متھرا کے راجہ نے سلطان کا مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور صدیوں کی جمع شدہ دولت محمود کے ہاتھ آئی۔ یہ شہر جمنا کے کنارے آباد تھا۔ اس کی شہر پناہ تمام کی تمام سنگ خارا کی تھی۔ شہر کے دونوں طرف پانچ پانچ سو نہایت رفیع الشان مندر بنے ہوئے تھے۔ شہر کے بیچ میں جو مندر تھا سلطان نے اسے دیکھ کر غزنی خط لکھا تھا کہ اگر نہایت ہوشیار اور ماہر معمار اس کی تیاری کے لئے لگائے جائیں تب کہیں دو سو برس میں ایسی شاندار عمارت تیار ہو سکتی ہے۔ مندروں میں جو بت رکھے ہوئے تھے۔ ان میں پانچ خالص سونے کے تھے۔ ان میں سے ہر ایک بت پانچ گز اونچا تھا۔ ان بتوں کی آنکھوں میں جو یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ وہ فی یاقوت پچاس ہزار دینار کی قیمت کے تھے۔ سونے کے بت بت خانوں میں رکھے تھے۔

۱۰۱۸ء ہی میں محمود نے انند پال کی مدد کرنے کی پاداش میں راجہ قنوج پر حملہ کیا۔ مگر اسے فتح کرنا آسان تھا۔ شہر کو قدیم راجاؤں نے نہایت مستحکم بنایا تھا۔ شہر چار میل میں پھیلا ہوا تھا۔ جس میں بڑے بڑے تالاب باغات اور سر بفلک عمارات تھیں۔ صرف مندر ہی دس ہزار تھے اس کے چاروں طرف سات قلعے بڑے مضبوط بنائے گئے

تھے شہر کے چاروں طرف نہایت گہری خندق تھی۔ راجہ کے پاس تیس ہزار سوار اور پانچ لاکھ پیادے تھے۔ مگر جب محمود نے حملہ کیا تو راجہ راجپال شہر کا دروازہ کھول کر اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ باہر آیا۔ اور خود کو محمود کے حوالے کر دیا۔ محمود نے اتنے طاقتور دشمن کو یوں آسانی سے مغلوب ہوتا دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا۔ اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ راجہ کے ساتھ پیش آیا۔ اس کے گذشتہ قصور معاف کر کے قنوج کا تخت و تاج اسی کو بخش دیا۔ راجہ برضا و رغبت مسلمان ہو گیا۔ اور مطیع و فرمانبردار رہنے کا وعدہ کیا۔ محمود بے اندازہ مال و دولت سمیٹ کر براستہ بندھیل کھنڈ غزنی چلا گیا۔

جب محمود غزنوی کی قنوج سے واپس چلا گیا تو النجر اور گوالیار کے راجاؤں نے راجپال ملالئے قنوج کو نہایت لعنت ملامت کی اور کہا کہ تو بڑا ڈرپوک نکلا جو محمود کی اطاعت قبول کر لی۔ اور مسلمانوں کی غلامی کا داغ اپنی پیشانی پر لگا لیا نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے قنوج پر حملہ کرنے کی تیاری کر لی۔ یہ دیکھ کر راج پال نے ایک تیز رفتار قاصد غزنی دوڑایا۔ محمود فوراً ایک فوج لے کر قنوج کو روانہ ہوا۔ کس کی مجال تھی جو سامنے آتا۔ وہ دو منزلہ سہ منزلہ کرتا ہوا قنوج پہنچ گیا۔ مگر افسوس کہ اس فاتح صف شکن کے آنے سے پہلے ہی کالنجر کے راجہ نے راجپال کو شکست دے کر قتل کر دیا تھا۔ اس کے لڑکے ترلوچن پال نے روتے روتے محمود کو داستان غم سنائی۔ محمود نے اپنے مقتول دولت کے لڑکے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ خدا کو اسی طرح منظور تھا۔ صبر کرو اور اطمینان کے ساتھ اپنے باپ کی گدی پر راج کرو۔ میں اپنے دوست کے خون ناحق کا انتقام لئے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ اور کالنجر کے راجہ کو اس قابل نہیں چھوڑوں گا کہ وہ پھر تم پر حملہ کر سکے۔

محمود نے کالنجر کے راجہ پر حملہ کر دیا۔ اس نے زبردست تیاریاں کی تھیں۔ آس پاس کے راجاؤں کو اپنی مدد کے لئے اکٹھا کیا تھا۔ مگر جب محمود نے اس کے قلعے کا محاصر کیا تو راجہ پر ایسی ہیبت طاری ہوئی۔ کہ وہ راتوں رات قلعہ کی پچھلی طرف سے نکل کر بھاگ گیا۔ پانچ سو اسی ہاتھی اور بے شمار مال و دولت محمود کے لئے چھوڑ گیا۔ جسے لے کر محمود مظفر و منصور غزنی کو لوٹ گیا۔

جے پال دوم والئے لاہور اپنے باپ دادا کی طرح شرارتیں کرتا تھا۔ بظاہر محمود غزنوی کا مطیع و باجگذار مگر در حقیقت مخالف تھا۔ کالنجر پر محمود کے حملے کے وقت اس نے خفیہ طور راجہ کی مدد کے لئے اپنی فوج بھیج دی تھی۔

چنانچہ ۱۰۲۱ء میں محمود نے لاہور پر حملہ کیا۔ جے پال دوم نے مقابلہ کر کے شکست کھائی۔ اور اجمیر کے راجہ کی پناہ میں چلا گیا۔

محمود نے لاہور پر قبضہ کر کے اپنے غلام ایاز کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ جس نے بڑی خوش اسلوبی سے علاقے کا انتظام کیا۔ ایاز کی قبر آج بھی لاہور میں موجود ہے۔ ۱۰۲۲ء میں محمود نے دوبارہ کالنجر پر حملہ کیا۔ اثنائے راہ میں نے گوالیار کے راجہ کو مطیع کیا۔ اس نے کالنجر کا محاصرہ کیا۔ راجہ نے تین سو ہاتھی دے کر جان چھڑائی۔ اور آئندہ کے لئے باجگذار بنا رہا۔

محمود کا آخری حملہ بہت مشہور ہے سومنات پر تھا۔ یہ مہم ۲۶۔۱۰۲۵ء میں سر کی گئی۔ سومنات کاٹھیاواڑ کے علاقہ میں سمندر کے کنارے آباد ایک قدیم شہر تھا۔ یہاں ایک عظیم الشان مندر بنا ہوا تھا جسے ہندو روایت کے مطابق سوم دیوتا نے بنایا تھا۔ اس مندر میں رکھی ہوئی مورتی دراصل شیو جی کا بُت تھا۔ جو پانچ گز کا تھا ٹھوس پتھر کا تھا۔ دو گز زمین کے اندر اور تین گز اوپر تھا۔ ہندو اس مندر کو بہت متبرک سمجھتے تھے۔ وہ اس میں جمع ہو کر محمود کے خلاف تدبیریں او تجویزیں سوچتے او سوچ کر تمام شمالی ہند میں پھیلا دیتے۔ محمود نے اس سازش کے مرکز کو ختم کرنا چاہا مگر یہ بڑا جان جوکھوں کا کام تھا۔

ایک ہزار میل کا سفر تھا۔ اور لق ودق صحرا بھی راستے میں حائل تھا۔ پھر سینکڑوں راجاؤں کے برہم ہونے اور سومنات کے دفاع کے لئے چڑھ دوڑنے کا بھی زبردست امکان تھا۔ مگر محمود جیسا مرد مومن اور جری سپاہی ان میں سے کسی چیز کو بھی خاطر میں نہ لایا۔ چنانچہ وہ تیس ہزار کا لشکر لے کر ستمبر ۱۰۲۴ء میں غزنی سے نکلا۔ اکتوبر میں ملتان پہنچ گیا۔ ملتان سے بہاولپور آیا۔ یہاں سے صحرائے بیکانیر میں داخل ہو گیا۔ جو تین سو میل لمبا بے آب و گیاہ ریگستان تھا نکل کر وہ اجمیر کے سامنے آموجود ہوا۔

راجہ اجمیر جس نے لاہور کے راجہ جے پال کو پناہ دی تھی۔ بڑا بزدل نکلا۔ جونہی محمود نے شہر کا محاصرہ کیا راجہ راتوں رات چھپ کر بھاگ نکلا اور شہر کی دولت محمود کے ہاتھ آئی۔ اجمیر کی تسخیر کے بعد محمود نے گجرات کا رخ کیا۔ اور جلد ہی گجرات سومنات کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا کہ شہر کی فصیل بہت محفوظ ہے اور اس پر سپاہیوں کا باقاعدہ پہرہ ہے۔ ہندوستان کے راجہ اپنی بہترین سپاہ کے ساتھ مندر کی حفاظت کے لئے چلے آرہے تھے۔ اور

حصہ نگاہ تک آدمی ہی دکھائی دیتے تھے۔ قلعہ کے اندر فوج اس کے علاوہ تھی۔ محمود کی شجاعت اور دلاوری قابل داد اور حیران کن ہے۔ کہ وہ مطلق نہ گھبرایا۔ اس کی مڈبھیڑ اس ٹڈی دل فوج سے ہوئی جو اس کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکی اور بھاگ نکلی۔ یہ دیکھ کر قلعہ کی فوج کے بھی دل ٹوٹ گئے۔ پہلے دن کی جنگ کے بعد محمود رات کو اپنے خیمہ میں آرام کے لئے چلا گیا۔ اگلی صبح کو نہروالہ کا راجہ فوج کثیر کے ساتھ آ پہنچا۔ محمود نے اس کا مقابلہ کیا۔ ہندو جان توڑ کر لڑے۔ پانچ ہزار راجپوت مارے گئے۔ باقی چار ہزار نے قلعہ کی پشت سے کشتیوں میں بیٹھ کر بھاگ جانا چاہا۔ مگر ان میں سے بھی اکثر مارے گئے۔

مگر کچھ فوج ایسی بھی تھی جو مقابلے میں ڈٹی رہی اور فصیل شہر پر کھڑی مسلمانوں پر تیروں کے بے پناہ بارش کرتی رہی۔ چند بہادر مسلم نوجوان شجاعت کے جوش میں جھومتے ہوئے آگے بڑھے اور کمندیں ڈال کر فصیل پر چڑھ گئے۔ مگر ہندوؤں نے انہیں کاٹ کر نیچے پھینک دیا۔ تین دن تک اس فوج نے محمود کو قلعے کے اندر داخل نہ ہونے دیا۔ چوتھے روز مسلم بہادر کمندیں ڈال کر فصیل پر چڑھ گئے۔ اور نیچے کود کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ محمود فوج لئے کھڑا تھا۔ فوراً قلعہ کے اندر گھس گیا اور کشتوں کے پشتے لگا دئے۔ جب اہل شہر نے امان مانگی تو محمود نے فوراً ہاتھ روک دیا۔ برہمن اور پانڈے آگے بڑھ کر نیازمندی سے جھک گئے۔ محمود حُسن اخلاق سے ان کے ساتھ پیش آیا۔

میاں عبدالحکیم بی۔ اے۔ بی۔ ٹی اپنی تاریخ ہندو پاکستان میں رقمطراز ہیں کہ محمود ان کو ہمراہ لے کر مندر میں داخل ہوا سامنے سومنات کا بُت کھڑا تھا۔ محمود نے بے اختیار اپنا لوہے کا گرز اُٹھایا جسے دیکھ کر پجاری او پانڈے کانپ اُٹھے۔ ڈرتے ڈرتے بڑھے اور ہاتھ جوڑ کر ادب سے کہنے لگے، یہ ہمارا دیوتا ہے۔ ہم اپنا مشکلات اس کے سامنے پیش کرتے اور اپنی حاجتیں اس سے مانگتے ہیں۔ پرماتما کے لئے اسے نہ توڑیں۔ اس کے عوض جتنا روپیہ اور جس قدر جواہرات آپ چاہیں۔ اتنی آپ کی خدمت میں پیش کر دئے جائیں گے۔

محمود ہنسا اور کہنے لگا بیوقوفو! تمہارا یہ دیوتا نرا پتھر ہے۔ اس میں نہ حس ہے نہ جان۔ نہ تمہاری دعا سن سکتا ہے۔ نہ تمہاری مشکلات حل کر سکتا ہے۔ اس وقت دیکھ لیا کہ اس نے تمہاری کونسی مدد کی پوجنے کے لائق صرف خدا کی ذات ہے۔ کاش تم میں عقل ہوتی اور تم اُس ذات اقدس کو پہچانتے۔

رہائت کے بدلے میں مال و دولت لینے کا سوال تو یہ بُت کا بیچنا ہوا۔ اور میں نہیں چاہتا کہ جب میدان حشر میں خدائے پاک کے سامنے حاضر کیا جاؤں تو یہ کہہ کر آواز دی جائے کہ محمود بُت فروش کو ہمارے حضور میں حاضر کرو۔

یہ کہا اور اپنا مضبوط فولادی گرز اُٹھا کر اس زور سے بُت کو مارا کہ شیوجی کا بُت ٹوٹ کر فرش پر گر پڑا۔ یہ روایت صحیح نہیں کہ بُت اندر سے کھوکھلا اور زر و جواہرات سے بھرا ہوا تھا۔ اس فتح میں بے شمار زر و جواہر محمود کے ہاتھ لگے۔ اس کے بعد وہ فتح و ظفر کے شادیانے بجاتا ہوا کچھ اور سندھ کی راہ سے غزنی کو واپس ہوا۔ اثنائے سفر میں گرمی کی شدت اور پیاس سے اُس کے لشکر کو جانگداز مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ صحرا میں راستہ بھولنے کی وجہ سے بہت سے سپاہیوں کی جانیں تلف ہوئیں۔ اس کے علاوہ کوہستان نمک کے جاٹوں اور کھوکھروں نے بھی عقب سے حملہ کیا۔ اور بہت سے سپاہی قتل کر دئے۔ سن ۱۰۲۶ء میں محمود واپس غزنی پہنچ گیا۔

اگلے سال اس نے پنجاب کے کھوکھروں اور جاٹوں سے انتقام لینے کے لئے حملہ کیا اور جی بھر کر انہیں قتل کیا۔ سومنات کی فتح کے بعد محمود نے چھ سال تک ہندوستان کا رخ نہیں کیا کیونکہ اس کے خلاف سازشیں بند ہو گئی تھیں ۔ ورنہ اس سے پہلے وہ تقریباً ہر سال ہندوستان کا رخ کرتا تھا۔

محمود نے ۴۲۱ھ میں ۲۱ اپریل ۱۰۳۰ء خرابی جگر و تلی کے باعث وفات پائی۔ اس کی عمر ساٹھ سال تھی۔ محمود ایک عظیم الشان بادشاہ، ایک اولوالعزم سپہ سالار، ایک اعلیٰ درجہ کا مدبر، ایک بہادر سپاہی اور ایک بلند مرتبت حکمران تھا ۔ وہ ایک زبردست فاتح اور دلاور جرنیل تھا۔ اس نے تمام عمر جنگ و جدل میں صرف کر دی۔ جہاں جاتا فتح و ظفر اس کے آگے آگے چلتے تھے۔ جدھر سے گزرتا سارے علاقے پر ہیبت چھا جاتی تھی۔ کسی مشکل یا مصیبت کو کبھی خاطر میں نہ لاتا، کسی طاقت سے کبھی ڈرا، محنتی اور جفاکش تھا۔ اس کی فیاضی اور علم کی قدردانی دور و نزدیک مشہور تھی۔ نہایت نفس کش اور خوش خلق تھا۔ میدان جنگ میں شیر کی طرح لڑتا۔ جو سامنے آتا تھا۔ تباہ ہو جاتا تھا۔ مگر ویسے وہ نہایت رحمدل تھا۔ جنگ کے علاوہ کبھی کسی کا خون نہیں بہایا، نہ ناحق کسی کو قتل کیا۔ نہ ظلم اور ستفا کی قتیار کی۔ نہایت عادل اور منصف حکمران تھا۔ حق بات میں کسی کی پروا نہ کرتا۔ نہایت دیندار اور پابند شرع تھا۔ ب کبھی کوئی مشکل پیش آتی تو سب سے پہلے خدا کے حضور سجدے میں گر جاتا رو رو کر اور گڑگڑا گڑگڑا کر دعا مانگتا

۔اوراس کے بعد کوئی تدبیر کرتا۔ جب دشمن نادم ہو کر آتا تو اُسے معاف کر دیتا۔ ناچ رنگ اور کھیل تماشے کا بالکل شائق نہ تھا ساری عمر کبھی ایک پیسہ فضولیات میں ضائع نہ کیا۔ فوج کو بہت سختی کے ساتھ اپنے قابو میں رکھتا تھا۔ مگر اُس نے ہندوستان پر سترہ حملے کیے لیکن ان حملوں کے دوران ایک واقعہ بھی عصمت دری کا نہیں ملتا۔

محمود ایک پکا مسلمان تھا۔ اس لئے یہ بھی چاہتا تا کہ ہندوستان میں اشاعت اسلام کی جائے۔ اُس نے ہندوستان میں قرمطہ اور ملاحدہ کا قلع قمع کیا۔ اس کے گرد ہر وقت اہل کمال کا جمگھٹا رہتا تھا۔ بڑے بڑے شاعر۔ عالم، فاضل اس کے دربار کی زینت تھے۔

خود بھی علم و فضل میں دستگاہ رکھتا تھا۔ اس نے غزنی میں ایک یونیورسٹی قائم کی تھی۔ جس سے ہزاروں طالب علم فیضیاب ہوئے۔ وہ لاکھوں روپے وظائف کے طور پر طلباء کو دیتا تھا۔ اس نے غزنی میں جو کتب خانہ قائم کیا تھا۔ وہ دنیائے اسلام میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔

علامہ ابوریحان البیرونی مشہور ریاضی دان فلسفی سنسکرت کا عالم حکیم فارابی فلسفی اور فردوسی، فرخی، منوچہری، عنصری عسجدی جیسے باکمال شاعر۔ عتبی جیسا مورخ اس دربار سے وابستہ اور اسکے وظیفہ خوار تھے۔ جو مال و دولت اس نے ہندوستان سے حاصل کی۔ اسے رعایا کی بہبودی میں صرف کیا۔ اس نے اپنے دارالسلطنت غزنی کو خوبصورت اور عالیشان عمارتوں سے سجایا۔ کئی مسجدیں، مدرسے، حمام، محلات اور باغات بنوائے۔ مسجد عروس فلک بھی اس نے تعمیر کرائی۔ اس نے ایک عجائب خانہ بھی قائم کیا۔ لیکن آج اس کی یادگار صرف دو عمارتیں رہ گئی ہیں۔ ایک اس کا مقبرہ ہے دوسرے دو مینار ہیں جن کی بلندی ۱۴۴ فٹ ہے۔

تاریخ ابن خلدون کی جلد ششم (غزنوی، غوری سلاطین) کے ترجم حکیم احمد حسین الہ آبادی نے محمود کی سیرت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سلطان محمود حکومت فارس کے آخری بادشاہ یزدجرد کی نسل سے تھا۔ ابوالقاسم حمادی نے "تاریخ مجدول" میں لکھا ہے کہ امیر سبکتگین بادشاہ یزدجرد کی نسل سے تھا۔ اس کا سلسلہ یزدجرد تک اس طور سے پہنچتا ہے "محمود بن سبکتگین بن جوق بن قرا الحکم بن قرا ارسلان بن قرا ملت بن قرا النعمان بن فیروز بن یزدجرد بادشاہ فارس"

پھر لکھتے ہیں "سبکتگین درحقیقت غلام نہ تھا بلکہ یزدجرد بادشاہ کی نسل سے تھا۔ جس وقت یزدجرد مقام مرو میں

ایک چلی پینے والے کے مکان میں عہد خلافت امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ میں مارا گیا اس کی اولاد اور خاندان والے ترکستان میں کہیں روپوش ہو گئے۔ اور ترکوں سے رشتہ قرابت پیدا کیا۔ دولت و حکومت تو پہلے ہی ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ علم بھی جاتا رہا۔ دو چار نسلوں کے بعد ترک کہلائے جانے لگے"

"عربی تاریخیں صرف اس قدر لکھ کر خاموش ہو جاتی ہیں کہ محمود کا باپ سبکتگین الپتگین کا غلام تھا" قرون سابقہ میں غلامی کے دو طریقے تھے۔ یہ کہ جہاد کے ذریعہ سے جو لوگ کفرستان سے قید ہو کر آتے تھے اور غازیان اسلام انہیں بضرورت خرید و خروخت کر لیا کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ غیر اور اجنبی ممالک سے اکثر سیاح یا مسافر تجارت پیشہ اصحاب اکا دکا چلنے والوں کو پکڑ کر لاتے اور انہیں ممالک اسلامیہ میں لا کر سر بازار فروخت کرتے تھے۔ اول الذکر اصلی اور واقعی غلام کہے جانے کے مستحق ہیں۔ غلامی کی دوسری صورت نام کی غلامی ہے۔ ورنہ یوسف علیہ السلام بھی اس آخری صورت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یہ امر ذہین نشین ہوتا ہے۔ کہ ان دنوں بردہ فروشی کا بازار گرم تھا۔ اور یزدجرد کے خاندان کی تباہی و بربادی سے پورے طور ہو چکی تھی۔ ممکن ہے کسی شخص نے سبکتگین کو گرفتار کر کے الپتگین کے ہاتھ فروخت کر دیا ہو۔"

یہی مترجم آگے چل کہ لکھتے ہیں۔ محمود جس طرح کشورستان ملک گیر اور ایک نامور فاتح تھا اسی طرح علم و فضل میں بھی یکتائے زمانہ تھا۔ مولف جراہر نصبۃ نے جو فقہائے حنفیہ کے حالات میں ایک مستند اور بسوط کتاب ہے۔ محمود کو فقہا میں شمار کیا ہے۔ اس کے علاوہ خود اس کی تصنیف کی ہوئی فقہ کی ایک کتاب "جامع الفرائد" موجود ہے۔

امام الحرمین ابو المعالی عبد الملک جوینی نے اپنی کتاب "تعیث الخلق فی اختیار الحق" میں لکھا ہے کہ سلطان محمود علم حدیث کا بے حد شائق تھا۔ شب کے وقت اس کے دربار میں علمائے حدیث جمع ہوتے اور احادیث کی سماعت وقرآءت کرتے تھے۔ محمود بھی ایک گوشے میں بیٹھا یہ حدیثیں سُنا کرتا۔ جسے نہ سمجھتا ان کے معانی دریافت کرتا جاتا تھا۔ تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ وہ مذھبا پہلے حنفی تھا بعد کو شافعی المذھب ہو گیا تھا۔

علامہ شبلی نے جو محمود کی شراب نوشی اور ایاز کی زلفیں کٹوانے کا واقعہ لکھا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے بلکہ افترائے محض ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ دربار خلافت بغداد سے اسے غزنی اور خراسان کی سند امارت بھی عطا ہوئی تھی۔

اس خوشی پر اس نے وعدہ کیا کہ ہر سال کفار ہند پر جہاد کرے گا۔ جس کا ایفا اس نے تاحیات کیا۔

محمود اور فردوسی کے قصے کو بھی بہت اُچھالا گیا ہے۔ حالانکہ فردوسی نے شاہنامہ کی تصنیف کی بنیاد محمود کی تخت نشینی سے اٹھارہ سال قبل یعنی ۳۶۵ھ میں ڈالی تھی۔ اور ۳۵ سال کی محنت کے بعد اسے ۴۰۰ھ میں مکمل کیا۔ لہذا یہ کہنا کہ شاہنامہ محمود کی فرمائش سے لکھا گیا محض لغو ہے۔

محمود کے تین وزیر تھے۔ ابو العباس فضل بن احمد اسفرائنی جو حکومت سامانی کا منشی تھا۔ ملوک سامانیہ کے اقبال کے خاتمے کے بعد سبکتگین کے دربار میں عہدہ وزارت سے سرفراز ہوا۔ سبکتگین کے بعد محمود نے اسے اسی عہدہ پر بحال رکھا تھا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ اس کی ناواقفیت کی وجہ سے سلطان محمود نے شاہی دفاتر میں زبان فارسی رائج کی۔ اور فرامین واحکام عربی کی جگہ فارسی میں تحریر کیے جانے کا حکم دیا۔ دس برس وزارت کے بعد معزول کیا گیا۔ اس کے بعد احمد بن حسن میمندی وزیر مقرر ہوا، یہ سلطان محمود کا رضاعی بھائی اور ہم سبق تھا۔ وہ نہایت تیز فہم ۔ تنظیم اور خوشخط تھا۔ اٹھارہ سال وزارت کی ۔ سپہ سالار امر التونتاش اور امیر خوشاوند کی دخل در اندازی سے سلطان محمود نے معزول کر کے قلعہ کالنجر میں قید کر لیا۔ تیرہ سال کے بعد آخر حکومت محمود میں رہائی اور دوبارہ وزیر بنا۔ ۴۲۱ھ میں انتقال کیا۔ محمود نے احمد بن حسن میمندی کی معزولی کے بعد حسن بن محمد کو وزارت کا عہدہ عطا کیا تھا اور وہی آخری عہد حکومت تک وزیر رہا۔ تاریخ ''حبیب اشیر'' میں ان وزراؤ کے حالات قدرے تفصیل سے لکھے ہیں۔

محمود غزنوی کے جانشین کمزور نکلے۔ ان کا حال تاریخ ابن خلدون جلد ششم سے مختصراً یہاں لکھا جاتا ہے۔ محمود غزنوی کی وفات کے وقت چھوٹا لڑکا محمد اس کے پاس تھا۔ جس کے بادشاہ بنانے کی وصیت محمود نے کی تھی۔ اور بڑا لڑکا مسعود اصفہان میں تھا۔ جوں ہی اسے باپ کے ارتحال کی خبر ملی۔ وہ خراسان کی جانب روانہ ہوا۔ اہل اصفہان نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ اور مسعود کے نائب کو قتل کر ڈالا۔ مسعود نے الٹے پاؤں پھر کر اصفہان کی بغاوت فرو کر لی۔ اپنا نائب مقرر کر کے دوبارہ محو سفر ہوا۔ نیشاپور پہنچ کر اپنے بھائی کو اپنے آنے کی اطلاع دی۔ نیز اُسے لکھا کہ ہم تم سے سلطنت وحکومت کی بابت جھگڑا نہیں کرنا چاہتا۔ میں قبرستان بلاد جبل اور اصفہان پہ اکتفاء کروں گا۔ جنہیں میں نے زور بازو سے فتح کیا ہے۔ تمہارے مقبوضات کی طرف جنہیں پدر بزرگوار تمہیں

دے گئے میں نظر تک نہ اُٹھاؤں گا۔ مگر تم اس کو منظور کرلو کہ خطبہ میں میرا نام تمہارے نام سے پہلے پڑھا جائے۔

مگر سلطان محمد نے اس درخواست کو قبول کرنے کی بجائے فوجیں فراہم کر کے مسعود کا رُخ کیا۔

سلطان مسعود غزنوی بڑا دلیر اور باہمت تھا۔ لہذا فوج کا بڑا حصہ اس کی طرف مائل تھا۔ امیر التونتاش والئے خوازرم نے بھی محمد کو خانہ جنگی کے نقصانات سے آگاہ کیا۔ مگر سلطان محمد نہ مانا اور کوچ پر کوچ کرتا ہوا یکم رمضان ۴۲۱ھ کو سکیت آباد پہنچا اور امور حکومت کو چھوڑ کر لہو ولہب اور تماشے میں مصروف ہوگیا۔ چنانچہ فوج اس کی معزولی پر تل گئی اور اسے گرفتار کر کے سکیت آباد کے قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا۔ اس کام میں محمد کا چچا یوسف بن سبکتگین اور محمود کا مصاحب امیر علی خشاوند پیش پیش تھے۔ اور پھر فوج لے کر مسعود کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مگر مسعود نے عبائے سلطنت پہننے کے بعد ان دونوں کو محمد کے دوسرے عام مخالفین کے ساتھ گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ یہ ۴۲۱ھ کا واقعہ ہے۔

مسعود نے ابوالقاسم احمد بن حسن میمندی کو جو ۴۱۲ھ سے مقید تھا رہا کر دیا۔ اور خود ۴۲۲ھ میں کروفر کے ساتھ غزنی مین داخل ہوا اور خراسان، غزنی، ہندوستان، سندھ، سجستان، کرمان، مکران، بخارا، اصفہان اور بلاد جبل کا واحد فرمانروا تسلیم کیا گیا۔ مجد الدولہ تو ہی نے کردوں اور دیلم والوں کی مدد سے رے پر حملہ کیا۔ مگر مسعود کے گورنر نے اسے بری طرح بھگا دیا۔ سینکڑوں قتل وقید ہوئے۔ علاوالدولہ بن کاکویہ نے اصفہان پر قبضہ کر کے رے کا رُخ کیا مگر مسعود کے گورنر نے اسے بھگا دیا۔ والئے مکران کی وفات پر ابوالعساکر اور عیسیٰ دو بیٹے اس کے وارث ہوئے۔ عیسیٰ نے سب حشم وخدم پر قبضہ کرلیا۔ ابوالعساکر روتا پیٹا غزنی مسعود کے پاس پہنچا۔ مسعود نے ایک جرار لشکر لے کر ۴۲۲ھ میں ابوالعساکر کے ہمراہ روانہ کیا۔ مکران کے قریب پہنچ کر لشکر نے عیسیٰ کو شاہی پیغام بھیجا۔ اس نے کوئی پروانہ کی۔ آخر جنگ میں مارا گیا اور ابوالعساکر مکران کا حاکم بن گیا۔ اور مسعود کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

اسی سال ابوکلیجار کے خلاف لشکر کرمان بھیجا گیا۔ ابوکلیجار شکست کھا کر بھاگا۔ اور خراسان کے درہ میں پناہ لی۔ علاء الدولہ ابوجعفر بن کاکویہ شاہی لشکر سے شکست کھا کر قلعہ کروحان میں پناہ گزین ہوا تھا۔ اس نے فرہاد بن مرداویج کی ہمراہی میں یزدجرو پر قبضہ کیا۔ سپہ سالار خراسان علی بن عمران دیلمی کی سرکردگی میں ان کے خلاف

فوج بھیجی گئی۔ یزدجرد واپس لے لیا گیا۔ ہمدان کے قریب برف اور بارش کے باعث اس کو زک نہ دے سکا۔ اور واپس آیا علاء الدولہ نے اپنے بھتیجے ابو منصور سے کمک طلب کی۔ مگر تاش فرواش سپہ سالار خراسان سے پہلے عمران بن علی کی طلب کی ہوئی کمک پہنچ گئی۔ عمران بن علی نے ہمدان سے نکل کر ابو منصور کو شکست دی اور اسے گرفتار کر کے تاس فرواش کے پاس بھیج دیا۔ اس پر علاء الدولہ اور فرہاد بن مرداویج نے ہمدان پر دو جانب سے حملہ کیا۔ مگر شکست کھا کر بھاگے۔ علاء الدولہ اصفہان پہنچ گیا۔ اور فرہاد بن مرداویج نے قلعہ شکمین میں پناہ لی۔ علاء الدولہ اور فرہاد نے پھر بغاوت کی۔ سپہ سالار ابو سہل نے انہیں شکست دی۔ فرہاد مارا گیا علاء الدولہ نے اصفہان اور جرباذقان کی پہاڑیوں میں پناہ لی۔ ابو سہل نے ۴۲۵ھ میں اصفہان پر قبضہ کر کے علاء الدولہ کا مال اسباب لوٹ لیا۔ اور اس کی کتابیں اونٹوں پر بار کر کے غزنی بھیج دیں۔ جنہیں علاؤ الدین حسین غوری (جہانسوز) نے اپنے غلبہ غزنی کے وقت جلا دیا۔

اس وقت مسعود نے خراسان کی جانب توجہ کی تو احمد نیال تگین نے جو کہ ہند کے مقبوضات کا حاکم تھا۔ خود مختاری کی طرح ڈالی۔ مسعود خود ہندوستان کی طرف بڑھا۔ احمد نے حاضر ہو کر معافی طلب کی۔ سلطان نے اسے معاف کر دیا۔ مگر ۴۲۶ھ میں جب مسعود ترکمانوں کی شورش کی وجہ سے خراسان کی طرف متوجہ ہوا تو احمد نیال تگین نے پھر سرکشی اختیار کی سلطان نے اس کے خلاف فوج بھیجی اور ہندوستان کے راجوں کو بھی لکھا کہ اسے کہیں راہ فرار نہ ملے۔ احمد شکست کھا کر ملتان کی طرف بھاگا۔ وہاں سے بھاطیہ (بھٹیز) بھاگا۔ دریائے سندھ عبور کرنا چاہا۔ حکمران بھاطیہ نے کشتیاں فراہم کر دیں۔ وسط دریا میں ایک جزیرہ تھا۔ احمد اسے خشکی سمجھ کر اس پر اتر پڑا۔ جب کشتیاں نکل کر دور گئیں، تب احمد نیال تگین اور اس کے ساتھیوں کو اس کے جزیرہ اور غیر آباد ہونے کا علم ہوا۔ بہت چلائے آوازیں دیں۔ مگر ملاحوں نے کچھ نہ سنا۔ سات روز تک بقیہ ازوقہ کھایا۔ گھوڑے ذبح کیے۔ بھاطیہ کے حاکم نے کچھ فوج جزیرے پر اتار کر احمد کے ساتھیوں کو قتل اور غرق کیا۔ احمد نے خودکشی کر لی۔

"فرشتہ" نے البتہ لکھا ہے کہ سلطان مسعود نے احمد کی گوشمالی پر ھرناتھ نامی ہندو کو مامور کیا تھا۔ جو احمد کے مقابلے میں مارا گیا۔ پھر سلطان نے تو لک بن حسین کو جو ہندوؤں کا سپہ سالار تھا۔ ایک بڑے لشکر کے ساتھ بھیجا۔ احمد کو

شکست ہوئی اور دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے ڈوب گیا۔

جرجان (طبرستان) کے حاکم دارا ابن منوچہر بن قابوس نے علاء الدولہ اور فرہاد کے ابھارے پر خراج بھیجنا بند کر دیا تھا۔ کیونکہ مسعود ہندوستان گیا تھا۔ اور اسی پر ترکمانوں کے جھگڑے میں مبتلا ہوا تھا۔ ۴۲۶ھ میں ترکمانوں کی مہم سے فارغ ہو کر مسعود نے طبرستان پر قبضہ کر لیا۔ دارا آمدہ بھاگا۔ مسعود نے اسے بھی سر کیا۔ آخر مجبور اً دارا نے معافی مانگی مسعود نے اسے معاف کر دیا۔

علاء الدولہ نے پھر ایک بار اصفہان کے حاکم ابو سہل سے جنگ کی مگر شکست کھا کر طرم کی طرف بھاگا۔ طرم ابن سلاز نے بھی پناہ نہ دی۔ جب محمود غزنوی نے ارسلان بن سلجوق کو گرفتار کر لیا تو اس کے بھائیوں طغرل بیگ اور بقو یا پیغو اور جعفر بیگ نے اپنے خاندان وقبائل کے ساتھ اطراف بخارا میں سکونت اختیار کی۔ پھر اپنی فطرت کے مطابق فتنہ انگزی کی کئی لڑائیاں ہوئیں اور سلجوقی اسفرائن کی طرف جلاوطن ہوئے۔ گورنر خوارزم ہارون بن التونتاش نے انہیں درہ نسا کی طرف دھکیلا۔ مسعود نے ان کے خلاف ایک بڑی فوج بھیجی جس نے نسا کے مقام پر ان پر حملہ کیا۔ اور ترکمان منتشر ہو کر اطراف بلاد میں پھیل گئے۔ جعفر بیگ نے نیشاپور پر قبضہ کیا۔ اس نے شہر کو لوٹنا چاہا۔ مگر طغرل بیگ نے بزور فتح کرنا چاہا۔ جعفر بیگ داؤد پر فالج کا حملہ ہوا۔ پھر بھی اپنے ارادہ سے باز نہ آیا۔ مگر طغرل کی خودکشی کی دھمکی سے اس نے ہاتھ روکا۔ مگر تیس ہزار دینار سرخ اہل نیشاپور سے پھر بھی لے کر پھر طغرل بیگ نے تخت شاہی پر جلوس کیا۔ مگر دکھاوے کے لئے خطبہ مسعود کا پڑھتا تھا۔

یہ سن کر سلطان مسعود غزنوی ۴۳۰ھ میں ترکمانوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ بلخ میں ملوک خانیہ کے ملک کی لڑکی سے عقد کر لیا۔ اسمٰعیل بھاگ کر طغرل کے پاس چلا گیا۔ مسعود نے ایک بڑی فوج اپنے حاجب شیبانی کی ماتحتی میں طغرل بیگ کے خلاف روانہ کی۔ اور پیچھے پیچھے خود بھی روانہ ہوا۔ سرخس کے قریب ترکمانوں نے شکست کھائی اور دروں میں پلٹ کر آس پاس کے قصبوں اور شہروں میں غارتگری شروع کر دی۔ سلطان مسعود نے دوبارہ حملہ کر کے ڈیڑھ ہزار ترکمان قتل کر ڈالے۔ انہوں نے بھاگ کر ایک درہ میں پناہ لی۔

اہل نیشاپور نے بھی شاہی فوج میں شامل ہو کر باقی ترکمانوں کو قتل کیا۔ بقیۃ السیف دشوار گذار پہاڑوں اور دروں میں جا کر اپنے چھپے ہوئے ساتھیوں سے ملے۔ سلطان مسعود نے یہ سمجھ کر کہ تراکمہ کی گوشمالی ہو چکی ہے۔ ہرات

کا قصد کیا۔ ابھی ہرات نہ پہنچ پایا تھا کہ اطلاع ملی کہ طغرل بیگ نے استر آباد پر قبضہ کرلیا ہے۔ اور اس خیال سے وہاں قیام پذیر ہے کہ موسم سرما اور برف کی وجہ سے مسعود وہاں کا قصد نہ کرے گا۔

مگر سلطان مسعود نے ایک دن کی بھی تاخیر نہ کی۔ فوراً لوٹ پڑا۔ طغرل بیگ نے استر آباد چھوڑ دیا مسعود نے کوہ رے کی جانب قدم بڑھایا۔ جہاں طغرل اس کے خوف سے مقیم تھا۔ سلجوقوں کے ترکمانوں سے اچھے تعلقات تھے ۔ چنانچہ انہوں نے ترکمانوں کو پناہ کی غرض سے دشوار گذار چوٹیوں پر پہنچادیا۔ بادشاہی لشکر نے ان کا سارا سامان لوٹ لیا اور سارے شہران سے واپس لے لئے اس کے بعد سلطان مسعود خود فوج لے کر تنگ اور دشوار گذار دروں میں ان کے خلاف بڑھا۔ برفباری ہو رہی تھی۔ شاہی فوج کا اکثر حصہ ہلاک ہوگیا۔ مگر مسعود نے پہاڑی چوٹیوں میں بھی ان کو نہیں چھوڑا اور خوب پائمال کیا۔

سلطان مسعود نے سرما گزارنے کی غرض سے ۴۳۱ھ میں نیشاپور کا ارادہ کیا۔ طغرل بیگ چوٹیوں سے نکل آیا اور قتل و غارتگری کرنے لگا۔ مسعود نے اسے اعزاز و اکرام دینا چاہا جو اس نے قبول نہ کیا اس نے سلطان کو کہلا بھیجا کہ ہمارے بھائی ارسلان کو جو ہندوستان میں قید ہے رہا کیا جائے۔ تو ہم آپ کے تابع ہو جائیں گے۔ مسعود نے ارسلان کو ہندوستان سے واپس بلالیا۔ مگر ترکمانوں نے اپنا عہد ایفا نہ کیا۔ تو پھر اُسے دوبارہ جیل میں ڈال دیا ۔ ترکمانوں نے حاجب شیبانی کو شکست دی۔ مسعود بڑی فوج لے کر بمعہ ہاتھیوں کے ان کے مقابلے کے لئے نکلا۔ اور بلخ پہنچا جعفر بیگ بھی مقابلے پر آیا۔ ایک رات جعفر بیگ شب خون مار کر شاہی خیمہ کے سامنے سے خاصے کے گھوڑے، اُونٹ اور بڑا ہاتھی بھی پکڑ کر لے گیا۔ اس پر مسعود کو بہت غصہ آیا اور بلخ سے کوچ کا حکم دیا۔ یہ ۴۲۹ھ کا واقعہ ہے۔ اس کے پاس ایک لاکھ فوج تھی۔ جرجان پہنچ کر حاکم جرجان کو جو کہ سلجوقیوں کی طرف سے تھا پھانسی پر چڑھا دیا۔ پھر مرو شاہجان میں وارد ہوا۔ جعفر بیگ داؤد بھاگ کر سرخس پہنچا۔ یہاں طغرل اور پیغو بھی اس سے آملے۔ مسعود نے صلح کا پیغام دیا۔ پیغو قاصد بن کر شاہی دربار میں آیا۔ مسعود نے عزت سے ٹھہرا کر خلعت دیا۔ مگر واپسی پر اس نے کہا کہ سلطان کے خوف سے ہم اور ہمارے ہمراہی صلح نہ کریں گے۔ مسعود ان کے تعاقب میں ہرات سے نیشاپور آیا۔ ترکمان سرخس کی طرف گئے اس طرح مسعود شہر بہ شہر ان کے تعاقب میں پھرتا رہا اور ترکمان بھاگتے گئے۔

یہاں تک کہ سرما آگیا۔ ترکمان ایک پہاڑی درے میں گھس گئے۔ پھر بہار کا موسم آیا۔ سلطان ہو ولعب میں پڑا رہا شاہی لشکر تین برس سے سفر میں تھا۔ ایک روز پانی کم ہونے کے باعث شاہی فوج اور ارا کین سلطنت جعفر میں جھگڑا ہوا۔ جعفر بیگ قریب ہی تھا۔ اس نے شاہی فوج کو قتل اور گرفتار کرنا شروع کیا۔ شاہی فوج اس اچانک حملہ سے گھبرا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔

مسعود ثابت قدمی سے لشکریوں کو جنگ پر ابھارتا اور واپس آنے کے لئے کہتا رہا۔ مگر کسی نے کچھ نہ سنا مجبوراً مسعود اور وزیر سلطنت کو بھی بھاگنا پڑا۔ جعفر بیگ نے تھوڑی دور تعاقب کیا اور نہایت سختی کے ساتھ قتل کرتا رہا۔ پھر واپس شاہی لشکر گاہ میں آیا۔ جسے اس کے ساتھیوں نے لوٹ لیا تھا۔ تخت شاہی کے خوف سے اسی مقام پر پڑا رہا۔ مسعود شوال ۴۳۱ھ میں غزنین پہنچا۔ شیبانی اور دوسرے امراء کو جو بھاگ کھڑے ہوئے تھے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔

اس واقعے سے سلجوقیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ طغرل بیگ نے ۴۳۱ھ میں نیشا پور پر قبضہ کرلیا۔ لشکریوں نے جی کھول کر تاخت و تاراج کیا۔ دن دھاڑے قتل وغارت اور بدکاری کرنے لگے۔ پیغو نے ہرات پر قبضہ کیا۔ جعفر بیگ داؤد بلخ کی طرف بڑھا۔ التونتاش جب گورنر بلخ نے جعفر بیگ کے قاصد کو گرفتار کرلیا۔ داؤد نے بلخ کا محاصرہ کرلیا۔

مسعود نے یہ سن کر ایک عظیم لشکر ۴۳۲ھ میں اہل بلخ کی امداد کے لئے بھیجا۔ اس فوج کے دو حصے ہوئے ایک حصہ وزیر مملکت کی طرف گیا۔ جس نے سلجوقی ترکمانوں کو ان اطراف سے مار بھگایا اور خوب قتل کیا۔ دوسرے حصے نے پیغو کو ہرات سے نکال بھگایا۔

اس زمانہ میں شہزادہ مودود کی سرکردگی میں ایک اور لشکر روانہ ہوا اس نے داؤد کے ایک دستے کو جو مقابلے پر آیا تھا مار بھگایا۔ وزیر مملکت ابونصر احمد بن محمد بن عبدالصمد بھی شہزادے کے ساتھ تھا۔ التونتاش نے شہزادے کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ مسعود ربیع الاول ۴۳۲ھ میں ہندوستان اس غرض سے روانہ ہوا کہ موسم سرما اپنے مرحوم باپ سلطان محمود کی طرح ہندوستان میں گذارے اور راجپوتوں کو سلجوقیوں کی جنگ پر ابھار لائے۔ اس کا بھائی محمد جو اس کے حکم سے اندھا کیا گیا تھا اس سفر میں اس کے ساتھ تھا۔ جونہی دریائے سندھ کو عبور کیا اور خزانہ شاہی کا کچھ حصہ

اگے نکل گیا۔ انوش تگین نے بلخی غلاموں کے ساتھ علیحدہ ہو کر بقیہ خزانہ لوٹ لیا۔ اور محمد کے ہاتھ پر سلطنت حکومت کی بیعت کر لی۔ مسعود نے شکست کھا کر مارگلہ میں پناہ لی۔ باغی فوجیوں نے اسے گھیر لیا اور سلطان محمد کے پاس لائے۔ سلطان محمد نے کہا آپ جہاں چاہیں سکونت اختیار کیجئے ۔ معزول سلطان نے قلعہ گری کو پسند کیا۔

چنانچہ سلطان محمد نے اسے قلعہ گری روانہ کر دیا۔ اور والئی قلعہ کو عزت واحترام سے پیش آنے کی ہدایت کی اور خود غزنین کی جانب واپس ہوا۔

مگر اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے اپنی تاریخ (اسلام جلد سوم) میں یہ واقعہ کچھ اور طرح سے لکھا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں سلطان مسعود کی فوج میں ہندوؤں کی بہت بڑی تعداد بھرتی ہو گئی تھی۔ اور کئی ہندو اس کی فوج میں سپہ سالاری کے عہدے پر فائز تھے۔ جن کے ماتحت بہت سی ہندو پلٹنیں اور ہندو رسالے تھے۔ جب ہندوستان کے سپاہی غزنی پہنچے تو مسعود نے ایرانیوں اور افغانوں سے زیادہ ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔ اور ایک شخص مسمی تلک کو امیر الامرائی اور مہاراجگی کا خطاب دے کر سپہ سالار اعظم بنایا۔ یہ مہاراجہ تلک ایک ہندو حجام کا لڑکا تھا۔ لہذا اس کے مرتبہ کو سب سے رفیع دیکھ کر اکثر امرائے دربار سلطان مسعود سے بددل ہو گئے۔ اور انہوں نے حرف شکایت زبان پر لانا شروع کیا۔

سلطان مسعود کی ہندو نوازی پر اس لئے اور بھی سب کو تعجب تھا کہ مکران کی لڑائی میں ہندو پلٹنوں نے سخت بزدلی اور نامردی دکھائی تھی۔ اور اس امتحان کے بعد ہرگز کسی کو توقع نہ تھی کہ سلطان مسعود اس طرح ہندوؤں کا گرویدہ ہو جائے گا۔ آخر اسان کے ایک جنگل میں سلجوقیوں سے جب معرکہ آرائی ہوئی تو ان ہندو سپاہیوں نے سب سے پہلے فرار کی عار گوارا کر کے سلطان مسعود اور اس کی افغان فوج کو خطرہ اور ہلاکت میں مبتلا کر دیا۔ چند جان نثاروں کی پامردی سے سلطان مسعود اپنی جان تو بچا لایا مگر شکست فاش کی ندامت اپنے ہمراہ لایا۔ اس شکست کے بعد سلطان مسعود پر کچھ ایسی بزدلی اور کم ہمتی طاری ہوئی کہ اس نے اپنے وزیر اور اپنے بیٹے مودود کو غزنین میں چھوڑ کر اور تمام اعوان خزائن اونٹوں ہاتھیوں، چھکڑوں اور آدمیوں پر لدوا کر اور ہمراہ لے کر ہندو سرداروں کے ساتھ اس ارادے سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوا کہ لاہور کو دارالسلطنت بناؤں گا اور وہیں قیام کروں گا۔

چونکہ سلطان مسعود نے اپنا یہ ارادہ پہلے ہی غزنین میں ظاہر کر دیا تھا لہذا وہاں کے سرداروں اور امروں نے سلطان کو اس ارادے سے باز رکھنے کی بیحد کوشش کی اور سمجھایا کہ غزنین کے خزانے میں جھاڑو دے کر اور تما جو اہرات نقدی زیور حتی کہ ظروف اور قیمتی کپڑے تک بھی سب کے سب لے کر غزنین سے چل دیا اور اپنے بیٹے مودود کو جوان دنوں بلخ و بدخشان کی طرف تھا۔ لکھ کر بھیج دیا کہ میں تم کو غزنین و خراسان وغیرہ کا حاکم مقرر کرتا ہوں اور میرے پاس سے تمہارے نام احکام فراین اور مناسب ہدایات پہنچتی رہیں گی۔ ان پر عمل کرنا اور ترکوں سے ملک کو صاف کرنے کی کوشش میں مصرف رہنا۔

یہاں تک کہ جمعہ سامان جب دریائے سندھ کو عبور کیا تو اس طرف آتے ہی ہندو پلٹنوں او ہندو سرداروں نے آنکھیں بدلیں اور سب کے سب شاہی خزانہ پر ٹوٹ پڑے اور تمام خزانہ جو سبکتگین اور محمود غزنوی نے چالیس پچاس سال کے عرصہ میں جمع کیا تھا ذرا سی دیر میں دریائے سندھ کے کنارے ہندوؤں نے لوٹ لیا اور سلطان مسعود کو مسلمانوں کی مختصر سی جماعت کے ساتھ چھوڑ کر منتشر ہو گئے۔ اس دل شکن اور روح فرسا نظارہ کو دیکھ کر مسلمانوں کی اس مختصر سی جمعیت نے سلطان مسعود کو اس کے اختلال دماغی کے سبب معزول کر دیا۔ اور اس کے بھائی محمد کو جو نابینا اور اس سفر میں مسعود کے ساتھ قید کی حالت میں تھا۔ آزاد کر کے اپنا بادشاہ بنایا۔

محمد کے بادشاہ ہونے کا حال سن کر ہندو فوج کے بہت سے آدمی پھر محمد کے گرداگرد جمع ہو گئے۔ کیونکہ اب اس بات کا خوف نہ تھا کہ مسعود ہم سے انتقام لے گا جب مسعود گرفتار ہو کر محمد کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو محمد نے بھائی سے آنکھوں کا بدلہ نہیں لیا۔ عظیم مورخ اکبر شاہ خان مسعود کی کشورستانی کے متعلق لکھتے ہیں ''اور انہیں حالات میں موقعہ بفضلاء اور شعراء کو دوست رکھتا تھا۔ خود بھی ذی علم تھا۔ ان لوگوں کو انعامات او جائزے دیتا تھا غازی تھا۔ شب میں نوافل کثرت سے پڑھتا تھا۔ متعدد اشخاص نے اس کی سوانح عمری لکھی ہے۔ مختلف علوم کی کتابیں اس کے نام نامی سے معنون کی گیں۔ جسے قانون مسعودی از البیرونی، عمراہ الہند میں ہے کہ قاضی بومحمد نے ''کتاب مسعودی'' فقہ میں اس کے نام پر لکھی۔

سلطان محمد نے غزنین پہنچ کر عنان حکومت اپنے بیٹے احمد کو عنایت کی اور خود گوشہ نشین ہو گیا۔ احمد نے اختیارات شاہی ہاتھ میں لیتے ہی اپنے چچا سابق مسعود کے قتل کی تدابیر شروع کیں۔ اس کے چچا یوسف علی خشاوند مغزہ نے

اسے فوراً کام انجام دینے پر ابھارا۔ چنانچہ احمد نے اپنے والد محمد سے مشورہ کئے بغیر قلعہ گری جا کر مسعود کو بار حیات سے سبکدوش کر دیا۔

ابوالفتح قطب الملۃ شہاب الدولہ سلطان مودود

سلطان مسعود کا بیٹا مودود اس وقت خراسان بلخ میں تھا سلطان محمد نے لکھ بھیجا کہ تمہارے پدر بزرگوار کو احمد نیا لتگین کے لڑکوں نے اپنے باپ کے قتل کے بدلے میں قتل کر ڈالا۔ مودود کو سخت برہمی ہوئی اور ناراضگی کا خط اسے لکھا۔ لشکریوں کو رعایا کا مال لوٹنے سے نہ روک سکنے پر سلطان محمد ان سے علیحدہ ہو گیا۔

مودود ماہ شعبان ۴۳۲ھ میں فوجیں لے کر غزنین پر چڑھ آیا۔ سلطان محمد نے شکست کھائی۔ اور اپنے بیٹوں احمد و عبدالرحمٰن نیز خواجہ علی التونتکین اور علی خشاوند کے گرفتار ہوا مودود نے باقی سب کو قتل کرا دیا۔ صرف عبدالرحمٰن کو اس لئے بخشا کہ اس کے والد سلطان مسعود کے زمانہ میں قید و گرفتاری میں حسن سلوک اور نرمی سے پیش آیا تھا۔ اس کے علاوہ ان سب لوگوں کو چن چن کر قتل کر دیا۔ جنھوں نے مسعود کی معزولی اور قتل کی سازش کی تھی۔

پھر مودود اپنے دادا محمود غزنوی کے نقش قدم پر چلنے لگا سلطان مسعود نے اپنے دوسرے بیٹے مجدود کو ہندوستان کے صوبوں کا حاکم مقرر کیا تھا۔ اس نے باپ کی موت پر اپنی حکومت کی بیعت لی اور لاہور کو دارالسلطنت قرار دے کر ملتان پر قبضہ کر لیا۔ شاہی خزانہ پر قابض ہو گیا۔ او پھر مودود سے لڑنے کا ارادہ کیا اتفاق سے عید کا دن آ گیا ۔اس نے خوشی خوشی عید منائی۔ مگر تیسرے دن صبح کو اپنے دارالسلطنت لاہور میں مردہ پایا گیا۔ اس لئے مودود نے لشکر کشی کا ارادہ ترک کر دیا۔ نہ تو مجدود کے قاتل کا پتہ چلا اور نہ سبب قتل معلوم ہوا ماوراء النہر کے ترک خان نے فرمانبرداری کا پیغام بھیجا خوارزم شہر پر غزنوی سردار التونتاش محمود اور مسعود کے زمانے سے حاکم تھا۔ علی تگین حاکم بخارا نے بادشاہ بن کر التونتاش کو حکم بھیجا کہ علی تگین کی اس دیدہ دلیری کی سزا کے لئے سمرقند و بخارا اس سے فتح کر لو۔ اور ایک بڑی فوج التونتاش کی کمک کے لئے بھیج دی۔ ۴۲۴ھ میں اس فوج نے دریائے جیحون کو عبور کیا۔ علی تگین مقابلہ نہ کر سکا اور بھاگ کھڑا ہوا اس کے مقبوضات کا بڑا حصہ التونتاش کے ہاتھ آیا۔ مگر غیر کابی سے دیکھو ا ہونے اور مصارف زیادہ ہونے کے باعث مشورہ مسعود اسے چھوڑ کر واپس خوارزم آیا۔

علی تگین نے عقب سے حملہ کر دیا۔ مگر التونتاش نے پلٹ کے مردانگی سے مقابلہ کیا۔ علی تگین بھاگ کر قلعہ دیوسہ

میں پناہ لی۔ التونتاش نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ علی تگین نے پھر معافی مانگی۔ التونتاش واپس چلا آیا۔ مگر آگری میں زخمی ہوگیا تھا۔ اس نے خوارزم میں وفات پائی۔ اس کے تین بیٹوں ہارون۔ رشید اور اسمعیل میں سے بڑا لڑکا ہارون حکومت خوارزم کی سند حاصل کر کے آیا۔

اس اثناء میں وزیر السلطنت احمد میمندی کا انتقال ہوا قلمدان وزارت کے سپرد کیا گیا۔ اس نے اپنے بیٹے عبدالجبار کو نائب گورنر مقرر کر کے خوارزم بھیج دیا دونوں میں ان بن ہوگئی۔ عبدالجبار روپوش ہو کر غزنی پہنچا کہ مسعود کے کان ہارون کے خلاف خوب بھرے مسعود نے بلا تفتیش خوارزم کے قرب وجوار کے حاکم شاہ ملک کو ہارون پر حملہ کرنے کا حکم دیا اس نے ہارون واسمعیل کی معیت میں خوارزم سے باہر ایک کھلے میدان میں شاہ ملک پر حملہ کیا تھا ۔شاہ ملک کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور خوارزم پر طغرل نے قبضہ کیا۔ اس اثنا میں سلطان مسعود قتل ہوا اور مودود بادشاہ بنا۔

شاہ ملک اپنا خزانہ لے ایک تنگ درے سے نکلا اور کوچ پر کوچ کرتا ہوا نیز طبیس ہوتا ہوا کرمان پہنچا۔ یہاں بھی سکون نہ ملا تو مکران بھاگا۔ طغرل کے چچازاد بھائی ارتاش نے چار ہزار سواروں کے ساتھ تعاقب جاری رکھا۔ اور گرفتار کر کے جعفر بیگ داؤد یا چغری بیگ داؤد کے حوالے کر دیا۔ اور مال ومتاع سب لوٹ لیا۔ اس کے بعد ارتاش بادغیس کی طرف لوٹا اور ہرات کا محاصرہ کرلیا۔ اہل ہرات خونریزی کے خوف سے قلعہ نشین ہوگئے۔

طغرل بیگ نے صوبہ خراسان پر قابض ہوگیا۔ داؤد بن میکائیل نے خراسان اور اس کے متعلقہ شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اس پر ابوالفتح قطب الملت شہاب الدولہ مودود شاہ نے کی۔ اس پر ترکمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ چنانچہ بڑونست اور نواح کو لوٹا۔ مودود نے ان کی گوشمالی کے لئے پھر ایک بڑی فوج بھیجی ترکمانوں نے سخت مقابلہ کیا مگر شاہی فوج فتح یاب ہوئی۔ اور ترکمان بھاگے۔ اور شاہی فوج نے بے دردی سے انہیں قتل و پامال کیا۔

تاریخ فرشتہ میں ہے کہ ۴۳۵ھ میں راجہ دہلی نے دوسرے راجاؤں کے ساتھ مل کر ہانسی اور تھانیسر پر حملہ کیا۔ غزنوی گورنر مدافعت نہ کرسکا۔ اور ملک قبضہ سے نکل گیا۔ راجہ دہلی نے ان شہروں پر قبضہ حاصل کر کے نگرکوٹ کی طرف قدم بڑھایا۔ والئے نگرکوٹ نے گورنر لاہور سے امداد طلب۔ جب لاہور سے کمک نہ پہنچ سکی تو والئے نگر کوٹ نے جان وناموس کی امان کے ساتھ قلعہ راجہ دہلی کے سپرد کر دیا۔ راجہ دہلی نے شہر فتح ہونے کے بعد جس

بتخانہ کو سلطان محمود نے مسمار منہدم پر ایک بت نصب کر کے بت پرستی جاری کی۔ اس موقعے پر ایک برہمن نے دجل وتزویر سے کام لے کر اور ایک جھوٹے خواب کا سہارا لے کر نگر کوٹ کی فتح کی بعد بُت کی تنصیب پر سب کو ابھارا تھا۔ اس وقعہ نے ہندوؤں میں ایک تازہ روح پھونک دی۔ وہ جوق در جوق اس بُت کی زیارت کو آنے، منتیں ماننے اور نذریں دینے لگے جب راجگان پنجاب کو یہ خبر پہنچی تو مسلمانوں کو لاہور سے نکالنے پر کمر بستہ ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے راجہ دوپالی ہریالہ ہرپیالی اور باس رائے نے دس ہزار سواروں اور پیادوں سے لاہور پر حملہ کیا۔

گورنر لاہور نے مودود کو کمک کے لئے پیغام بھیجا۔ چند ماہ کے بعد راجگان محاصرہ اُٹھا کر اپنے اپنے شہروں کو چل دے۔ عساکر اسلامیہ نے دوپالی کا تعاقب کیا۔ اس کے پاس پانچ ہزار سوار اور ستر ہزار پیادے تھے۔ وہ قلعہ بند ہو گیا۔ آخر قلعہ کی کنجیاں پیش کرتے ہی نئی اسلامی لشکر نے اس قلعے اور دیگر تمام ان قلعوں پر جو دوپالی کے قبضے میں تھے قبضہ کر لیا۔ مال واسباب لوٹ کر مسلمان قیدی چھڑائے اور پانچ پانچ دریم دے کر ان کو اپنے اپنے شہروں کی طرف رخصت کیا۔

اس کے بعد اسلامی لشکر راجہ باس رائے کی طرف بڑھا خونریز جنگ ہوئی راجہ پانچ ہزار سپاہیوں کے ساتھ جو اس کی قوم میں سے تھے، مار گیا مسلمانوں نے مال واسباب کو لوٹ لیا۔ اس سے ہندوؤں کے دلوں پر لشکر اسلام کا سکہ بیٹھ گیا۔ سب نے اطاعت قبول کر کے سالانہ خراج کی ادائیگی کا عہد کیا۔

گو مودود نے جعفر بیگ داؤد کی لڑکی سے عقد کیا تھا۔ اس کے باوجود وہ ترکمانوں کو معاف کرنے کا روادار نہیں تھا۔ ۱۴۴۱ھ میں اس نے مملکت غزنویہ اور ماوراء النہر کے حاکموں کو فوجیں فراہم کرنے کے فرامین بھیجے تھے۔ کالیجار گورنر اصفہان ایک بڑی فوج لے کر روانہ ہوا۔ راہ میں بیمار ہو کر واپس گیا۔ خاقان ترمذ کی جانب سے آرہا تھا۔ ایک گروہ ماوراء النہر سے خوارزم کی طرف بڑھ رہا تھا۔

سلطان مودود خود بھی غزنی سے فوجیں مرتب کر کے ترکمانوں کی زیر کرنے کے لئے نکلا۔ دو چار منزل طے کرنے کے بعد عارضہ قولنج میں مبتلا ہو کر واپس غزنی آ گیا۔ مگر وزیر السلطنت ابوالفتح عبدالرزاق احمد مہندی کو سپہ سالار افواج شاہی مقرر کر کے بجستان کو ترکوں کے قبضہ سے نکالنے کے لئے روانہ ہو گیا۔ رفتہ رفتہ درد میں شدت پیدا

ہوئی گئی۔ اور اپنی حکومت کے دسویں سال ماہ رجب ۴۴۱ھ میں سفر آخرت اختیار کیا۔

سلطان مودود کے انتقال پر اس کا کمسن لڑکا مسعود بن مودود تخت نشین ہوا۔ مگر پانچ روز کے بعد امراء نے معزول کر کے اس کے چچا علی بن مسعود بن محمود غزنوی کو حکومت کرسی پر بٹھایا۔ سلطان مسعود نے عبدالرشید کو ابتدائے حکومت کے زمانے سے بست کے قریب ایک قلعہ میں قید کر دیا تھا۔ جس وقت وزیر ابوالفتح اس قلعہ کے قریب پہنچا اور اس کو سلطان مودود کی وفات کی خبر ملی تو عبدالرشید کو قلعہ سے نکال کر لشکر میں لایا۔ حمام کرا کے عبائے حکومت اُ کے زیب تن کیا۔ امرائے لشکر اس کے ہاتھ پر حکومت و لسنّت کی بیعت کی۔ اور سب دارالسطلبت غزنی لوٹے سلطان علی بن مسعود نے یہ سن کر غزنی کو چھوڑ دیا۔ عبدالرشید نے سیف الدولہ با جمال الدولہ بازین الملت کا لقب اختیار کر لیا۔ اس وقت سلجوقی ترکوں کے قدم خراسان میں جم گئے تھے۔ اور بے فکر ہو گئے۔

سلطان مودود کا ایک ترکی النسل غلام طغرل اس کی ناک کا بال بنا ہوا تھا۔ پیغو سلجوقی کے حصے میں بجستان آیا تھا۔ طغرل نے سلطان عبدالرشید کو مشورہ دیا کہ آپ مجھے فوج عنایت کر دیں تو میں بجستان کو سلجوقیوں کے قبضے سے آزاد کرا دوں گا۔ چنانچہ طغرل ایک ہزار سواروں کے ساتھ بجستان کے جانب روانہ ہوا۔ معن طاق کو چالیس روز کے محاصر کے بعد فتح کیا۔ ابوالفضل حاکم بجستان نے پیغو کو ان واقعات سے مطلع کیا۔ اس اثنا میں ترکی غلام طغرل پہنچ گیا۔ فوجی باجے کی آواز سنائی دی لوگوں نے ابوالفضل کو یہ باور کرایا کہ یہ آواز پیغو کے لشکر کے باجے کی ہے۔ ابوالفضل تپاک سے شہر سے باہر آیا۔ رات کا وقت تھا۔ طغرل نے حملہ کر دیا۔ ابوالفضل شکست کھا کر ہرات کی جانب بھاگا۔ طغرل تین کوس تک تعاقب کر کے واپس بجستان آیا۔ اور اس پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اس نے عبدالرشید سے مزید فوج خراسان پر حملہ کرنے کے لئے مانگی۔ سلطان نے فوج کو روانگی کا حکم دیا طغرل کا دماغ اس کامیابی سے پھر گیا۔ اس کے دل میں حکومت کی خواہش انگڑائیاں لینے لگی۔ خراسان پر حملہ آور ہونے کے بجائے واپس غزنی گیا۔ پندرہ سولہ میل دور رہ گیا۔ تو سلطان کو خط لکھا کہ آپ لشکر مرتب کر کے میرے پاس تشریف لائیے۔ اور میری تنخواہ بڑھائیے۔ سلطان عبدالرشید نے اراکین دولت سے مشورہ کیا۔ انہوں کہا کہ طغرل کا یہ فعل دھوکے سے خالی نہیں۔ چنانچہ سلطان بچی کچھی تھوڑی سی فوج کے ساتھ غزنی میں قلعہ بند ہو گیا۔ اگلے دن طغرل غزنی میں داخل ہوا۔ تخت شاہی پر قبضہ کر کے اہل قلعہ کو دھمکی دی کہ اگر سلطان کو میرے حوالے نہ

کیا تو چُن چُن کر سب کو قتل کر دوں گا۔ اہل قلعہ نے خائف ہو کر عبدالرشید کو طغرل کے حوالے کر دیا۔ جس نے اُسے قتل کر ڈالا۔ اور اس کی لڑکی سے نکاح کر لیا۔ تاریخ فرشتہ میں مسعود کی لڑکی سے نکاح کرنا بتایا ہے۔

فرشتہ نے مزید تفصیل یوں دی ہے کہ طغرل شہر کو مسخر کر کے عبدالرشید اور سلطان محمود کی اولاد کو بیدریغ قتل کیا۔ طغرل نے نوشتگین کرخی کو جو عبدالرشید کی طرف سے حسب الحکم لاہور سے پیشاور پہنچا تھا۔ ایک سبنی پر محبت خط لکھا۔ لیکن نوشتگین نے اس نمکحرام کا جواب نہایت سختی سے لکھا۔ اور مسعود کی لڑکی کو خفیہ ایک خط لکھا اور طغرل کے قتل پر اُسے اُبھارا۔ اسی طرح دوسرے امرائے غزنویہ کو خطوط لکھ کر طغرل سے اغماض کرنے پر سخت تنبیہ کی۔ اس طرح ان کی غیرت جنبش میں آئی۔ اور نوروز کے روز جبکہ طغرل تخت پر بیٹھا تو سب نے مل کر چالیس دن کی حکومت کے بعد اسے قتل کر دیا عبدالرشید کی مدت حکومت ایک سال سے بھی کم تھی۔

نوشتگین کرخی اس کے چند روز بعد غزنی پہنچا۔ اس نے اشراف اعیان کو جمع کر کے اولاد سبکتگین کی تلاش کی تین شخص قلعوں میں زندہ تھے۔ فرخ زاد، ابراہیم اور شجاع، قرعہ فال فرخزاد کے نام پر پڑا۔ چنانچہ اسے بادشاہ بنا کر سب نے بیعت کی۔ فرخ زاد جو کہ مسعود کا بیٹا تھا۔ بقول حمد اللہ مستوفی مصنف ''تاریخ گزیدہ'' عبدالرشید کا لڑکا تھا۔ اس نے کاروبار سلطنت کا بوجھ نوشتگین کرخی کے کاندھوں پر ڈالا۔ جعفر بیگ داؤد نے جب انشاء غزنی کا سُنا تو غزنی پر تاخت لایا نوشتگین نے اپنی پوری قوت کے ساتھ اس پر حملہ کیا۔ صبح سے غروب آفتاب تک فریقین نے ایک دوسرے کو نیست و نابود کرنے کے سوا اور کچھ نہ کیا۔ آخر سلجوقی نے راہ فرار اختیار کی۔ غزنی افواج نے ان کا تعاقب کر کے ساز و سامان لوٹ لیا۔ اور غالب و منصور غزنی میں آئے۔ اس کے بعد غزنوی افواج نے خراسان کا رُخ کیا۔ اور سلاجقہ کے بہت بڑے امیر کیسارق کو ایک خونریز معرکے کے بعد نوشتگین کرخی نے شکست دی کیسارق گرفتار ہوا۔ داؤد نے اپنے بیٹے الپ ارسلان کو اس کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ اس بار فتح سلجوقیوں کو حاصل ہوئی اور غزنی کے کچھ امراء بھی ان کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ یہ دیکھ کر فرخ زاد نے کلیسارق کو مع تمام معلقان سلجوقیہ کے نہ صرف رہائی دی بلکہ خلعت بھی دیا۔ اس پر سلاجقہ نے بھی اسیران غزنی کو رہا کر دیا۔ فرخ زاد نے چھ برس بادشاہی کی۔ وفات سے ایک برس قبل جب وہ حمّام میں آیا اور ان غلاموں نے حمّام میں داخل ہو کر اسے قتل کرنا چاہا۔ اس نے یہ دیکھ کر اپنی شمشیر نیام سے نکالی اور اس قدر اپنی مدفعت کی کہ شور سُن کر اور لوگ

بھی حمام میں آئے اوران غلاموں کو قتل کر دیا۔ اس واقعے کے بعد سلطان موت کا ذکر اور دنیا کی حقارت کیا کرتا تھا۔ اس وقعے کے ایک سال بعد وہ قولنج کے درد سے مر گیا۔

اس کے وزیر حسن بن مہران ابوبکر بن صالح تھے۔

ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن مسعود غزنی

ابراہیم غزنوی نہایت عابد اور زاہد شخص تھا۔ ہر سال رجب شعبان اور رمضان کے تین ماہ کے روزے رکھتا تھا۔ رعایا پرور اور عادل تھا۔ داد و دہش اور خیرات کرتا تھا۔ جیسا کہ جامع حکایات ''عوفی یزدی میں ہے۔ ہر سال امام یوسف سجاوندی کو اپنی مجلس میں بلواتا تھا اور وہ بادشاہ کی رعایت کے بغیر وعظ کہے جاتے۔ ابراہیم خط نسخ بہت خوب لکھتا تھا۔ ایک اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا قرآن مجید مکہ معظمہ اور ایک مدینہ منورہ بھجواتا تھا۔ اس کے لکھے ہوئے متعدد قرآن مسجد نبوی ﷺ کے کتب خانہ میں موجود ہیں (تاریخ فرشتہ)

اس نے سلجوقیوں سے مصالحت کی کہ کوئی ایک دوسرے سے تعرض نہ کرے ابراہیم نے ان پر زور دیا کہ رعایا کو کوئی ضرور نہ پہنچائیں۔ اس نے ملک شاہ سلجوقی کی لڑکی کا اپنے بیٹے مسعود سے نکاح کیا۔ اس سے پہلے ایک دفعہ ملک شاہ نے غزنی پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ابراہیم نے ملک شاہ کے مختلف امیروں کے نام خط لکھے جن کا مضمون تھا کہ تم نے بہت اچھا کیا کہ ملک شاہ کو اس طرف آنے کی ترغیب دی ہے۔ اس کو جلد سے جلد آنے دو کہ ہم اس سے مکمل نجات پائیں اور میں نے جو تم سے وعدے کئے ہیں اس سے زیادہ تم کو دوں گا۔

یہ خطوط اپنے کسی آدمی کو دئے اور کہا کہ یہ ایسے وقت میں ملک شاہ کو پہنچنے چاہئیں جب امراء اس کے ساتھ نہ ہوں ۔ ایک مرتبہ ملک شاہ اسفرائن کے قریب شکار کر رہا تھا کہ یہ شخص وہاں پہنچا۔ اُسے ملک شاہ کے پاس لے جایا گیا ۔ یہ اُلٹی سیدھی باتیں کرنے لگا۔ ملک شاہ نے کہا کہ اسے چند تازیانے مارو تو صحیح بات کرے گا۔ جب اسے مار پڑی تو کہا کہ مجھے ابراہیم غزنوی نے بھیجا ہے۔ جب ملک شاہ نے خطوط کا مضمون معلوم کیا تو کسی سے کچھ نہ کہا اور غزنی کا ارادہ ترک کر کے اپنے دار السلطنت کی طرف چل دیا آخر بڑی کوشش کے بعد اس نے یہ دریافت کیا کہ ابراہیم شاہ کی چال تھی۔ بعد میں ملک شاہ کہا کرتا تھا کہ ابراہیم نے یہ تزویر اس لئے کی کہ مقابلے کی تاب نہ رکھتا تھا۔ اور اُسے یقین تھا کہ اگر جنگ ہوگئی تو وہ مغلوب ہو جائے گا۔ مگر میں نے اس لئے اپنا عزم منع کیا کہ گویا

وہ ہم پر غالب آجائے گا۔

سلاجقہ کی طرف سے مطمئن ہوکر ابراہیم نے ۴۷۲ھ میں ہندوستان کا رُخ کیا۔اور قلعہ اجودھن کو جواب پاک پٹن کہلاتا ہے اور شیخ فریدالدین شکر گنج کا مزار وہاں پر ہے مسخر کیا۔اس کے بعد قلعہ زومال کی طرف متوجہ ہوا۔جو ایک پہاڑ پر واقع تھا۔جس کے ایک طرف پہاڑ اور گھنا اور خاردار جنگل تھا۔مگر کچھ عرصے کے بعد بتائید ایزدی اسے فتح کیا۔اس کے بعد ایک اور شہر ڈرہ کی طرف متوجہ ہوا جس کے باشندے اہل خراسان میں سے تھے۔اور اصنام کی پرستش کرتے تھے۔انہیں افراسیاب نے جلاوطن کیا تھا۔اس شہر کی راہ میں بہت گھنا جنگل تھا۔ابراہیم نے کئی ہزار تبر برداروں کو حکم دیا۔اُنہوں نے جنگل کاٹ کر راستہ بنایا۔اتنے میں موسم برسات آیا۔جو بڑی تکلیف سے گذارا گیا۔برسات کے بعد ابراہیم نے حملہ کیا۔پہلے دعوت اسلام دی جب اُنہوں نے قبول نہ کی تو حملہ کردیا۔اور بزور بازو اُسے فتح کیا اور ایک لاکھ ہندی قیدی بنا کر غزنی لے گیا۔یہی حال مال غنیمت کا تھا۔
فرشتہ نے ایک اور روایت بیان کی ہے کہ ایک روز سلطان ابراہیم نے ایک حمّال کو دیکھا کہ ایک وزنی پتھر سر پر رکھے عمارت کی تعمیر کے لئے لے جاتا ہے۔سلطان نے اُس پر رحم کھا کر کہا اسے پھینک دے۔اُس نے پتھر پھینک دیا۔مگر یہ چونکہ راستے میں تھا۔اور گھوڑوں کو ٹھوکر لگتی تھی۔ایک صاحب نے اُسے راہ سے ہٹانے کا مشورہ دیا۔مگر ابراہیم نے کاغذ کی پیشانی پر لکھا کہ میں نے پہلے اس پتھر کے گرانے کا حکم دیا۔اب اگر ہٹانے کا حکم دوں گا تو اسے میری بے ثباتی پر لوگ محمول کریں گے اور بہرام شاہ کے زمانے میں بھی وہ پتھر وہیں پڑا رہا۔
سلطان ابراہیم کے چھتیس فرزند اور چالیس دختر تھیں۔بیٹیاں سادات عظام اور علماء عالی مقام سے بیاہی تھیں۔
اس نے ۴۸۱ھ میں وفات پائی اس کی مدّت سلطنت اکتیس سال اور بقول دیگر بیالیس برس اور تاریخ وفات ۴۹۲ھ تھی۔شروع میں اس کے وزیر ابوسہل خجندی اور مسعود تھے۔اس کا ہم عصر تھا۔یہ سیستانی الاصل اور عنصر کا اُستاد تھا۔علم شعر میں نہایت ماہر اور صاحب فن تھا۔ابراہیم شاہ کے زمانے میں مسلمانوں میں خانہ جنگی نہیں ہوئی۔

علاوہ الدولہ مسعود شاہ

ابراہیم شاہ کی وفات پر اس کا بیٹا مسعود علاء الدولہ کے لقب سے تخت غزنی پر بیٹھا۔یہ عادل منصف، خلیق اور سخی

تھا۔ سلجوقی ترکمانوں سے اس کے تعلقات دوستانہ تھے۔ اس نے سلطان سنجر سلجوقی کی بہن مہد عراق سے نکاح کیا ۔اس کے عہد میں بھی مسلمانوں میں خونریزی نہیں ہوئی۔ طغاتگین لاہور کی سپہ سالاری پر فائز ہوا۔ اس نے آب گنگ کو عبور کیا۔ اور ایسے مقام پر پہنچا۔ جہاں محمود غزنوی کے سوا اور کوئی نہیں پہنچا تھا۔ بہت سامال غنیمت لے کر واپس لاہور آیا۔ علاء الدولہ نے سولہ سال نہایت آرام سے حکومت کر کے ۵۰۸ھ میں وفات پائی۔ تاریخ گزیدہ میں لکھا ہے کہ سلطان علاء الدولہ کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا کمال الدولہ حکمران ہوا۔ اور ایک سال کے بعد ۵۰۹ھ میں اپنے بھائی ارسلان کے ہاتھوں مارا گیا۔ لیکن عام مورخین علاء الدولہ کے بعد ارسلان شاہ ہی کا ذکر کرتے ہیں۔

ارسلان شاہ

ارسلان شاہ محمود بن ابراہیم غزنوی کا بیٹا تھا اور لقب سلطان الدولہ تھا۔ ارسلان شاہ نے تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی اپنے تمام بھائیوں کو گرفتار کر کے محبوس کر دیا۔ البتہ بہرام بھاگ نکلا۔ اور سلطان سنجر کے پاس پناہ گزین ہو گیا ۔جو اپنے بھائی سلطان محمد بن ملک شاہ کی طرف سے خراسان کا حکمران تھا۔ ہر چند ارسلان شاہ نے بہرام شاہ کی بابت خط و کتابت کی اور ارسلان شاہ کو واپس بھیجنے کی مدد کے لئے غزنی پر چڑھائی کر دی۔
یہ سن کر ارسلان شاہ نے اپنی ماں مہد عراق کو جو سلطان سنجر کی بہن تھی۔ مع دو لاکھ روپے اور ہدایا و تحف کے سلطان سنجر کی خدمت میں سفارش کی غرض سے بھیجا۔ چونکہ مہد عراق ارسلان شاہ کی زیادتیوں اور بھائیوں کے قتل و قید سے نالان اور شاکی تھی۔ اس لئے بجائے سفارش کے اس نے غزنی پر حملہ کرنے کی تحریک کی۔
سنجر اس وقت بست تک پہنچا تھا۔ ارسلان شاہ نے اپنی کی طرف سے خود مطمئن ہو کر تیس ہزار سواروں اور ایک سو ساٹھ ہاتھیوں کے ساتھ غزنی سے ایک کوس کے فاصلے پر سنجر کا مقابلہ کیا۔ پیادوں کا تو کوئی شمار نہ تھا۔ سخت لڑائی میں ہزار ہا آدمی میدان جنگ میں کام آئے۔ ارسلان شاہ شکست کھا کر ہندوستان کی جانب بھاگا سلطان سنجر غزنی میں داخل ہوا۔ اور چالیس روز قیام پذیر رہا۔ اس کے بعد بہرام شاہ کو غزنی کے تخت حکومت پر بٹھا کر خراسان کی جانب واپس ہوا۔ تاریخ فرشتہ میں ہے کہ سیستان کے حاکم ابوالفضل کے باعث غزنویوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

سنجر کے واپس ہونے کے بعد ارسلان نے پھر فوج اکٹھی کی اور بہرام شاہ پر حملہ کیا۔ جو تاب مقابلہ نہ لا کر بامیان میں قلعہ بند ہو گیا۔ سنجر پھر اس کی مدد کو آیا۔ ارسلان شکست کھا کر چٹانوں کے درمیان میں سے بھاگا۔ سنجر کے سپاہیوں نے تعاقب کر کے اسے گرفتار کیا۔ اور بہرام شاہ کے حوالے کر دیا۔ جس نے اُسے قتل کر دیا اس وقت ارسلان کی عمر ستائیس سال کی تھی۔ اس نے تین سال حکومت کی۔ ''طبقات ناصر'' میں ہے کہ ارسلان شاہ عہد میں حوادث عظیم پیش آئے۔

بہرام شاہ مسعود بن ابراہیم

ارسلان شاہ کی جانے سے بہرام شاہ کی حکومت مستقل ہوئی۔ اور اُس نے بغیر کسی کھٹکے کے حکومت شروع کی۔ وہ بڑا باہمت اور ذی شوکت بادشاہ تھا۔ صاحبان علم کی قدر دان کی علیت کے مطابق کرتا تھا۔ سید حسن غزنوی نے اس کی تخت نشینی کے موقعہ پر ایک قصیدہ لکھ کر سلطان سنجر کے روبرو پڑھا تھا جس کا مطلع یہ ہے''

منادی بر آید ز ہفت آسمان

کہ بہرام شاہ است شاہ جہان

نظامی گنجوی نے اپنی مثنوی مخزن الاسرار اس کے نام نامی معنون کی اس کے زمانے میں ''کلیلہ ودمنہ'' کا ترجمہ عربی سے فارسی میں ہوا۔

محمد باھلیم نے جو سلطان ارسلان شاہ کی طرف سے لاہور کی گورنری پر مامور تھا۔ سلاطین غزنویہ کی باہمی خانہ جنگی اور ارسلان شاہ کے مارے جانے کی وجہ سے بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا۔ اس پر بہرام شاہ نے ہندوستان کا رُخ کیا۔ ۲۷ رمضان ۵۱۲ھ کو محمد باہلیم گرفتار کر لیا گیا۔ اس نے معذرت کی اور وفاداری کا حلف اُٹھایا۔ بہرام شاہ نے اُسے معاف کر کے اپنے عہدے پر بحال کر رکھا۔ بہرام شاہ کی واپسی پر محمد باھلیم کو پھر خود مختاری کی سوجھی بہرام شاہ پھر غزنین سے اس گوشمالی کے لئے چلا۔ محمد باھلیم نے اپنے لڑکوں کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا مگر شکست کھا کر بھاگا اور گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ بہرام شاہ نے مملکت ہندوستان پر سالار حسین بن ابراہیم علوی کو مامور کر کے غزنین کی جانب کوچ کیا۔ بہرام شاہ کی حکومت کے آخری سالوں میں غور کا شہزادہ قطب الدین غوری جو اس کا داماد بھی تھا۔ بھائیوں سے لڑ کر غزنی میں پناہ گزین ہوا۔ بعد میں بہرام شاہ نے اُسے قتل کر دیا۔ جس پر قطب

الدین کے بھائی سیف الدین سوری نے بھائی کا انتقام لینے کے لئے غزنی پر حملہ کیا۔ بہرام شاہ مقابلہ نہ کر سکا اور غزنی اور ہندوستان کے درمیان واقع ایک مقام کرمان میں بھاگ گیا۔ سیف الدین نے غزنی پر قبضہ کر کے اپنے بھائی علاؤ الدین کو غور کی حکومت پر بھیج دیا۔ جب برفباری کی وجہ سے غور کا راستہ بند ہوا تو بہرام شاہ نے غزنی پر حملہ کر دیا۔ سوری کے ساتھ چنانچہ مقابلہ کے وقت اہل غزنی نے سیف الدین کو پکڑ کر بہرام شاہ کے حوالے کر دیا۔ بہرام شاہ نے اس کا منہ کالا کر کے ایک مریل بیل پر سوار کرا کے ساری غزنی میں پھرایا۔ گلی کوچوں میں جوان اور بوڑھوں نے اس کا مذاق اُڑایا اور پھر نہایت بے رحمی سے قتل کر دیا۔ اور اس کا سر عراق میں سلطان سنجر کے پاس بھیج دیا۔ اور اس کے وزیر محمد الدین کو پھانسی پر چڑھا دیا۔ اس جنگ میں بہرام شاہ کا لشکر خلج و افغان اور مردم صحرا نشین یعنی زیادہ تر افغانوں پر مشتمل تھا۔

یہ خبر سُن کر علاؤ الدین غوری بہت طیش میں آیا اور اپنے بھائی کا انتقام لینے کے لئے غزنی کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے بہرام شاہ اس دار فانی سے رخصت ہو چکا تھا۔

روایت کی رو سے بہرام شاہ نے ۵۴۷ھ میں ۳۵ سال حکومت کر کے وفات پائی۔ بعض تاریخوں میں جیسے ''مرآۃ الھند'' مرتبہ و منطبعہ صاحبزادہ حمید اللہ، اس کا دورِ حکومت ۳۷ سال بتایا ہے۔

''تاریخ فرشتہ'' میں ہے کہ جب علاؤ الدین غوری نے انتقام کے قصد سے غزنی کا رُخ کیا۔ تو بہرام شاہ اُسے ڈرانے کے لئے اس کے پاس ایلچی بھیجا کہ بہتر یہ ہے کہ تو اپنے ارادے سے باز آ جائے ورنہ میرے ہزاروں پہلوان اور فیل آہن تن ہیں۔ علاؤ الدین نے کہا کہ یہ کام جو بہرام شاہ نے کیا ہے یہ غزنوی اقتدار کے زوال کی علامت ہے کیونکہ بادشاہ ایک دوسرے پر چڑھائی کر کے فتح حاصل کرتے ہیں اور لوگوں کو مارتے ہیں۔ نہ یہ کہ اس رسوائی اور فضیحت سے مجھے یقین ہے کہ زمانہ مکافات اور عبرت کے طور پر تجھ سے انتقام لے گا اور مجھے تجھ پر فتح رہے گا۔ اور بہرام اپنے ہاتھیوں پر نازاں نہ ہو۔ اگر اس کے پاس فیل ہے تو اللہ مرا کفیل ہے۔ اور مرے پاس دو خرمیل ہیں'' یہ دو پہلوان تھے جو بڑے شہزور اور شجاع تھے۔ لڑائی میں بڑے خرمیل نے ایک بڑے ہاتھی کا پیٹ خنجر سے پھاڑا۔ ہاتھی اس پر حملہ آور ہوا اور دونوں ساتھ مرے۔ چھوٹے خرمیل نے دوسرے ہاتھی کے پیٹ کو چیر ڈالا۔ اور خود سالم ہاتھی کے پیٹ سے نکل آیا۔ اس کا لڑکا دولت شاہ جو سپہ سالار تھا میدان جنگ میں کام

آیا۔اور بہرام شاہ بھاگ کر ہند پہنچا اور پھر اہل وعیال کی جدائی اور غم میں بیمار ہو کر مر گیا۔

ظہیر الدولہ خسرو شاہ بن بہرام شاہ

بروایت صحیح بہرام شاہ نے غزنی میں وفات پائی۔تو اس کا لڑکا خسرو شاہ تخت نشین ہوا۔لیکن علاؤ الدین غوری کی آمد کی خبر پہنچ رہی تھی۔اس پر خسرو شاہ مع اہل وعیال ہندوستان جا کر لاہور میں مقیم ہو گیا۔علاؤ الدین نے غزنی میں داخل ہو کر قتل وغارت اور آتش زنی کا حکم دیا۔چنانچہ سات دن تک مسلسل عروس البلاد غزنی سُلگتا اور جلتا رہا۔ ہزار ہا مرد اور عورتیں مار ڈالی گئیں۔کیونکہ اُسے معلوم ہوا تھا کہ سیف الدین غوری کی رسوائی کے وقت عورتوں نے دف بجائے تھے۔اس نے محمود، مسعود اور ابراہیم سوا باقی سب سلاطین غزنوی کے مقبرے کھود کر ان کی ہڈیاں جلا کر راکھ کر دیں انہی مظالم کے باعث علاؤ الدین کو ''جہانسوز'' کا لقب دے دیا گیا۔بقول فرشتہ اس نے سادات غزنی کی ایک جماعت کی گردنوں میں توبرے ڈالے اور فیروزکوہ لے جا کر ان کی گردن ماری۔اور توبروں کی خاک کو ان کے خون سے لت پت کر کے فیروزکوہ کے بروج کی بنیادوں میں ڈال دیا۔

خسرو خان نے سنجر سلجوقی کی امداد کی امید پر غزنی کا ارادہ کیا۔مگر اس زمانے میں سنجر غُز ترکوں کے پاس قید تھا۔اور غزنی پر ان کا تصرف تھا۔اس لئے خسرو خان پھر ہندوستان لوٹا۔

ترکان غُز دس برس تک غزنی پر متصرف رہے۔ان سے یہ شہر امرائے غوری نے چھین لیا۔خسرو شاہ ۵۵۵ھ میں سات سال کی حکومت کے بعد فوت ہو گیا۔

خسرو ملک بن خسرو شاہ غزنوی

ختم الملوک خسرو ملک باپ کی وفات پر ۵۵۵ھ میں حاکم بنا اور سلطان ابراہیم اور سلطان بہرام شاہ کے زمانے میں ہندوستان کا جس قدر علاقہ سلطنت غزنی کے ماتحت تھا اس تمام علاقے پر قبضہ کیا۔لیکن شہاب الدین غوری نے جو علاؤ الدین جہانسوز اور غیاث الدین غوری کے بعد غزنی پر قابض تھا پشاور اور ملتان اور سندھ کو مسخر کرتا ہوا ۵۷۶ھ میں لاہور پہنچا خسرو ملک کو غزنی لے جا کر قید کر دیا۔جہاں اس نے وفات پائی۔اس نے ۲۸ برس حکومت کی اس کے ساتھ ہی غزنوی خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

غوری خاندان

محمود غزنوی کے دور میں غور،غزنی کی باجگذار ریاست تھی۔ اس سے قبل یہ علاقہ آزاد اور خود مختار تھا۔ یہ علاقہ ہرات،فراہ،قندھار اور موجودہ ہزارجات کے بیچ میں واقع تھا۔

محمود غزنوی کے عہد میں غور کا حکمران امیر محمد سوری تھا۔

غور میں چار اقوام سکونت پذیر تھیں۔ ۱۔سوری ۲۔تائمنی ۳۔جمشیدی ۴۔فیروز کوھی۔ انگریز مورخ سر اولف کیرو کے بقول غور کے حکمران اور عام باشندے غیر پشتون تھے۔ جبکہ سید بہادر شاہ ظفر کا کاخیل کے بقول غور کے لوگ پشتون اور ان کی زبان پشتو تھی۔

اسلامی دور میں غور کے شاہی خاندان کا سردار شنسب نامی تھا۔ جس کے نام پر غور کے شاہی خاندان کو شنسی یا شنسبانی کہا جاتا ہے۔ مہناج السراج کے قول کے بموجب جو کہ خود بھی غوری خاندان کا پروردہ اور قابل اعتبار مورخ ہے۔ شنسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں کوفہ میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا تھا۔ اور خلیفہ رسول ﷺ کی طرف سے اسے غور کی امارت کا پروانہ جاری کیا گیا تھا۔ لیکن غور کے عام لوگ ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ شنسب کے مزید حالات ناپید ہیں۔ نہ ہی اس کے جانشینوں کا پتہ چلتا ہے۔

اموی دور کے آخر میں ابو مسلم خراسانی کی تحریک کے سلسلے میں پھر غور کے حکمران خاندان کا کچھ پتہ چلتا ہے۔ "پٹہ خزانہ" کے مصنف محمد ہوتک کے قول کے مطابق غور کے حکمران امیر پولاد سوری نے ابو مسلم خراسانی کی تحریک میں بھر پور حصہ لیا تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا امیر کروڑ سوری تھا۔ جو ۱۳۹ھ میں غور کا حکمران بنا۔ محمد ہوتک نے شیخ کٹہ غوریا خیل کے حوالے سے لکھا ہے۔ کہ انہوں نے "تاریخ سوری" میں پڑھا کہ مصنف کتاب نے امیر کروڑ پہلوان کو غور کے ایک مقام بالشتان میں دیکھا تھا۔ وہ شجاع،عادل اور فصیح البیان شخص تھا۔ ۱۵۴ھ میں فوشنج کی جنگ میں مارا گیا۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا امیر ناصر غور کا حکمران ہوا۔ جس کا حال معلوم نہیں ہے۔

"طبقات ناصری" مولف منہاج السراج جوزجانی کے مطابق عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں غور کا حکمران امیر بنجی نہاران تھا۔ جسے خلیفہ کی طرف سے غور کی امارت کی سند عطا ہوئی تھی۔ بعض شجرہ نویسوں نے امیر بنجی نہاران کو امیر سوری کے پوتوں میں سے بتایا ہے۔ امیر سوری صفاری خاندان ۲۵۴ھ ۲۹۶ھ کا معاصر تھا۔ اس

کے بارے میں منہاج السراج جوزجانی اپنی شہرہ آفاق کتاب طبقات ناصری میں یوں رقمطراز ہیں" بندیش کے شنسبوں کا سرکردہ امیر سوری تھا۔ جو ایک بڑا بادشاہ تھا۔ اور غور کے اکثر قلعے اس کے تصرف میں تھے۔ جن دنوں میں غزنی میں امیر سبکتگین کی حکومت تھی اس کے کچھ عرصہ بعد غور کی امارت پر امیر محمد سوری فائز ہوا تھا۔ وہ محمود غزنوی کا ہم عصر تھا۔ اور اُسی کے ہاتھوں گرفتار بھی ہوا تھا۔ خلافت عباسیہ کے زمانے میں غور کا علاقہ خود مختار ہو گیا تھا۔ صفاری بھی غور کو اپنی سلطنت میں شامل نہ کر سکے دولت سامانیہ کا اقتدار بھی ان برائے نام تھا۔ اس زمانے میں غور کے تمام علاقے میں اسلام بھی تک نہیں پھیلا تھا۔ اس لئے غور کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان جنگ چھڑی رہتی تھی۔ اور تلوار ہی ہر بات کا فیصلہ کرتی تھی۔ یہاں تک کہ محمد ابن سوری حکمران ہوا۔ اس نے اپنے مخالفوں پر غلبہ حاصل کر لیا۔

سلطان سبکتگین نے بھی غور پر حملہ کیا مگر ناکام رہا۔ اس سے محمد بن سوری کا حوصلہ بڑھا۔ سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں کبھی امیر محمد سوری اس کا تابع رہتا اور کبھی سرکشی راہ اختیار کرتا۔ آخر محمود غزنوی ایک بری فوج کے ساتھ غور کے قصد سے روانہ ہوا تھا کہ اس قضیے کا آخری فیصلہ ہوا۔ اس وقت امیر محمد سوری آھنگران کے قلعے میں مقیم تھا۔ جو غور کا مشہور شہر اور سوریوں کا مرکز تھا۔ البیرونی اس کے محل وقوع کا تعین غور کے پہاڑوں کے بیچ میں کرتا ہے۔ اور بقول شارخ "پٹہ خزانہ" داہنگران کے آثار دریائے ہری رود کے اوپر والے حصے میں" کاسی کے جنوب میں موجود ہیں۔

غزنوی فوج نے آھنگران پہنچ کر قلعے کا محاصرہ کیا۔ بہت دنوں تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر صلح کا فیصلہ ہوا۔ امیر محمد سوری قلعے سے باہر آیا اور سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلطان نے اُسے اور اس کے بیٹے شیث کو غزنی کی طرف روانہ کرنے کا حکم دیا۔ جب یہ لوگ گیلان پہنچے تو "طبقات ناصری" اور "پٹہ خزانہ" دونوں کی روایت کے مطابق امیر محمد سوری نے قید کی ذلت برداشت نہ کرتے ہوئے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ ابوالفضل بیہقی نے اپنی تاریخ بیہقی میں بادشاہ کا ذکر تو نہیں کیا۔ البتہ ۴۰۵ھ میں غور پر حملے کا ذکر کرتا ہے۔ جبکہ ابن اثیر الجزری نے اپنی تاریخ "الکامل" (عربی) میں اس خودکشی کی تاریخ ۴۰۱ھ لکھی ہے۔ اور امیر محمد سوری کی زہر خوری کی موت پر غور کے درباری شاعر اسعد سوری نے ۱۴۴ اشعار کا ایک دردناک مرثیہ لکھا ہے جو پشتو زبان میں ہے۔ امیر محمد سوری

کے بعد غور کے سوری خاندان کے حالات تاریکی سے روشنی میں آتے ہیں۔اس کے بعد اس کا بیٹا ابوعلی غور کا حکمران ہوا۔جو عمر بھر دربار غزنی کا باجگذار رہا۔ابوعلی کے بعد عباس غور کا حکمران بنا۔جو بڑا ظالم تھا۔اس وقت غزنی کا بادشاہ ابراہیم بن مسعود تھا۔غور کے لوگوں کی درخواست پر ابراہیم نے عباس کو قید میں ڈال دیا۔جس نے وہیں وفات پائی۔

عباس گو ظالم تھا مگر علم نجوم میں بڑا ماہر تھا۔اس نے ایک قلعہ بنوایا۔جس میں بارہ برج تھے۔سورج آسمان کے جس بر میں ہوتا اس قلعے کے برجوں کے تیس دروازوں میں سے ایک میں نظر آتا تھا۔اس طرح نجومی برج معلوم کرنے کی مشقت سے چھوٹ گے تھے۔

عباس کا بیٹا امیر محمد اچھے اوصاف کا مالک اور ابراہیم غزنوی کا باجگذار تھا۔محمد کے بعد قطب الدین حسن غور کا امیر بنا۔اس زمانے میں سلجوقی ترکوں کا زور تھا۔اور غزنوی کمزور پڑ رہے تھے۔قطب الدین نے سلجوقیوں کا ساتھ دیا ۔مگر غور کے پٹھان بڑے سرکش تھے۔اور قطب الدین ایسی ہی ایک اندرونی گڑبڑ میں مارا گیا۔اس کی موت پر اعزالدین حسین غور کا حکم بنا۔جو نیک اطوار شخص تھا۔اس نے غور میں امن قائم کیا۔اس زمانے میں تخت غزنی سلطان سنجر سلجوقی کے رحم وکرم پر تھا۔اعزالدین عقلمند شخص تھا اور سلجوقیوں اور غزنویوں دونوں سے اچھے تعلقات رکھے۔اس زمانے میں حسن بن صباح کا فتنہ زوروں پر تھا۔سلطان سنجر چاہتا تھا کہ غور کی امارت کمزور ہو۔

اعزالدین کے سات بیٹے تھے۔شجاع الدین علی ۲فخر الدین مسعود ۳قطب الدین محمد ۴سیف الدین سوری ۵علاؤالدین حسین ۶شہاب الدین محمد ۷بہاؤالدین سام سیف الدین سوری اپنے باپ کا جانشین بنا۔اس کے بھائی دوسرے علاقوں کے حاکم بنے، کچھ عرصہ کے بعد قطب الدین محمد جو ملک الجبال کے نام سے بھی مشہور تھا کسی بات پر اپنے بھائیوں سے ناراض ہو کر غزنی چلا آیا۔غزنی کے بہرام شاہ نے اپنی لڑکی کا نکاح اُس سے کیا۔ مگر کچھ عرصے کے بعد سُسر اور داماد میں غلط فہمیاں پیدا ہوگیئں ۔اور بہرام شاہ نے خفیہ طور پر قطب الدین کو زہر کھلا کر مار دیا۔

اس پر قطب الدین کے بھائی بدلہ لینے کی خاطر غزنی کی طرف چل پڑے بہرام شاہ کمزور تھا۔اس لئے فرار ہوگیا۔اور سیف الدین نے غزنی پر قبضہ کر لیا۔غزنی کے باشندوں نے اہل غور کے قبضے کو اپنی توہین سمجھا۔

کیونکہ وہ غور والوں کو اپنے سے کم مہذب سمجھتے تھے۔ انہوں نے خفیہ طور پر بہرام شاہ سے ساز باز کر لی۔ بہرام شاہ نے دوبارہ غزنی پر قبضہ کر لیا۔ سیف الدین کے پاس غور کے پٹھانوں کی تھوڑی سی فوج تھی۔ اس کا انحصار زیادہ تر غزنوی فوج پر تھا۔ غزنویوں نے بہرام شاہ کا ساتھ دیا۔ اور سیف الدین گرفتار ہو گیا۔ بہرام شاہ نے اُس سے انتہائی توہین آمیز سلوک کیا اور پھر قتل کرا دیا اس کے وزیر سید مجد الدین کو بھی پھانسی پر چڑھا دیا۔

جب سیف الدین کے بھائیوں کو اس ہولناک واقعے کی اطلاع ملی تو بہاؤ الدین سام سلطان معز الدین غوری کا باپ بدلہ لینے کے لئے روانہ ہوا مگر راستے ہی میں وفات پائی۔

اور علاؤ الدین حسین کے لئے انتقام لینے کی وصیت چھوڑ گیا۔ علاؤ الدین نے غزنی پر چڑھائی کی۔ بہرام غزنوی میں اس کے مقابلے کی طاقت نہ تھی۔ اس لئے صلح صفائی کی بہت کوشش کی۔ مگر علاؤ الدین حسین نہیں مانا۔ اس نے غزنی کے لوگوں کا قتل عام شروع کیا۔ شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اُسے آگ لگا دی جو سات دن تک جلتا رہا۔ سوائے سلطان محمد، مسعود اور ابراہیم کے باقی سب غزنوی بادشاہوں کی قبریں کھدوا کر ان کی ہڈیاں جلوا دیں۔ اور اپنے بھائی کے وزیر کے بدلے میں چند سادات کو قتل کیا۔ اور اپنے بھائیوں کی لاشوں کو تابوت میں ڈال کر سات دن کے بعد وہ غزنی سے چلا گیا۔ اس قتل عام اور آتش زنی کے باعث علاؤ الدین تاریخ میں ''جہانسوز'' کے نام سے مشہور ہو گیا۔ سیف الدین کی مزید تفصیل یہ ہے کہ غزنی پر قبضہ کرنے کے بعد غور کے لشکر کو غور رخصت کیا اور غزنی کے لوگوں پر اعتماد کر کے ان میں سے فوج بھرتی کی۔ مگر غزنی کے لوگوں نے اس وقت جبکہ برفباری اور شدت سرما نے لوگوں کو حرکت کرنے کے قابل بھی نہیں رکھا تھا۔ بہرام شاہ کو لاہور مراسلے لکھے اور واپس غزنی آنے اور اُسے لینے کے لئے لکھا اور یہ کہ سیف الدین کے ساتھ غور کا لشکر نہیں ہے۔ جب بہرام شاہ نے نہایت عجلت میں لشکر تیار کر کے غزنی پر حملہ کیا تو غزنی کا لشکر فوراً اس کا مطیع ہو گیا۔ ابھی اس کی فوج شہر سے دو فرسخ دور تھی کہ سیف الدین کو حملے کا پتہ چلا وہ اپنے وزیر سید مجد الدین موسوی کے ساتھ اپنے تھوڑے سے غوری سپاہیوں کو لے کر زمین داور کی طرف فرار ہو گیا۔ بہرام نے اس کا تعاقب کر کے ''سوری دری'' نامی مقام کے قریب آلیا اور سیف الدین سوری اور اس کے وزیر کو گرفتار کر کے غزنی بھیج دیا۔ بہرام شاہ نے انہیں اونٹ پر سوار کرا کے شہر میں پھرایا بچے ان پر آوازے کستے اور بُرا بھلا کہتے تھے۔ عورتیں گھروں کی چھتوں سے ان پر کوڑا

کر کٹ پھینکتی تھیں پھر دونوں کو غزنی کے پل پر پھانسی دے دی گئی۔

جب اس توہین واقعے کی خبر فیروزکوہ میں پہنچی تو ہر طرف صف ماتم بچھ گئی۔ فیروزکوہ کے سلطان نے خودداری اور غیرت کے مارے اپنے بھائیوں کی تعزیت ہی نہیں ملی اور غور و غرجستان کے تمام علاقوں سے ایک بڑی فوج اکٹھی کی اور اپنی جگہ علاؤالدین حسین کو بٹھایا۔ وہ بہت غیور اور غصہ ور تھا۔ اور راستے ہی میں اسی کے باعث کیوان کے مقام پر فوت ہو گیا۔ اور غور کی فوج واپس فیروزہ کو چلی گئی۔

غور کے بادشاہ علاؤالدین حسین نے غیرت کے مارے اپنے بھائی کی تعزیت بھی نہیں لی۔ غور وغیرہ ایک بڑی فوج اکٹھی کر کے زمین داور کی راہ سے غزنی پر حملہ آور ہوا۔ بہرام نے لاہور اور پنجاب سے نامی گرامی فیل اور لشکری اکٹھے کئے۔ اور پیشقدمی کرتے ہوئے زین داور پہنچ گیا۔ بہرام نے علاؤالدین کو ڈرانے کے لئے ہاتھیوں کا ذکر خط میں کیا جس کے جواب میں علاؤالدین نے میل پہلوانوں کا ذکر کیا۔ اور دوسری باتیں بھی لکھیں ۔اس سے بہرام دل ہی دل میں ڈر گیا۔

جب جنگ چھڑی تو پہلے بہرام کے ہاتھیوں نے حملہ کیا۔ دو خرمیلوں نے دو ہاتھیوں کا خاتمہ کیا۔ پھر عام لڑائی شروع ہوئی۔ بہرام کا لڑکا دولت شاہ جو کہ سپہ سالار تھا اس جنگ میں کام آیا بہرام شاہ میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا لیکن تکین آباد کے نزدیک گرخاب کے مقام پر رُک کر ایک مرتبہ اور غوریوں کا مقابلہ کیا مگر دوبارہ شکست کھائی۔ اور غزنی کی طرف بھاگا۔ غزنی کے قریب اُس نے پھر تیاری کر کے مقابلہ کیا۔ مگر تیسری مرتبہ شکست کھا کر ہندوستان کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

علاؤالدین جہانسوز نے فتح غزنی کے بعد فارسی میں فخریہ اشعار کئے تھے جن میں سے بعض یہ ہیں:

جہاں داند کہ من شاہ جہانم	چراغ دودۂ عباسیانم
علاؤالدین حسین ابن حسینم	کہ دائم باد ملک خاندانم
ہمہ عالم بگردم چوں سکندر	بہ ہر کشور شہے دیگر نشانم
بہ آں بودم کہ از اوباش غزنیں	چو رود نیل جوئے خوں برانم
ولیکن گندہ پیرانند اطفال	شفاعت میکنند تخت جوانم

بہ بخشدم بدلیشاں جان الیشان　　　　که باداجان شاں پیوند جانم

علاؤالدین حسین کا اور بھی فارسی کلام ملتا ہے۔ تکین آباد یا تکناباد جو گرم سیر کے شہروں میں سے تھا۔ غزنوی اور غوری بادشاہوں کے درمیان تنازعے کا ایک سبب تھا۔ جب بہرام شاہ کا بیٹا خسروشاہ اپنے والد کی وفات پر غزنی کے تخت پر بیٹھا تو چاہا کہ تکناباد کی غوریوں سے واپس فتح کر لے تو علاؤالدین حسین نے یہ رباعی اسے لکھ بھیجی:

اول پدرت نہاد کین بنیاد
تاخلق جہاں جملہ بہ بیداد افتاد
ھان تادہی ز بہر یک تکین آبا
سرتاسر ملک محمود بباد

غیاث الدین غوری

علاؤالدین حسین کی موت پر اس کا بھائی غیاث الدین بہاؤالدین سام غور کا امیر بن گیا۔لیکن فخر الدین مسعود اس انتخاب سے ناراض تھا۔اُس نے بلخ اور ہرات کے حاکموں کو بھی اپنے ساتھ ملایا۔اور غیاث الدین کے مقابلے کے لئے بامیان سے روانہ ہوا۔

لیکن بعد میں یہ گھریلو اختلاف جلد ہی ختم ہو گیا۔اور غیاث الدین کو متفقہ امیر تسلیم کر لیا گیا۔ان دنوں میں سلاجقہ کی طاقت کم ہو گئی تھی۔اس لئے غیاث الدین کو توسیع سلطنت میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔

سلطان غیاث الدین اور سلطان شہاب الدین دنوں کی ماں ایک تھی۔وہ بچپن میں غیاث الدین کو حبشی اور شہاب الدین کو زنگی کہا کرتی تھی۔کیونکہ وہ اپنے ہم عمروں سے زیادہ مضبوط اور قوی تھے۔شہزادگی کے زمانے میں بڑا بھائی شمش الدین اور چھوٹا بھائی شہاب الدین کے نام سے مشہور تھا۔جبکہ تخت نشینی کے بعد بڑا غیاث الدین اور چھوٹا معزالدین کے لقب سے مشہور ہوا۔

ان کا نسب نامہ ابراہیم ثابت کی کتاب ''سلطان شہاب الدین غوری'' میں یوں درج ہے۔جو اس نے تاریخ فرشتہ تاریخ طبقات ناصری ''فارسی'' کے حوالے سے لکھا ہے۔سلطان شہاب الدین غوری بن بہاؤالدین سام بن اعزالدین حسین بن سام بن قطب الدین حسن بن محمد بن عباس شیث بن محمد سوری بن سوری بن محمد۔اور یہی محمد امیر بنجی کے نام سے مسمی تھا۔امیر بنجی سے امیر شنسب تک شجرہ یوں ہے۔

امیر بنجی بن نہاران بن بروتر بن ملک شنسب اور اس سے اوپر کا شجرہ ''طبقات ناصری'' میں لکھا ہے جس کا مصنف مہناج اسراج خود غور میں پلا بڑھا تھا۔

''امیر بنجی نہاران بن درہش بندرت بن دریشان بن تروترن بن بروتر بن شنسب بن خرنک بن نہلق بن مشہی بن وژن بن ھبسن بن بہرام بن جشن بن ھسن بن ابراہیم بن محمد بن اسد بن ابن سام سامند بن سندراپ بن سہاک بن سہراب شیدارپک، بن فخاک بن سیامک بن مربناس بن ضحاک سہاک ملک۔

محمد ابراہیم ثابت رقمطراز ہیں کہ ''جامع التواریخ'' تاریخ طبری تاریخ ابن خلدون اور ابن اثیر نیز البیرونی سب نے ضحاک کا نام ہوراسپ بتایا ہے اس کا پُرانا نام سہاک ہے۔

سہاک ضحاک کی پشتو صورت ہے۔

شہاب الدین غوری اور اس کے بڑے بھائی سلطان غیاث الدین غوری سے پہلے غوری بادشاہوں کے سلسلے میں ملک شنسب مشہور بادشاہ گزرا ہے۔ محمد ابراہیم ثابت اپنی کتاب ''سلطان شہاب الدین غوری'' میں مشہور انگریز مورخ لین پول کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اسلام سے پہلے بھی غوری بادشاہوں کی اپنی مستقل سلطنت تھی۔ اور اسلامی دور کی ابتداء میں بھی ان کی خود مختار حکومت موجود تھی۔ بقول ابراہیم ثابت پٹھانوں کی یہ قابل فخر اور امتیازی خصوصیت رہی ہے کہ جب اسلامی فتوحات کا آغاز ہوا اور ایشیا اور ایران میں جو بھی علاقہ ان کے تصرف میں آیا وہاں عربوں نے اپنا حاکم مقرر کیا۔ اور سابق حکمرانوں کو بیدخل کر دیا گیا۔ مگر غور کی بادشاہی کو انہوں نے علیٰ حالہ رہنے دیا اور خلیفہ اسلام کی طرف سے اُسے تسلیم کیا گیا۔ ہاں البتہ غور کے پٹھان حکمران مرکز خلافت کے ساتھ دوستانہ روابط رکھتے تھے۔ خلیفہ چارم حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں غور کا حکم شنسب تھا جس نے غور سے مدینہ منورہ کا سفر شیر خداؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ واپسی پر انہیں خلیفہ اسلام کی طرف سے ایک عہد اور ایک لواء (جھنڈا) عطا ہوا۔ اور انہیں غور کا حاکم تسلیم کیا گیا۔ اور اس خاندان کے ہر بادشاہ کی تخت نشینی کے موقعے پر یہ عہد اور لواء اسے دیا جاتا تھا۔ یہ چیزیں شنسب کی اولاد میں ہیں۔

مبارک شاہ نے جو کہ سلطان غیاث الدین غوری کے زمانے میں تھا اپنے ذیل کے اشعار میں ان بادشاہوں کے اس فخر و امتیاز کی طرف ان اشعار میں اشارہ کیا ہے جو میر خاوند شاہ کی کتاب ''روضۃ الصفا'' میں موجود ہیں:

بہ اسلام در ہیچ منبر نماند ۔۔۔ کہ بر آل یاسین بلفظ فصیح

کہ بروے خطیبے ہی خطبہ خواند ۔۔۔ نہ کردند لعنت بوجہ صریح

دیار بلندش از ان شد ھون ۔۔۔ کہ از دست آنا کسان بود بردن

ازین جنس ہرگز دروکس نگفت ۔۔۔ نہ در آشکارا نہ اندر نہفت

ہمین بادشاہان بادین وداد ۔۔۔ بدین فخر دارند بر ہر نژاد

سلطان غیاث الدین اور سلطان شہاب الدین غوری کی ماں کا نام ملکہ کیدان تھا۔ جو ملک بدر الدین کیدانی کی بیٹی تھی۔ جو خود بھی سنسی یا سنسبانی تھی۔ وہ سلطان بہاوالدین سام کی زوجیت میں تھی۔ جس سے اس کے یہ دو

لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔

بقول ''طبقات ناصری'' جب علاؤالدین حسین فتح غزنی کے بعد غور آ کر فیروز کوہ میں تخت نشین ہوا تو اپنے دونوں بھتیجوں غیاث الدین محمد سام اور شہاب الدین محمد سام کو جو کہ بہاؤالدین سام کے بیٹے تھے وغرستان موجودہ (خرستان) کے قلعے میں قید کرلیا۔ اور اُن کے گذارے کے لئے کچھ اخراجات مقرر کئے۔ بقول تاریخ فرشتہ چونکہ ان دونوں بھائیوں کی طبیعت میں مردانگی او سخاوت تھی اس لئے سب لوگ ان کی طرف ٹوٹ پڑے۔ اس پر بعض حاسدوں نے علاؤالدین کے کان بھرے اور اُس نے ان کو غرجستان کے قلعے میں قید کرلیا۔

علاؤالدین کی موت کے بعد جب اس کا لڑکا سلطان سیف الدین فیروز کوہ میں تخت نشین ہوا تو اُس نے دونوں چچازاد بھائیوں کو غرجستان کے قلعے سے رہائی دلا کے کہا کہ جہاں چاہے پھرو اور جو چاہو کام کرو۔

رہائی کے بعد غیاث الدین محمد سام نے تو سیف الدین کی ملازمت اختیار کر لی۔ اور شہاب الدین محمد سام سیف الدین سے رخصت لے کرے اپنے چچا ملک فخر الدین مسعود کیپاس بامیان چلا گیا۔ اور جب سلطان سیف الدین کے مرنے کے بعد اس کا بھائی غیاث الدین فیروز کوہ کا بادشاہ بنا شہاب الدین اپنے چچا کی خدمت میں تھا۔ اور جب فخر الدین نے شہاب الدین محمد سام کو اس کے بھائی غیاث الدین کے تخت نشین ہونے کی خوشخبری دی اور اس کے قیام روانگی کی رائے پوچھی تو شہاب الدین نے نہایت احترام سے فیروز کوہ جانے کی اجازت طلب کی۔ جو فخر الدین نے دے دی۔

جب شہاب الدین محمد سام فیروز کوہ اپنے بڑے بھائی کے پاس پہنچا تو اُس نے اُسے اپنی فوجوں کا سپہ سالار مقرر کر کے رشتیہ اور کجوران کی ولایت کی حکومت بھی عطا کی۔ انہی دنوں ابوالعباس شیث کے قتل واقعہ رونما ہوا۔ سیف الدین غوری نے ابوالعباس شیث کے بھائی درمیش بن ستیش کو کسی وجہ سے قتل کرادیا تھا۔ جب سیف الدین غوری ترکوں کے خلاف مروالرّود کے علاقے میں جنگ میں مصروف تھا تو درمیش کے بھائی ابوالعباس شیث نے جو کہ اپنے بھائی کی جگہ غوری فوج کا سپہ سالار تھا پیچھے سے آ کر سلطان کو ایسا نیزہ مارا کہ وہ گھوڑے سے گر کر شہید ہوگیا۔ اس کے بعد ابوالعباس نے غور کے رہنماؤں کو جو کہ لشکر میں موجود تھے اکٹھا کر کے مروالرّود کے علاقے میں غیاث الدین غوری کے ہاتھ پر بیعت کی۔

جب غیاث الدین غوری غور پہنچا تو اس نے اپنے بھائی شہاب الدین محمد سام کے ساتھ اپنے چچازاد بھائی سیف الدین غوری کے قتل کا بدلہ لینے کا مشورہ کیا۔ اور دونوں نے اسے قتل کرنے کے لئے ایک تاریخ کا تعین کیا اور ایک آدمی کو اس کے لئے تیار کیا۔ جب ابوالعباس دربار میں پہنچا تو شہاب الدین نے اُس آدمی کو اشارہ کیا جس نے ابوالعباس کو قتل کر دیا۔

ابوالعباس کی یہ سپہ سالاری موروثی تھی۔ غور کا یہ خاندان اپنے کو شنسبانیوں سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ان کا جدِ امجد شیث یا شیش وہ پہلا آدمی تھا۔ جس نے غور کے علاقے میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ جب امیر بنجی نہاران اور شیشانیوں کے بڑے کے درمیان ہارون الرشید کے عہد خلافت میں تنازعے نے خطرناک صورت اختیار کر لی جو کہ غور کی شاہی خواستگار تھا۔ دونوں فریقوں کے مشورے سے بنجی نہاران اور شیث کے جانشین نے بغداد جا کر خلیفہ کی اجازت حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ خلیفہ نے امیر بنجی کو غور کا حاکم مقرر کیا اور فوجی کمان شیشانیوں کے رہنما کو دے دی اور حکومت کا منشور امیر بنجی شنسبی کو دیا۔ اس وقت سے لے کر غیاث غوری کے عہد تک غور کی سپہ سالاری موروثی رہی اور سیف الدین کی شہادت کے باوجود ابوالعباس کو کوئی معزول نہ کر سکا تاوقتیکہ دونوں غوری بھائیوں نے اس کا کام تمام نہ کیا۔ اس کے بعد شہاب الدین سپہ سالار بنا۔

مگر ایک سال کے بعد شہاب الدین اپنے بھائی سے کسی بات پر ناراض ہو کر ملک شمس الدین سیستانی کے پاس چلا گیا۔ اور ایک سرما اس کے ساتھ گذارا۔ غیاث الدین نے اپنا ایلچی اس کے پیچھے بھیجا جو اسے واپس فیروزکوہ لایا۔ غیاث الدین نے شہاب الدین کو پھر سے اپنا سپہ سالار بنایا۔ رستیہ اور کجوران کا محل پھر اُسے عطا کئے۔ بامیان کے بادشاہ ملک فخر الدین نے جو غیاث الدین کا چچا تھا۔ دعویٰ کیا کہ وہ عمر میں سب سے بڑا ہے اور تخت غور کا حقدار ہے اس لئے اس نے غور کا تخت حاصل کرنے کے لئے بلخ کے امیر علاؤ الدین قماچ سنجری اور ہرات کے امیر تاج الدین سے کمک طلب کی۔ اور تینوں کے متحدہ لشکروں نے غور پر حملہ کیا۔ جب سلطان غیاث الدین کو اس کا پتہ چلا تو دونوں بھائیوں نے مقابلہ کا ارادہ کیا۔ اور شہاب الدین کی سپہ سالاری میں غور کی فوج نے باہر نکل کہ حملہ آوروں کا مقابلہ کیا۔ سب سے پہلے ہرات کی فوج ہری رود کی راہ سے فیروزکوہ پہنچی تو راغ زر کے مقام پر غوری لشکر نے ہروی لشکر کو آلیا۔ سخت جنگ میں تاج الدین مارا گیا۔ اور ہراتی لشکر بھاگ گیا۔ اب

دونوں بھائیوں کی ہمت بڑھ گئی۔وہ ۔۔اورغوری سپاہیوں کے ساتھ بلخ کی فوج کی طرف چل پڑے ۔ جو غرجستان کی راہ سے غور کی طرف آ رہی تھی ۔انہوں نے اچانک بلخی فوج پر حملہ کر کے امیر بلخ کو قتل کر دیا۔اور باقی فوج بھاگ نکلی۔فخر الدین بامیانی نے جب اپنے دو اتحادیوں کی شکست اور قتل کا حال سُنا تو سراسمگی میں بڑھتے ہوئے قدم روک لئے اور واپسی کا ارادہ کیا۔کلہ فتحمند بھائیوں کی فوجیں اس کے سر پر پہنچ گیئں اور دو لشکروں نے بامیانی لشکر کو گھیرے میں لے لیا۔اس کے بعد غیاث الدین اور شہاب الدین دونوں گھوڑوں سے اتر پڑے اور نہایت احترام سے اس کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو گئے۔پھر اپنے چچا کو اپنی لشکر گاہ میں لے جا کر تخت پر بٹھایا۔اور دونوں سینے پر ہاتھ باندھ کر احتراماً اس کے سامنے کھڑے ہو گئے۔اور عرض پرداز ہوئے کہ آپ ہمارے بادشاہ اور ہم آپ کے نوکر ہیں اس پر ملک فخر الدین اپنے کئے پر پشیمان اور خجل ہوا اور غصے میں آ کر بھتیجوں سے کہا تم میرا مذاق اُڑا رہے ہو اور فوراً تخت سے اُٹھ کھڑا ہوا سلطان غیاث الدین اور شہاب الدین دونوں اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے اور عذر خواہی کی کہ آپ ہمارے عم اور آقا ہیں ہم ہر وقت آپ کا حکم مانیں گے۔اور خادم رہیں گے۔پھر بامیان کی سمت ایک منزل تک چچا کے ساتھ مشائعت کے لئے جا کر اُسے رخصت کیا اور خود فیروز مند فیروز کوہ میں آئے۔

ملک فخر الدین بامیانی کی شورش کے دفع ہونے کے بعد سلطان غیاث الدین نے ہری رود کی طرف بہت سے علاقے فتح کئے جن میں زیادہ تر میں شہاب الدین کو دخل تھا۔مگر اس زمانے میں شہاب الدین کا بڑا کارنامہ گرم سیر کی تسخیر اور انتظام تھا اس کے ساتھ ہی شہاب الدین محمد سام کے کارناموں کا آغاز ہوا۔اس نے تکین آباد کا مشہور شہر بھی فتح کیا۔اس سے غزنی کی فتح کا راستہ کُھل گیا۔اور شہاب الدین نے بھی غزنی پر حملے شروع کر دئے۔مگر غزنی کی فتح سے پہلے ترکوں کے ایک طائفے ''غزوں'' نے جو کہ چالیس ہزار گھرانوں پر مشتمل تھے۔ ماوراء النہر اور ترکستان کے آخری حصول ختلان اور چغانیان میں رہتے تھے۔جب ایک اور مضبوط قبیلے قرغیز نے غز ترکوں کو اپنے وطن مالوف سے ہنکا کر نکالا تو وہ شمالی افغانستان کے علاقہ طخارستان میں بس گئے۔ پھر سلطان سنجر سلجوقی کی طرف سے متعین بلخ کے حاکم نے انہیں دعوت دے کر بلخ کی سرسبز چراگاہوں اور وسیع دامانوں میں جگہ دے دی۔اس کے بدلے میں ہر سال غزوں کو چوبیس ہزار بھیڑ بکریاں سلطان سنجر کے مطبخ کے

لئے بطور محصول دینی ہوتی تھیں۔

مگر جب سلطان سنجر کے آدمی تاریخ مقررہ پر بھیڑیں لینے کے لئے آئے تو غزوں کے ساتھ ان کا تنازعہ ہو گیا۔ اور غزوں نے بھیڑیں دینے سے انکار کر دیا۔ سنجر نے پہلے تو بلخ کے حاکموں کو غزوں کی سرزنش کے لئے لکھا۔ جب حاکم نے غزوں پر فوج کشی کی تو وہ مقابلے پر آئے۔ اور نہ صرف بلخ کی فوج کو شکست دی بلکہ حاکم بلخ اور اس کے بیٹے کو بھی قتل کیا۔

اس پر سلطان سنجر خود ۵۴۷ھ میں ان کی سرکوبی اور استیصال کے لئے بڑھا۔ غزوں نے بھی اپنی پوری قوت سے مقابلہ کیا۔ جانبین میں خونریز جنگ ہوئی۔ مگر میدان غزوں کے ہاتھ آیا۔ سنجر کے بڑے بڑے افسر میدان جنگ میں کام آئے۔ اور وہ خود شکست کھا کر بلخ چلا گیا۔ اور وہاں سے ''مروی'' یا مرو چلا گیا۔

غزاس کے تعاقب میں بلخ پہنچے اور اُسے لوٹ کر تاراج کیا۔ پھر سلطان کے پیچھے مرو گئے۔ اور سلطان سنجر کو گرفتار کر کے قیدی بنایا۔ وہاں سے غز نیشاپور کی طرف بڑھے اُسے بھی لوٹا اور پھر آ کر طوس کو لوٹا۔ غرض غزوں نے خراسان کے بہت سے شہر تاراج اور تباہ کئے بہت سے بڑے امراء و فضلاء ان کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ مگر غیاث الدین نے جبال غور اور خراسان کے متصرفہ علاقوں میں سے لشکر جمع ہونے کا فرمان صادر کیا۔ اور غزنہ کا قصد کیا۔ جو غز سردار غزنہ میں تھے۔ وہ کھلے میدان میں غوریوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے دفاعی مورچے قائم کر کے ان میں جم گئے۔ اور ایسی ثابت قدمی کا ثبوت دیا کہ غوریوں کے شکست کے آثار نمودار ہونے لگے۔ سلطان غیاث الدین نے کمک بھیج دی۔ اچانک غز جنگجوؤں کی ایک فوج نے حملہ کر دیا اور غوریوں کا سلطانی علم چین کر لے گئے۔ اور اپنے دفاعی موچوں میں پہنچ گئے۔ لشکر غو کے دائیں اور بائیں بازوے سمجھا کر سلطانی علم قلب کی فوج کے ساتھ دشمن کے مورچوں میں پہنچ گیا ہے۔ انہوں نے بھی ایک دم حملہ کر دیا اور غزوں کے مورچے توڑ کر رکھ دئے۔ اور غز شکست کھا گئے۔ یہ خبر غیاث الدین کو پہنچا دی گئی۔ پھر لشکر غور نے غزوں کو تلواروں پر رکھ لیا۔ ان کی خاصی جمعیت ماری گئی۔ اور مملکت غزنہ غوریوں کے قبضے میں آ گئی۔ یہ ۵۶۹ھ کا واقعہ ہے۔ سلطان غیاث الدین نے اپنے بھائی معز الدین کو سلطان محمود کے تخت پر بٹھایا اور خود فیروز کوہ غور چلا گیا۔

دو سال بعد غیاث الدین نے غور اور غزنہ کا لشکر تیار کر کے ہرات کی طرف بھیج دیا۔ بہاؤ الدین طغرل یہ دیکھ کر

ہرات سے چلا گیا۔اور خوارزم شاہیوں سے جاملا۔ ہرات ۵۷۱ھ میں فتح ہوگیا۔دوسال بعد فوشنج بھی قبضے میں آ گیا۔پھر نیمروز اور سجستان کے رئیسوں نے خود بخود سلطان کی موافقت اختیار کی۔جو غُز سردار گرگان میں تھے۔ وہ بھی فرمانبردار بن گئے۔غرض خراسان کے وہ تمام اطراف جن کا تعلق بلخ و ہرات سے تھا۔یعنی قطغن اندخوئی میمنہ، فاریاب بنظہ مرواتردو۔زرق اور خلم سلطانی کارندوں کے تصرُّف میں آگئے۔اور خطبہ وسکہ سلطان غیاث الدین کے نام کا جاری ہوا۔

کچھ مدت کے بعد سلطان جلال الدین محمود بن ایل ارسلان خوارزم شاہ کو سلطان علاؤالدین تکش خوارزم شاہ نے نکال دیا اور سلطان غیاث الدین کی بارگاہ میں پہنچ گیا۔کچھ عرصے کے بعد وہ سرکشی اختیار کر کے وہ خوانین ختا کے پاس چلا گیا۔اور ان کی کمک سے مرو پر قابض ہوگیا۔اس نے مار دھاڑ شروع کردی اور یوں ممالک غور کے لئے مصیبت کا باعث بن گیا۔۵۷۸ھ میں سلطان غیاث الدین نے فرمان جاری کردیا۔کہ معزالدین غزنہ سے ملک شمس الدین بامیان سے اور ملک تاج الدین حرب سیستان سے لشکر لے کر دربار مرو میں جمع ہوں۔یہ دیکھ کر سلطان شاہ مرو سے اپنی فوج نکال کر بالائی علاقے میں لے گیا۔اور سلطانی لشکر پر چھاپوں کا سلسلہ شروع کر دیا ۔اور چھ ماہ تک ان لوگوں کے لئے مصیبت کا سامان بنا رہا جو غوری لشکروں کے لئے چارہ اکٹھا کرتے تھے۔

آخر سلطان معزالدین نے دریائے مرغاب کو پار کر کے سلطان شاہ کو شکست دی یہ فتح ۵۸۸ھ میں ہوئی ۔ بہاؤالدین طغرل سنجری جو ہرات سے نکل کر خوارزم شاہیوں سے جاملا تھا۔جنگ میں بامیان کے لشکریوں کے ہاتھ آیا۔اس کا سر کاٹ کر سلطان غیاث الدین کے پاس بھیج دیا گیا۔اس روز ملک شمس الدین بامیانی کو جو سلطان غیاث الدین کے چچا ملک فخر الدین محمود کا بیٹا تھا۔چتر عطا ہوا اور اُسے سلطان کا خطاب دیا گیا۔

۵۹۶ھ میں سلطان تکش خوارزم نے وفات پائی یہ خبر سُنتے ہی سلطان غیاث الدین اور سلطان معزالدین نے غور اور غزنہ کے لشکروں کے ساتھ خراسان کا رُخ کرلیا۔نیشاپور پہنچ کر اس کا محاصرہ کرلیا۔

غیاث الدین نے خندق کے ساتھ ساتھ فصیل کا معائنہ کیا اور تازمانہ سے ایک برج کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہاں سے حملہ کیا جائے۔تو شہر فتح ہوجائے گا۔یعنی دو برجوں کے درمیان منجنیقیں لگادی جائیں۔تو فصیل گر جائے گی۔

سلطان غیاث الدین کی کرامت دیکھئے کہ اس نے جس دو برج کے درمیانی حصے کی طرف اشارہ کیا وہ یکدم گر گیا ۔چنانچہ شہر کو فتح کر لیا گیا۔ سلطان تکش خوارزم شاہ کا بیٹا ملک علی شاہ نیز خوارزم کے دوسرے سردار جیسے سرتاش، کزلک خان وغیرہ گرفتار ہوئے۔ ملک ضیاؤ الدین محمد ابی علی شنسبانی کو جو دونوں کا چچیرا بھائی اور سلطان غیاث الدین کا داماد تھا۔ نیشاپور کا حاکم بنا دیا گیا۔ اور اسی سال غیاث الدین و معز الدین نے مراجعت کی۔
دوسرے سال مرو شاہجان کا قصد کیا گیا۔ اور اُسے فتح کر لیا گیا۔ نصیر الدین محمد خرنک کو وہاں کا حاکم بنا دیا گیا۔ اور سرخس کی حکومت سلطان غیاث الدین نے اپنے چچیرے بھائی ملک تاج الدین زنگی پورا خراسان سلطان غیاث کے قبضے میں آ گیا۔ علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ نے بہت منت کی کہ خراسان اُسے دے دیا جائے مگر غیاث الدین نے یہ بات نہ مانی۔
بغداد سے عباسی خلیفہ امیر المومنین المستفئی بامر اللہ اور القائم الدین اللہ نے چند مرتبہ خلعت فاخرہ بھی سلطان غیاث الدین کے لئے بھیجا۔ پہلی مرتبہ ابن الہ سفیر بن کر آیا اس کے ساتھ قاضی مجد الدین قدوہ کو بغداد بھیجا گیا۔ دوسری مرتبہ ابن الخطیب آیا۔ اور صاحب طبقات کے والد مولانا سراج مہناج کو اس کے ساتھ بغداد کے لئے نامزد کیا گیا۔ جب خلیفہ ناصر لدین اللہ کی طرف سے خلعت پہنچا تو سلطان غیاث الدین کے فرمان کے مطابق بادشاہی کی نوبت پانچ مرتبہ بجنے لگی۔
غیاث الدین کی سلطنت مشرق میں ہندوستان اور سرحد چین سے عراق تک اور دریائے جیحون و خراسان سے ہرمُز تک جو سمندر کے کنارے واقع ہے اسی سلطان کا خطبہ پڑھایا جاتا تھا۔ اس نے تینتالیس ۴۳ سال حکمرانی کی۔ عرب و عجم اور ترکستان و ہند کے عام نیک بندوں، عالموں زاہدوں اور خدا پرستوں کو اس کی بخشش اور انعامات سے فائدہ اُٹھانے کا موقعہ ملا۔ امداد و صدقات کے مستحق تمام لوگوں کے نام رجسٹر ڈ میں درج تھے۔ سلطان کی عمر ۶۳ سال تھی۔
۲۷ جمادی الاولی ۵۹۹ھ میں اس جلیل القدر سلطان نے ہرات میں وفات پائی۔ مقبرہ جامع مسجد ہرات کے پاس بنایا گیا۔ اس کا دربار بڑے بڑے عالموں، فاضلوں، بلند پایہ حکیموں اور ارباب بلاغت سے آراستہ تھا۔
غیاث الدین اور معز الدین ابتداء میں کرالیہ مسلک کے پابند تھے۔ کیونکہ ان کے ملک میں اسلاف کا یہی مسلک

تھا۔ جب سلطان معزالدین تخت پر بیٹھا تو اس شہر اور ملک کے لوگوں کا عمل امام ابوحنیفہ کوفیؒ کے مذہب پر تھا۔ لہذا سلطان معزالدین نے حنفی مسلک اختیار کرلیا۔ اس کا بھائی سلطان غیاث الدین شافعی مسلک کا پیرو بن گیا تھا۔

کرامیہ کے عالم امام صدرالدین علی ھیصم نیشاپوری نے سلطان غیاث الدین کو ایک قطعہ لکھ کر مذہب بدلنے پر اعتراض کیا۔ جس کے باعث اُسے غور سے نکل کر نیشاپور جانا پڑا ایک سال بعد ایک تعریفی قطعہ سلطان کو لکھ بھیجا۔ سلطان نے اسے خلعت بھیجا اور صدرالدین واپس آ گیا۔

نوجوانی میں غیاث الدین شراب اور شکار کا دلدادہ تھا۔ بعد میں شرابنوشی سے توبہ کرلی تھی۔ اس کی اولاد میں ملکہ معظمہ جلال الدینا والدین اور سلطان غیاث الدین محمود تھے۔ گرمائی صدر مقام فیروزکوہ اور سرما کا صدر مقام زمیندار تھا۔ مہر شاہی میں ''حسبی اللہ وحدہ'' کندہ تھا۔

سلطان شہاب الدین محمد غوری

سلطان غیاث الدین غوری کی وفات پر اس کے جانشین اور چھوٹے بھائی معزالدین نے جو شہاب الدین غوری کے لقب سے ملقب ہوا تو اس نے فیروز کوہ کی تخت گاہ غور، غرجستان زمینداور حاجی علاؤالدین کو دے دئے۔ جو اس کا چچازاد بھائی اور حاجی و غازی تھا۔ سلطان غیاث الدین کی بیٹی ماہ ملک جس کا لقب جلال الدنیاوالدین تھا۔ اس سے بیاہی گئی تھی۔ علاؤالدین جہانسوز کی نواسی تھی۔ وہ بزرگ حافظ قرآن اور بہت خوشنویس تھی۔ ہر سال ایک مرتبہ دو رکعت نفل نماز ادا کرتی اور ان دو رکعتوں میں پورا قرآن ختم کر دیتی۔ علاؤالدین کسی وجہ سے اس کا وظیفہ زوجیت ادا نہ کرسکا۔ یہ شہزادی حسن و جمال اور عفت و پاک دامنی میں بے مثال تھی۔ مہناج السراج مولف ''طبقات ناصری'' کی ماں اور شہزادی دودھ شریک بہنیں اور اکٹھی پڑھی تھیں۔ شہزادی نے تاتاری کافروں کے حادثے میں عراق عجم میں شہادت پائی۔

چچازاد بھائیوں کی شورشوں کو فرد کرنے کے بعد سلطان شہاب الدین نے اطراف غزنہ میں نظم وضبط قائم کرلیا۔ تو دوسرے سال یعنی ۵۷۰ھ میں گردیز فتح کرلیا۔ تیسرے سال ۵۷۱ھ میں ملتان پر فوج کشی کر کے اسے قرمطیوں کے تسلط سے آزاد کرایا۔ ۵۷۲ھ میں سفران قبیلے کی بغاوت کے بعد اس کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ اس فتح کے ایک سال بعد سلطان معزالدین نے اُچھ اور ملتان کے راستے نہروالہ پر حملہ کیا۔ وہاں کے رائے بھیم دیو کے پاس لشکر اور ہاتھی بہت زیادہ تھے۔ لہذا لڑائی میں اسلامی لشکر نے شکست کھائی۔ اور سلطان غازی کو مقصد حاصل کئے بغیر لوٹنا پڑا۔

یہ ۵۷۴ھ کا واقعہ ہے۔ ۱۱۸۲ء میں سلطان نے سندھ پر قبضہ کیا۔ ۱۱۸۶ء میں پنجاب کے آخری غزنوی حکمران خسرو ملک کو شکست دے کر قید کرلیا جو غزنی میں مرا سلطان کو چونکہ مفتوحہ علاقوں میں اسلام کی اشاعت و تبلیغ مقصود تھی۔ اس لئے مولانا سراج الدین وھاج کو عسکر قاضی کے طور پر اسلامی لشکر میں متعین کر دیا تاکہ وہ انہیں اسلامی احکام اور خصوصاً جہاد کے فضائل بتایا کریں۔ مولانا موصوف کے منبر اور سامان کے نقل وحمل کے لئے سلطان کی طرف سے بارہ اونٹ مخصوص تھے۔ مولانا وھاج مولف ''طبقات ناصری'' کے والد تھے۔

سلطان شہاب الدین غوری شروع ہی سے اپنے آپ کو محمود غزنوی کا ہمسر اور حریف سمجھتا تھا۔ اور اس کے دل

میں ہندوستان کی فتح کا سودا سمایا ہوا تھا۔ چنانچہ ۵۸۷ھ میں سلطان تے لشکر لے کر بھٹنڈہ یا ترہندہ (طبقات اکبریٰ خلاصہ التواریخ لب الالباب) پر حملہ کیا۔ یہ قلعہ دہلی اور اجمیر کے راجہ رائے پتھورا یا پرتھوی راج کے قبضے میں تھا۔ سلطان نے قلعہ فتح کر کے ملک ضیاؤالدین کو کچھ فوج کے ساتھ اس قلعے کی حفاظت کے لئے مامور کیا۔ اس پر رائے پتھورا نے جو ایک بڑی فوج کے ساتھ قریب ہی موجود تھا۔ سلطان پر حملہ کرنا چاہا۔ سلطان نے یہ خبر سُن کر مقابلے کی ٹھانی اور تھانیسر یا ترائن (طبقات ناصریٰ تاریخ فرشتہ) کے مقام پر ۱۱۹۱ء میں بڑی جنگ ہوئی۔ ہندوؤں نے زوردار حملہ کیا۔ سلطان جو خود بھی بہ نفس نفیس شامل جہاد تھے سخت مجروح ہوئے۔ محمود غوری کا گھوڑا پرتھوی راج کے بھائی گوبند رائے کے ہاتھی کے مقابل ہوا۔ سلطان نے نیزہ سے گوبند رائے پر ایسا حملہ کیا کہ اس کے کئی دانت ٹوٹ کر گر گئے۔ اس اثنا میں گوبند رائے نے تلوار کے وار سے محمد غوری کا بازو زخمی کردیا سلطان بے ہوش ہو کر گرنے ہی کو تھا کہ ایک پٹھان سردار نے لپک کر سلطان کو پیچھے سے اپنی گود میں پکڑا اور گھوڑے کو ایڑ لگائی اور میدان جنگ سے نکال کر لے گیا۔ غوری سپاہیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ راجپوتوں نے زیادہ دیر تک ان کا تعاقب نہ کیا۔ اس لئے سلطان نے لاہور میں اپنا علاج کرایا۔ جب کچھ ٹھیک ہوا تو اٹک کی راہ سے غزنی چلا گیا۔ ہندوؤں نے بھٹنڈہ کا قلعہ دوبارہ مسلمانوں سے چھین لیا۔

محمد غوری کو اس شکست کا بڑا صدمہ ہوا۔ پہلے میدان جنگ میں شکست کھا کر بھاگنے والوں کو سزا دی۔ ان کے منہ پر توبرے چڑھوا دئے۔ اور اُن میں دانہ ڈلوا کر حکم دیا کہ یہ کھاؤ۔ تم انسان نہیں گدھے ہو جو میدان جنگ سے بھاگے ہو اور پھر انہیں غزنی کے بازاروں میں گھمایا گیا۔ اور کہا جو دانہ کھانے سے انکار کرے گا اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ اپنے لئے سلطان نے یہ سزا تجویز کی کہ ایک سال تک نہ نہایا دھویا نہ کپڑے تبدیل کئے۔ نہ ہی اچھا کھانا کھایا اور نہ آرام کیا۔

ایک سال تک جنگی تیاریوں میں مصروف رہا تا کہ اپنی شکست کا انتقام لے سکے۔

اگلے سال ۱۱۹۲ء میں ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر ہندوستان کا رُخ کیا۔ اُدھر سے پرتھوی راج ڈیڑھ سو راجوں مہاراجوں اور تین لاکھ فوج کے ساتھ مقابلے پر آیا۔ ترائن یا تراوڑی کے مقام پر دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں۔ محمد غوری نے تبلیغ کے طور پر راجہ کو خط لکھا کہ اسلام کے وہ جھنڈے تلے آکر آرام کی زندگی گذارے۔

راجہ پہلی فتح کے نشے میں چور تھا۔اس نے حقارت سے جواب دیا کہ ہزار جان لائے ہوتو ایک بھی سلامت نہ لے جاؤ گے۔میرے پاس اس وقت بے شمار فوج موجود ہےاور برابر چلی آ رہی ہے کہ چشم فلک نے آج تک نہ دیکھی ہوگی میرا یہ مہالشکر تمہیں پیس کرر کھ دے گا۔بھلا چاہتے ہوتو خاموشی سے چلے جاؤ۔راجپوت رہنماشان کے خلاف سمجھتے ہیں کہ بھاگے ہوؤں کا تعاقب کریں تمہارا کوئی پیچھا نہ کرے گا۔اگر مقابلہ کی ٹھانی تو پچھتاؤ گے۔ میرے ساتھ تین ہزار ہاتھی ہیں جو تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔

اس کے بعد نہایت جوش وخروش سے لڑائی شروع ہوئی۔اور آن کی آن میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔دن بھر لڑائی ہوتی رہی شام کو محمد غوری نے مخالفین پر یہ ظاہر کیا کہ وہ میدان جنگ سے بھاگ نکلنا چاہتا ہے۔اس پر راجپوتوں نے اس کی فوج کا تعاقب شروع کیا۔عین اس وقت محمد غوری نے اپنے بارہ ہزار تیراندازوں کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔راجپوتوں کی فوج تیروں کے بے پناہ بوچھاڑ کی تاب نہ لاسکی اور بہت جلد منتشر ہوگئی۔گو بندرا ئے حاکم دہلی مارا گیا۔اکثر راجے مہاراجے مارے گئے۔پرتھوی راج بھاگ نکلا مگر گرفتار ہوکر دریائے سرسوتی کے کنارے قتل کیا گیا۔سورج غروب ہونے سے پہلے میدان محمد غوری کے ہاتھ رہا۔راجپوت بھاگے۔افغانوں نے ان کا تعاقب کر کے ہزاروں کو مارا۔

دارالحکومت دہلی پہنچ کر محمد غوری نے پرتھوی راج چوہان کے بیٹے کو بلا کر تسلی دی اور کہا کہ تمہارا باپ لڑائی میں مارا گیا جس کا ہمیں افسوس ہے۔مگر جنگوں میں ایسا ہوا ہی کرتا ہے۔اجمیر کی حکومت تمہارا حق ہے ہم اُسے تمہیں بخشتے ہیں۔بشرطیکہ تم سلطنت اسلام کے مطیع اور خیر خواہ رہو۔اگر یہی اقرار تمہارا باپ کرتا تو لڑائی میں نہ مارا جاتا۔ پرتھوی راج کے لڑکے نے اطاعت کا اقرار کیا۔اور محمد غوری اسے اجمیر کی حکومت سونپ کر واپس غزنی چلا گیا۔ جاتے ہوئے سارے پنجاب کا حاکم اپنے غلام قطب الدین ایبک کو بنا کر چلا گیا۔

قنوج کا راجہ جے چندراٹھور جو راجہ پرتھوی راج کا خالہ زاد بھائی تھا اس سے سخت دشمنی رکھتا تھا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ سوئمبر میں مدعو نہ کئے جانے پر پرتھوی راج جے چند کی لڑکی سنجوگتا کو بھگا کر لایا تھا۔اور اس سے شادی کر لی تھی ۔سنجوگتا کے لڑکے ہی کو محمد غوری نے اجمیر کی حکومت سونپ دی تھی۔اب جے چند نے اپنے نواسے سے باپ یعنی زبردستی کے داماد کا انتقام لینا چاہا۔حملے کی تیاریوں کی اطلاع پا کر پرتھوی راج کے لڑکے نے فوراً شہاب الدین

غوری کو مدد کے لئے خط لکھا۔ جس پر محمد غوری فوج لے کر ۱۱۹۴ء میں پھر ہندوستان آیا۔ یوپی کے شہر اٹاوہ کے قریب چاندواڑہ کے مقام پر راجپوتوں نے محمد غوری کا مقابلہ کیا۔ چوہان راجپوت الگ کھڑے تماشہ دیکھتے رہے ۔ جے چند لڑائی میں مارا گیا۔ جس کے باعث قنوج اور بنارس کا علاقہ بھی مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ محمد غوری نے عالم اور نائب قطب الدین ایبک یمرٹھ کول اور دہلی پر قبضہ کرلیا۔

۱۱۹۵ء میں محمد غوری نے پھر ہندوستان آ کر گوالیار کا محاصر کیا۔ مگر دوران محاصرہ ہی سلطان کو اشد ضرورت کے تحت غزنی جانا پڑا۔ ۱۲۰۲ء میں محمد غوری کا بڑا بھائی سلطان غیاث الدین فوت ہو گیا۔ اور محمد غوری کے لئے جو اس وقت تک صرف غزنی کا حاکم تھا اپنی جانشینی اور سلطنت کی وصیت کر گیا۔ چنانچہ محمد غوری کل ممالک محروسہ کا بادشاہ بنا اور تاج شاہی زیب سر کیا۔ ہندوستان میں اس کا نائب قطب الدین ایبک بدستور اس کا نہایت مطیع و فرمانبردار رہا۔ وہ ہندوستانی مقبوضات کے انتظام اور سلطنت کو وسعت دینے میں مشغول ہوا۔

اس کے نائب اختیار الدین محمد بختیار خلجی نے ۱۱۹۷ء میں صرف دو سو جان نثاروں کی مدد سے بہار فتح کیا۔ اور ۱۲۰۲ء کے قریب بنگال پر بھی حملہ کر دیا۔ وہ صرف اٹھارہ سوار لے کر گھوڑوں کے سوداگروں کے بھیس میں ندیا (درالخلافہ بنگال) پہنچا۔ اور رات شاہی پہرہ داروں کو قتل کر کے محل میں داخل ہو گیا۔ راجہ لکشمن سین ایک کھڑکی کی راہ سے نکل کر بھاگ گیا۔ اتنے میں مسلمانوں کی باقی فوج بھی بنگال پہنچ گئی۔ اور بغیر خون کا قطرہ بہائے سارے ملک پر قابض ہو گئی۔ اس کے بعد محمد بختیار لکھنو پہنچ کر بنگال کا پہلا حاکم بنا۔

محمد غوری کے ایک اور والعزم جرنیل ناصر الدین قباچہ نے سندھ کو فتح کیا۔ قطب الدین ایبک نے اجمیر کی بغاوت کو فرو کیا۔ اور ۱۱۹۷ء میں گجرات کے راجہ بھیم دیو کو انہلواڑہ (پٹن) کے مقام پر شکست دے کر اس ملک پر قبضہ کرلیا۔ ۱۲۰۲ء میں اس نے بندھیل کھنڈ میں چندیلہ راجپوتوں کو شکست دے کر کالنجر کالپی اور بالون کے مضبوط قلعے فتح کر لئے ۔ اس کے بعد اس نے گوالیار بیانہ اور مہوبا کو فتح کر کے اسلامی سلطنت میں شامل کیا۔

راجپوت اپنی ذلت کے داغ مٹانے کے لئے سندھ اور اراولی پربت کے گردونواح کے علاقے میں جا آباد ہوئے ۔ اور اس کا نام راجپوتانہ رکھا۔ اسی زمانے میں جے چند کے پوتے نے مارواڑ میں جودھپور کی ریاست کی بنیاد رکھی ۔ ۱۲۰۵ء میں شمالی پنجاب میں کھوکھروں نے بغاوت کر کے لاہور کو خوب لوٹا یہ قوم پشاور سے لاہور تک کے تمام

علاقے میں پھیلی ہوئی تھی۔ کھوکھروں کا زور اتنا بڑھ گیا تھا کہ لاہور کا حاکم ان کے خوف سے سالانہ محاصل غزنہ نہ بھیج سکا۔ سلطان نے مجبوراً ۱۲۰۵ء میں ہندوستان کا رُخ کیا۔ دہلی سے قطب الدین ایبک کو بلایا اور خود فوج لے کر بمشکل کھوکھروں کے فتنہ عظیم کو فرو کیا۔ اس نے کھوکھروں کو شکست دے کر بے شمار کھوکھروں کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ انہوں نے آئندہ کے لئے اطاعت کے پختہ وعدے کئے۔ سلطان نے تاوان اور مال گذاری کی رقم لے کے انہیں معاف کر دیا۔

کھوکھروں کی بغاوت فرو کرنے کے بعد سلطان شہاب الدین محمد غوری غزنی کے لئے روانہ ہوا۔ اثنائے سفر میں دریائے جہلم کے کنارے خیمہ زن ہوا رات کو چند ملحد قرمطی اس کے خیمہ میں آگھسے اور سلطان غازی کو شہید کر دیا۔ بعض نے کھوکھروں کو ان کی شہادت کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ یہ ۱۲۰۶ء کا واقعہ ہے۔

بقول "طبقات ناصری" ایک فاضل نے سلطان کی شہادت پر یہ موزوں کیا تھا۔

شہادت ملک بحر و بر معز الدین

زابتدائے جہان شہ چو او نیامد یک

سیوم زغرّہ شعبان بہ سالہ شش صد و دو

فتاد در رہ غزنین بہ منزل دھمیک

غازی شہاب الدین غوری کی مدت حکومت ۳۲ سال تھی۔ گرمائی مرکز حکومت غزنہ وخراسان اور سرمائی حکومت لاہور و ہندوستان تھے۔ اس کی مہر میں "نصر من اللہ" کندہ تھا۔ پرچم میمنہ سرخ اور میسرہ سیاہ ہوتا تھا۔

۶۰۰ھ میں شہاب الدین غوری نے خوارزم (موجودہ خیوا) پر چڑھائی کی تھی۔ گو سلطان محمد خوارزم شاہ نے لشکر غزنہ سے شکست کھائی تھی۔ مگر خوارزم فتح نہ ہو سکا تھا۔ اول تو لشکر غزنہ کے پاس سامان اور چارہ دانہ کم تھا۔ دوسرے مہم لمبی ہونے کے باعث فوج تھک چکی تھی۔

جب سلطان نے دمیک میں وفات پائی تو انہی دنوں بہاؤ الدین سام بن محمد الشمس الدین کا بامیان سے آتے ہوئے انتقال ہو گیا۔ چنانچہ اب سلاطین غور اور سلاطین بامیان عظیم و سیع غوری سلطنت کے وارث رہ گئے۔

جب سلطان شہید کی میت دمیک سے غزنہ کی طرف روانہ ہوئی تو ترک ملوک امراء نے جو سلطان غازی کے غلام

تھے۔۔سلطانی اور کثیر مال وزر کو ملوک وامرائے غور بزور چھین کر دونوں چیزیں اپنے قبضے میں کرلیں۔ کرمان یا کرم پارہ چنار پہنچے تو مویدالملک وزیر محمد عبداللہ سنجری کو چند ممتاز ترک امراء کے ساتھ میت سلطانی کے ہمراہ غزنہ بھیج دیا گیا۔تاج الدین یلدوز جو سلطان مرحوم کے غلاموں اور ترک ملوک میں سے بڑا تھا کرمان ہی میں ٹھہرا رہا۔جو اس کی جاگیر تھی میت غزنہ پہنچنے سے دوروز بعد بامیان کے سلطان علاؤالدین محمد اور جلال الدین علی جو سلطان بہاؤالدین سام کے فرزند تھے۔امرائے غور مثلاً سپہ سالار سلیمان شیش، سپہ سالار خروش اور بعض دوسرے ممتاز اصحاب غزنہ کی استدعا پر بامیان سے آگئے۔اور غزنہ میں داخل ہوئے۔سلطان بہاؤالدین سام کے چھوٹے بیٹے علاؤالدین محمد کو تخت پر بٹھایا گیا۔ترکوں اور غوریوں میں جتنے امراء حاضر تھے ان سب نے علاؤالدین کی بیعت کرلی۔

غزنہ میں مال وزر اور نفیس مفاء واشیاء کی فراوانی کا یہ عالم تھا کہ گنج قارون بھی اس کے مقابلے میں بالکل کم حیثیت نظر آتا تھا۔یہ خزانہ دونوں بھائیوں یعنی علاؤالدین محمد والی غزنہ اور جلال الدین علی والی بامیان میں برابر برابر تقسیم ہوگیا۔معتبر ین آدمیوں کی روایت ہے کہ بڑے بھائی سلطان جلال الدین بامیانی کے حصے میں جو کچھ آیا وہ خالص سونے، جواہرات مع اشیاء اور سونے چاندی کے ظروف کی شکل میں تھا۔اور مقدار میں اتنا تھا کہ اسے اڑھائی سو اونٹوں پر لاد کر بامیان لے گئے۔

کچھ عرصے بعد مویدالملک وزیر خزانہ کے ترک امراء نے تاج الدین یلدوز کی خدمت کرمان خطوط بھیج کر غزنہ پہنچنے کی استدعا کی۔چنانچہ تاج الدین یلدوز کرمان سے چل کر نواح شہر غزنی پہنچا سلطان علاؤالدین نے جنگ کی تیاری کی اور شہر سے باہر نکلا۔جلال الدین شہر سے نکل کر بامیان چلا گیا۔علاؤالدین نے تاج الدین سے جنگ کے لئے صف آرائی کی دونوں طرف سے ترک امراء اکٹھے ہوگئے اس لئے علاؤالدین محمد نے شکست کھائی۔وہ اور تمام شنسبانی سردار جو اس کے حامی تھے۔گرفتار ہوگئے۔ملک تاج الدین یلدوز نے غزنہ آکر تمام شنسبانی سرداروں کو بامیان چلے جانے کی اجازت دی۔

دوسری طرف سے جلال الدین علی غور و بامیان کے لشکروں کے علاوہ بلخ و بدخشان کے لشکروں کے ساتھ آیا اور علاؤالدین کو دوبارہ تخت غزنہ پر بٹھا کر بامیان لوٹ گیا۔ملک تاج الدین یلدوز دوبارہ کرمان سے غزنہ

لشکر لے کر آیا۔علاؤالدین نے غزنہ سے غور کے ملوک و امراء کو یلدوز کے مقابلے کے لئے مقرر کر دیا۔ یلدوز نے ایتکین تا تاری کو حکم دے دیا کہ آگے بڑھ کران سے جنگ کرے۔ایتکین رباط سنغران میں پہنچا تو دیکھا کہ علاؤالدین کا پورا لشکر مست و بے خبر پڑا ہوا ہے۔ایتکین نے حملہ کر کے غور کے بڑے بڑے امراء اور ملوک وہیں مارے۔یلدوز وہاں سے غزنہ پہنچا تو سلطان علاؤالدین قلعہ میں محصور ہو گیا۔چار مہینے تک محاصرہ جاری رہا۔ اتنے میں جلال الدین بامیان سے علاؤالدین کی امداد اور ترک امراء کی سرکوبی کے لئے آ گیا۔جب وہ نزدیک پہنچا تو ترک امراء اس سے جنگ وقتال کے لئے باہر نکلے جلال الدین نے شکست کھائی اور گرفتار ہو گیا۔اسے قلعہ غزنہ کے پاس لے آئے اور قلعہ فتح ہو گیا۔گرفتاری کے کچھ عرصے بعد تاج الدین یلدوز نے دونوں بھائیوں سے عہد لیا اور انہیں بامیان بھیج دیا۔جلال الدین شیر دل پرہیز گار اور منتظم بادشاہ تھا۔جبکہ علاؤالدین کو اس کی روش سے اتفاق نہ تھا۔چنانچہ وہ بامیان سے نکل کر سلطان محمد خوارزم شاہ کے دربار میں بغرض طلب امداد پہنچ گیا ۔لیکن اس کی امید بر نہ آئی جب سلطان خوارزم شاہ نے بامیان پر قبضہ کر لیا علاؤالدین نے وفات پائی۔

سلطان شہاب الدین غوری شہید کے نرینہ اولاد نہ تھی۔صرف ایک بیٹی تھی۔سلطان کو ترک غلام خریدنے سے بے حد رغبت تھی۔اپنے ایک مقرب کے سوال کے جواب میں کہ ضروری تھا کہ آپ فرزند ہوتے جن میں سے ہر ایک ایک دنیا میں سے ایک ایک کا وارث ہوتا۔سلطان نے کہا دوسرے بادشاہوں کے ایک یا دو بیٹے ہوں گے۔ میرے کئی ہزار بیٹے ہیں۔یعنی میرے ترک غلام جن کے لئے میری مملکت میراث ہوگی۔وہ میرے بعد اپنے اپنے ملکوں میں میرے نام کا خطبہ پڑھوائیں گے۔

تاج الدین یلدوز نیک عتقاد حلیم اور کریم تھا۔بقول طبقات ناصری سلطان غازی معز الدین نے اسے کمسنی ہی میں خرید کر خدمت ذمے لگائی تھی۔پھر اس کا رتبہ بلند ہو گیا۔اور دوسرے غلاموں پر اسے سردار مقرر کر دیا گیا۔ سلطان نے کرمان اور سنقران کے علاقے جاگیر میں اُسے دئے ہر سال جب سلطان ہندوستان کا سفر کرتا تو کرمان میں ٹھہرتا۔

یلدوز تمام امراء اور ملوک کی دعوت کرتا۔ایک ہزار کلاہ اور قبا خلعت میں دیتا سلطان غازی کے حکم کے مطابق یلدوز کی ایک بیٹی قطب الدین ایبک اور دوسرے ناصر الدین قباچہ سے بیاہی گئی تھی۔جب سلطان شہاب الدین

غوری آخری سال کرمان گیا۔ یلدوز نے ایک ہزار کلاہیں اوقبائیں حسب معمول پیش کیں سلطان نے ایک کلاہ اوقبا خود چن لی۔ لباس خاص سے یلدوز کو مشرف کیا۔ نیز اسے سیاہ نشان عطا کیا۔ ارادہ تھا کہ غزونہ میں ولی عہد ہو۔ جب سلطان غازی نے شہادت پائی تو ترک امراء و ملوک کا خیال نیز میلان یہ تھا کہ سلطان غیاث الدین محمود سام علاقہ گرمسیر سے غزنہ آکر چچا کے تخت پر بیٹھے۔ اس مضمون کے فیروزکوہ بھیجے گئے اور سلطان بامیان کی زیادتی کی شکایت کی گئی۔ مگر غیاث الدین محمود نے لکھ بھیجا کہ میرے لئے باپ کا تخت فیروزکوہ اور مملک غور کافی ہے مملکت غزنہ میں نے تمہیں بخش دی۔

چنانچہ سلطان محمود نے تاج الدین یلدوز کو خلعت اور خط آزادی بھیج دیا۔ اور تخت غزنہ اس کے حوالے کر دیا۔ کچھ مدت کے بعد یلدوز کی سلطان قطب الدین سے حدود پنجاب اور سندھ میں جنگ ہوئی۔ اور اس نے شکست کھائی اور ایبک غزنہ پہنچ گیا۔ چالیس روز عیش و عشرت کے بعد سنگ سوراخ کے راستے ہندوستان لوٹ گیا۔ اور تاج الدین یلدوز جو کرمان سے غزنہ پہنچ کر اس پر قابض ہو گیا۔ اس نے چند مرتبہ غور و بجستان کی طرف لشکر بھیجے اور اپنی طرف سے عامل مقرر کئے۔

جب تاج الدین یلدوز ہندوستان کی مہم پر گیا تو غزنہ کے ترک امراء ملوک نے باہم اتفاق کر کے۔۔۔۔ خواجہ عبدالعزیز سنجری وزیر اور ملک نصیر الدین امیر شکار کو شہید کر ڈالا۔ چالیس روز بعد سلطان محمد خوارزم شاہ طخارستان سے لشکر لے کر غزنہ پہنچ گیا۔ یلدوز سنگ سوراخ کے راستے بداؤں کی جانب روانہ ہوا۔ شکست کھائی لاہور آیا۔ سلطان شمس الدین التمش سے میدان ترائن میں جنگ ہوئی۔ یلدوز اسیر ہوا اور اسے بداؤں بھیج دیا گیا۔ اور وہاں شہادت پائی۔

غوریوں کے بعد

شہاب الدین غوری کی شہادت کے بعد افغانستان کے مختلف علاقوں غور و غزنی، بامیان، ہرات وغیرہ میں طوائف الملوکی کا دور دورہ ہو گیا۔ ہندی مقبوضات پر خاندان غلامان قابض ہو گیا۔ پندرہ بیس برس نہیں گذرتے تھے کہ شمال کی طرف سے تاتاری طوفان بلا کا ظہور ہوا۔ چنگیزیوں نے عالم اسلام کو تہ و بالا کر دیا۔ علاؤالدین خوارزم شاہ کی نادانی اور کم فہمی کا نتیجہ تمام مسلمانوں اور بلاد اسلام کو تباہی کی صورت میں بھگتنا پڑا۔

خوارزم کے اس حریص اور طامع بادشاہ نے چار سو تاتاری سوداگروں کو جو بیش قیمت سامان تجارت کے ساتھ اس کے مشرقی شہر اترار میں اُترے ہوئے تھے نہ صرف سوائے ایک مفرور کے باقی سب کو قتل کرادیا بلکہ ان کا بیش قیمت سامان تجارت بھی خوارزم شاہ علاؤالدین محمد کے گھر میں پہنچ گیا۔ یہ قتل گورنر اترار قدر خان کے ہاتھوں ہوا تھا۔ بادشاہ نے منظوری دی تھی۔ اس پر منگولیا کی نئی وسیع اور پھیلتی ہوئی سلطنت کا حاکم اعلیٰ یا قاآن یعنی خان اعظم تموجین کو جو بعد میں چنگیز قاآن یا چنگیز خان کے نام سے دنیا میں مشہور ہوا۔ بے حد غصہ آیا اور وہ لاکھوں سپاہی اور گھوڑے گھوڑیاں لے کر بلاد اسلامی پر چڑھ دوڑا علاؤالدین محمد خوارزم نے ۶۱۶ھ ۱۲۲۰ء میں تاتایوں کے ہاتھوں شکست کھا کر جزیرہ خضر میں پناہ لی اور وہیں مرگیا۔ اس کے عمل بد کی سزا عشروں تک مسلمانوں کو اُٹھانی پڑی۔ لاکھوں مسلمان شہید کردیئے گئے۔ شہر کے شہر کھنڈرات میں تبدیل ہوگئے۔ علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کے بحیرہ قزوین (موجودہ کیسپان) کے ایک جزیرے میں مرنے پر اس کا بہادر بیٹا جلال الدین منکبرنی اس کا جانشین بنا۔ اس نے تاتاریوں کو کئی شکستیں دیں مگر تاتاریوں کے سیلاب بلا نے اسے افغانستان آنے پر مجبور کیا۔ جب وہ قندہار، غزنی اور کابل کے معرکوں میں مصروف تھا تو اس کی دعوت جہاد سے متاثر ہونے والے مجاہدین افغانستان کے مختلف حصوں میں تاتاریوں سے نبرد آزما تھے۔

"طبقات ناصری" ترجمہ مولانا غلام رسول مہر طبع مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۷۵ء کی دوسری جلد تاتاریوں کے حالات کے لئے وقف ہے۔ اسی ماخذ سے مولانا محمد اسماعیل ریحان نے ہفت روزہ "ضرب مومن" کراچی میں اپنے طویل ترین سلسلہ مضامین "افغانستان عہد بہ عہد" میں تاتاریوں کی افغانستان میں خونخواریوں اور تباہ کاریوں کا جائزہ لیا ہے۔

وہ رقمطراز ہیں:

"چنگیز خان کا سب سے چھوٹا بیٹا تولے خان یا تولائی خان ایک زبردست لشکر لئے ہرات پہنچا۔ ہرات کے حاکم شمس الدین محمد نے شہر کے دفاع کے بھرپور انتظامات کرلئے تھے۔ تولائی خان نے شمس الدین کو کہلا بھیجا کہ اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو مزاحمت ترک کرکے شہر کے دروازے کھول دو"۔

مگر اس نے جواب دیا۔ خدا اس دن کو غارت کرے جب میں ان چنگیزیوں کی اطاعت کا طوق اپنے گلے میں

ڈالوں۔ تولائی نے پوری قوت سے شہر پر حملہ کیا۔ شمس الدین نے بڑی پامردی سے سات دن تک مقابلہ کیا۔ کئی بڑے بڑے تاتاری سردار مارے گئے۔ آٹھویں روز جب شمس الدین کھلے میدان میں اپنی فوج لڑا رہا تھا فضا سے ایک تیر دشمن کی طرف سے آیا اور اس کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ جس سے اس کی شہادت واقع ہو گئی۔ اب اہل شہر اور سپاہی تو جنگ جاری رکھنے پر مصر تھے اس لئے کہ تاتاری لشکر مسلسل نقصان اُٹھانے کے باعث کمزور ہو گیا تھا۔ جبکہ امراء مصالحت پر آمادہ تھے۔

نویں دن ہرات کے فصیلوں پر خاموشی دیکھ کر تولے خان اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا فصیل کے سامنے خندق کے کنارے آ کر رُکا۔ اس نے چلا کر کہا "ہرات کے لوگو! کان کھول کر سنو میں تولے خان ہوں چنگیز خان کا بیٹا۔ اگر تمہیں اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جانیں عزیز ہیں تو ہتھیار ڈال دو۔ اور سالانہ خراج کا نصف پیشگی میرے حوالے کر دو۔ میں تمہاری جان بخشی کا وعدہ کرتا ہوں۔ اس پر امراء نے شہر کے دورازے کھول دئے۔

جب تاتاری لشکر شہر میں داخل ہوا تو تولے خان نے ان تمام لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ جو کسی بھی طور پر مزاحمت میں شریک رہے تھے۔ یا سلطان جلال الدین کے حامی تھے۔ یوں دس بارہ ہزار آدمی شہید کئے گئے۔ ان شہداء میں عظیم محدث امام عبدالعزیز ابوالروح ہروی البزاز رحمۃ اللہ بھی تھے۔ جو صرف سات واسطوں سے حضور سید المرسلین ﷺ سے حدیث نقل کیا کرتے تھے۔

سقوط ہرات کا یہ سانحہ ربیع الاول ۶۱۸ھ کو پیش آیا۔

ہرات کے نامور عالم دین قاضی وحید الدین ایک دن فصیل سے دشمن پر تیر برسا رہے تھے کہ اچانک پاؤں پھسلنے سے فصیل سے گر کر گہری خندق میں آ رہے۔ سب انہیں مردہ سمجھے۔ مگر وہ کچھ دیر بعد بھلے چنگے نکل آئے۔

تولے خان: منظر دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ اور قاضی صاحب کو چنگیز کے پاس بھیج دیا۔ چنگیز نے تاریخی کہانیاں سننے کے لئے قاضی صاحب کو ملازم رکھ لیا۔ ایک دن چنگیز نے قاضی صاحب کی تاریخ دانی سے متاثر ہوتے ہوئے سوال کیا کہ۔ کیا خیال ہے کہ اس قتل عام کے باعث دنیا میں میرا نام عجیب وغریب طور پر مشہور رہے گا۔ قاضی صاحب نے سچ کہتے ہوئے کہا "انسان کا نام انسانوں کے درمیان باقی رہتا ہے۔ جب آپ انسانوں کو اس طرح قتل کرتے چلے جائیں گے تو آپ کا نام لینے والا کون باقی رہے گا۔ اس پر چنگیز خان نے اپنے ہاتھ میں

پکڑے تیر اور کمان کو زمین پر پھینک مارا اور کہا "میں تجھے عقلمند خیال کرتا تھا مگر تو بڑا بے وقوف نکلا۔ چنگیز خان کے مجلس برخاست کرنے پر قاضی صاحب نے موقع پایا اور وہاں سے فرار ہو گئے۔

چنگیز بلخ اور فاریاب کو فتح کرنے کے بعد ایک لشکر طالقان کی طرف روانہ کر چکا تھا۔ طالقان کا قلعہ نصرت کوہ اپنی وسعت بلندی اور مضبوطی میں بے مثال تھا۔ یہاں کے مجاہدین نے کئی ماہ کے لئے اسلحہ اور خوراک ذخائر جمع کئے تھے۔ ایک مدت گزرنے کے باوجود تاتاری قلعہ فتح نہ کر سکے۔ مجاہدین قلعہ رات کو خفیہ راستوں سے نکل کر تاتاریوں پر شب خون مارتے۔ جانی نقصان پہنچانے کے علاوہ دشمن کے مویشی اور اناج کے ذخائر بھی لوٹ لیتے۔

بلخ سے فارغ ہو کر چنگیز خود طالقان پہنچا۔ سات ماہ گزرنے کے باوجود مجاہدین طالقان کے حوصلے بلند رہے۔ آخر چنگیز نے قلعہ کی دیوار پھلانگنے کے لئے آس پاس کے جنگلوں سے لکڑی کاٹ کاٹ کر اور اپنی فوج سے ان پر قلعہ کے بالمقابل مٹی ڈالنے کا حکم دیا۔ آخر وہ مصنوعی ٹیلہ قلعہ کی دیوار کی بلندی کو چھونے لگا۔ اب اہل شہر کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ لہٰذا یکدم فصیل کے دروازے کھول کر وہ نکل پڑے پیادہ تو لڑتے بھڑتے شہید ہو گئے۔ جبکہ اکثر گھوڑ سوار مار دھاڑ کرتے ہوئے پہاڑوں کی بھول بھلیوں کے باعث بچ نکلے۔

اس کے بعد چنگیزی لشکر قلعہ گرزیوان پہنچا۔ جو شمالی افغانستان سے بامیان جانے والی شاہراہ پر واقع تھا۔ یہاں کے لوگ بلخ، جوزجان، فاریاب اور طالقان کے مرد و زن کی شہادت کی خبریں سن کر بھی نہ گھبرائے۔ اور قلعہ بند ہو گئے۔ چنگیز کا خیال تھا کہ ایک دو دن میں قلعہ فتح ہو جائے گا۔ مگر مجاہدین نے اس کا خیال غلط ثابت کر دیا۔ مسلسل ایک ماہ تک مجاہدین ایک ایک کر کے لڑے اور شہید ہوتے گئے۔ جب آخری محافظ بھی شہید ہو گیا تو چنگیز اپنی فوج کے ساتھ قلعہ میں داخل ہوا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ قلعے میں کوئی انسان زندہ نہیں بچا تھا۔ جسے وہ قیدی بنا سکتا۔ چنانچہ وہ قلعہ اور فصیل کو پیوند زمین کرنے کے بعد وسطی افغانستان کی طرف بڑھ گیا۔

جب تاتاری ہرات سے بیس فرسخ یعنی ساٹھ میل دور قلعہ کالیون پہنچے تو اہل قلعہ مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ قلعہ سے باہر آ کر مقابلہ کیا اور بہت سے کافروں کو واصل جہنم کیا۔ قلعہ بند جنگ کے ساتھ ساتھ وہ کافروں پر شب خون بھی مارتے رہے۔ تاتاری اہل قلعہ کی شجاعت دیکھ کر اتنے گھبرا گئے کہ تاتاریوں کو نیند نہیں آتی تھی۔ آخر انہوں نے

اپنے کیمپ کے چاروں طرف ایک دیوار تعمیر کرائی جس میں دو دروازے رکھے۔اوران پر پہرہ داروں کا دستہ مقرار کیا۔تا کہ اہل قلعہ کو شب خون سے نجات ملے۔

دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں بدلتے گئے مگر قلعہ کی فتح کے آثار دکھائی نہ دئے۔ایک سال کے بعد قلعے کے بیشتر محافظ بیمار اور زخمی ہو کر دم توڑ گئے تھے۔سولہ ماہ بعد جب محافظ صرف پچاس آدمی رہ گئے تھے۔تا تاریوں نے دیواریں پھلانگیں اور قلعے میں گھس گئے۔قلعے والوں نے سونے،چاندی جواہرات،ملبوسات اور اناج کے ذخیروں کو کنوؤں میں ڈال کران کو پُر کر دیا تھا۔اوراب شہادت کے لئے تیار تھے۔چنانچہ مردانہ وارلڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

پھر چنگیزی اشیار اور فیوار کے قلعوں کی طرف بڑھے قلعہ اشیار امیر محمد مرغزی کے پاس تھا۔جس نے طالقان اور بامیان کے راستے میں تا تاری لشکر پر چھاپہ مار حملے کر کے اس کو بے اندازہ جانی و مالی نقصان پہنچایا تھا۔چنگیز خان نے ایک بڑی فوج جس میں دس ہزار منجنیقیں بھی شامل تھیں اس قلعے کی تسخیر کے لئے روانہ کر دی قلعے کے محافظین نے پندرہ ماہ تک مردانہ وار مقابلہ کیا۔اس دوران اکثر محصورین قحط کے ہاتھوں ایک ایک کر کے جان بحق ہو گئے۔آخر میں صرف امیر محمد مرغزی اوراس کے تیس ساتھی باقی رہ گئے۔جب دشمن قلعہ میں داخل ہوا تو تلواریں سونت کران سے بھڑ گئے۔اور شہادت کی سعادت سرفراز ہوئے۔

قلعہ فیوار کے مجاہدین نے دو ماہ تک مقابلہ کیا اور خوراک کی کمی کے باوجود آخر وقت تک لڑتے رہے۔اورایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔اس دوران جبکہ افغانستان کے مختلف گوشوں میں مجاہدین چھوٹے چھوٹے گروہ چنگیزی افواج کو چھٹی دودھ یاد دلا رہے تھے۔اور چاریکار میں سلطان جلال الدین منکبرنی تا تاریوں کے ٹڈی دل کو تیسری عبرتناک شکست دے چکے تھے۔ایک عجیب سانحہ رونما ہوا جسکا ذمہ دار اسلامی لشکر کا ایک سردار سیف الدین اغراق تھا۔جو نواح پشاور سے تعلق رکھتا تھا۔تا تاری یلغار کو روکنے کے لئے سیف الدین پشاور سے چالیس ہزار جنگجو لے کر غزنی چلا آیا۔اور سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے ساتھ شامل جہاد ہو گیا۔غزنی کے معرکے میں اس نے خوب داد شجاعت دی۔

چاریکار کی فتح میں بھی اس کا نمایاں حصہ تھا۔

اس فتح کے بعد ابھی مال غنیمت تقسیم نہیں ہوا تھا۔ کہ سیف الدین اغراق غنیمت میں حاصل کردہ ایک گھوڑے پر اپنا حق جتانے لگا۔ اس پر لشکر کے ایک اور سردار ابن الملک کے اُسے روکنے پر دونوں میں تلخ کلامی ہوئی۔ سیف الدین کو گھوڑا نہ ملا تو وہ رات کی تاریکی میں اپنی چالیس ہزار فوج لے کر پشاور کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس کے ساتھی دوسرے افغان سردار جیسے نوح جہانداد اور اعظم ملک خلجی بھی سلطان جلال الدین کا ساتھ چھوڑ گئے۔

اب سلطان کے پاس بہت تھوڑی فوج رہ گئی تھی۔ اس لئے وہ مسلسل بڑھتی آئی ہوئی افواج بلا کے سیلاب کے سامنے حکمت عملی کے تحت پسپا ہوکر افغانستان کی آخری سرحد دریائے سندھ کے ساحل نیلاب تک آگیا۔ یہاں ایک ہولناک جنگ میں چنگیز خان نے سلطان جلال الدین کو شکست دی اور وہ بمعہ اپنے گھوڑے کے دریائے سندھ میں کود گیا اور دوسرے کنارے تک صحیح سلامت پہنچ گیا۔ اس پر چنگیز خان نے اُنگلی دانتوں میں دباتے ہوئے اپنے بیٹوں سے کہا کاش یہ میرا بیٹا ہوتا۔

سلطان جلال الدین منکبرنی اپنی بقیہ زندگی میں چنگیز اور اس کے جانشینوں کے خلاف لڑتا رہا۔ حتیٰ کہ ۶۲۸ھ میں روپوش یا شہید ہوگیا۔

جب سیف الدین اغراق اور نوح جہانداد سلطان جلال الدین کے کیمپ سے نکلے تو پہلے ننگر ہار گئے۔ پھر چنگیز کی پیشقدمی کا سُن کر پشاور چلے گئے۔ ان کے دل میں مال و دولت کی ہوس بھری ہوئی تھی۔ لہٰذا ایک دوسرے سے الجھ پڑے ملک اعظم خلجی نے دونوں میں صلح کرانی چاہی۔ مگر سیف الدین نوح جہانداد کا نام سُن کر آپے سے باہر ہوگیا اور دوڑ کر اس کے خیمے پہنچا اس پر تلوار کا وار کیا۔ جو خوش قسمتی سے بچ گیا۔ اس پر نوح کے قبیلے والوں نے دوڑ کر سیف الدین اغراق کے ٹکڑے ٹکڑے کردئے۔ اغراق کے قبیلے والوں نے ملک اعظم پر قتل کا شک کیا۔ جو اغراق کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ لہٰذا انہوں نے اعظم کو قتل کرڈالا یہ سُن کر اعظم کے قبیلے خلجیوں نے اغراق کے قبیلے پر حملہ کردیا جو اپنے سردار کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے نوح جہانداد کے قبیلے سے لڑ رہا تھا۔ یوں تینوں غداروں کے قبیلے آپس میں لڑے جو ان میں سے زندہ بچے وہ پشاور پر چنگیز خان کے حملے میں تاتاریوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

فیروزکوہ بادشاہان غور کا مرکز حکومت تھا۔ اقلان چرلی تاتاری لشکر کے ساتھ ۶۱۷ھ میں وہاں پہنچا۔ جس سے کچھ

دن اوپر تک سخت جنگ جاری رہی۔ اور تامرد الوٹ گیا۔ فیروز کوہ کے شہریوں نے ملک مبارز الدین سبزواری کی سرکردگی میں تاتاریوں کا مقابلہ کیا۔ آخر مبارز الدین مجبور ہو کر بالائی قلعے میں چلا گیا۔ یہ قلعہ شہر کے شمال و مشرقی حصے میں ایک بلند ٹیلے پر واقع تھا۔ ملک مبارز الدین نے پہلے ہی اس پہاڑ پر ایک فصیل کھینچ لی تھی۔ اور ایسا راستہ بنایا تھا کہ لدے ہوئے اونٹ قلعے کے اندر پہنچتے تھے اور ایک ہزار آدمی وہاں رہ سکتے تھے۔

اہل فیروز کوہ اور مبارز الدین میں مخالفت کے بعد اول الذکر نے ملک قطب الدین حسن کو خط لکھا جو لشکر غور کے ساتھ فیروز کوہ پہنچا۔ اور اپنے چچیرے بھائی عماد الدین زنگی کو فیروز کوہ میں مقرر کر دیا۔ جب کفار کا لشکر غزنہ سے او کتائی کے ساتھ غور کی طرف آیا تو ایک فوج اچانک فیروز کوہ پہنچ گئی۔ ملک عماد الدین زنگی کو ۶۱۹ھ میں شہید کیا گیا۔ اور شہر فیروز کوہ کے باشندے بھی موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ مبارز الدین قلعے سے نکل کر ہرات چلا گیا۔ اور وہاں شہادت پائی۔ شہر فیروز کوہ کو برباد کر دیا گیا۔

ملک مبارز الدین حبشی نیزہ ور سلطان محمد خوارزم شاہ کی طرف سے قلعہ تولک کا رئیس تھا۔ یہ قلعہ غور و خراسان کے قلعوں میں مضبوط تھا۔

اول ۶۱۷ھ میں تاتاری سوار چند مرتبہ قلعے کے پاس پہنچے اور آس پاس چھاپے مارے ۶۱۸ھ میں چنگیز کا داماد فیقو نوئین چالیس ہزار سواروں کے ساتھ تولک پہنچ گیا۔ حبشی نیزہ ور نے خراج دینا منظور کیا اور قلعے سے اتر کے فیقو کو سلام کیا اور قلعے میں واپس چلا گیا۔ اس نے تولک کے باشندوں سے خرج کے رقم کی اصولی میں سختی کی۔ اہل تولک نے حبشی کی سختی کے خلاف بغاوت کی اور اسے گرفتار کر کے ملک قطب الدین کے حوالے کر دیا۔ کچھ عرصہ وہ قید رہا پھر قلعہ فیوار جانے کی اجازت ملی۔ جہاں کے والی ملک اصیل الدین نیشاپوری نے حبشی کو شہید کر ڈالا۔

جب قلعہ کالیون کافر تاتاریوں کے قبضے میں آ گیا تو جو لوگ قلعہ تولک کے محافظ تھے۔ وہ خواجہ جمال الدین کے قرابت دار تھے۔ ان پندرہ خاندانوں کے اکابر نے جو آپس میں رشتہ دار تھے خواجہ جمال الدین کو شہید کر دیا۔ شاید وہ جہاد کے لئے تیار نہ تھا۔ اور چار سال تک کافروں سے جہاد کرتے رہے ہیں۔ اس مدت میں مصنف ''طبقات ناصری'' منہاج سراج بھی جہاد میں اہل تولک کے ساتھ شریک رہا بعد میں تاتاریوں کے ہاتھ سے سلامت بچ گیا۔

جب اہل تو لک نے ملک قطب الدین سے بغاوت کی تو وہ ہندوستان چلا گیا ۶۲۰ھ میں قلعہ تو لک سلامت تھا۔ مصنف طبقات کو دو مرتبہ بسلسلہ سفارت قہستان کا سفر پیش آیا۔ایک مرتبہ ۶۲۱ھ میں دوسری مرتبہ ۶۲۲ھ میں۔ پھر مصنف ہندوستان آ گیا۔تاج الدین نیالتگین والئی سیستان تو لک گیا۔اہل قلعہ نے اس کی بڑی خدمت کی۔ وہ ان سب کو سیستان لے گیا۔اور سیستان کے واقعے میں سب شہادت پا گئے۔تو لک کا امیر مبازرالوین الدین محمد بن مبارک کیوک خان تاتاری کے پاس چلا گیا۔اور طبقات کی تصنیف کے وقت تک قلعہ تو لک محمد بن مبارک کے فرزندوں کے پاس تھا۔

اس کی بنیاد سلطان بہاؤالدین محمد سام بن حسین نے رکھی تھی۔ جو سلطان غیاث الدین شہاب الدین غوری کا باپ تھا۔ سلطان محمد خوارزم شاہ نے بلخ مازندان جاتے ہوئے ملک قطب الدین کو قلعے میں ضروری تعمیرات کا حکم دیا تھا۔ مگر ایک حوض کی تعمیر بالائی حصے میں ہوئی تھی کہ دو مہینے کے اندر اندر تاتاری لشکر وہاں پہنچ گیا۔حوض میں اہل قلعہ کے لئے چالیس روز کا پانی جمع کر لیا گیا تھا۔تاتاریوں نے چھاپے مار کر اہل غور کے سب مویشی چھین لئے۔ملک قطب الدین لشکر لے کر قلعے میں جا بیٹھا۔منکوتہ نوئین قراچہ نوئین اور دالبر نوئین بڑے تاتاری سردار بھاری لشکر کے ساتھ قلعے کے نیچے پہنچ گئے۔جب انہیں معلوم ہوا کہ قلعے میں پانی کم ہے تو انہوں نے قلعے کے سامنے لشکر گاہ قائم کر لی۔اور جنگ شروع کر دی۔ پچاس روز تک جنگ جاری رہی۔ مسلمان بھی بڑی تعداد میں شہید ہوئے اور کافر بھی بے شمار مارے گئے۔ قلعے میں مویشی بھی بہت تھے۔جتنے مویشیوں کا گوشت خشک کیا جا سکتا تھا وہ ذبح کر لئے گیے۔باقی چوبیس ہزار چار سو پانی نہ ملنے کی باعث مر گئے۔ان سب کو قلعے کی بیرونی دیواروں سے باہر پھینک دیا گیا۔

آخر اہل قلعہ کو حکم دیا گیا۔ کہ ہر روز کے لئے دانہ پانی مقرر ہونا چاہئے۔چنانچہ نصف من دو سیر پانی اور ایک سیر غلہ فی کس مقرر ہو گیا۔ملک وضو کرتا تو پانی طشت میں جمع رکھا جاتا اور وہ اس کے گھوڑے کا کام آتا۔حوض کے نگہبانوں نے اطلاع دی کہ اب صرف ایک دن کا پانی رہ گیا ہے۔ایک شخص قلعے سے باہر نکلا اور اس نے تاتاریوں کو اس اطلاع دے دی۔

ملک قطب الدین نے یہ صورتحال دیکھی تو قلعے کے تمام مردوں کو نماز عصر کے لئے جمع کیا قرار پایا کہ صبح ہوتے

ہی تمام عورتوں اور بچوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا جائے پھر تمام لوگ ننگی تلواریں لے کے قلعے کے مختلف حصوں میں چھپ جائیں دروازے کھول دئے جائیں جب تاتاری قلعہ میں داخل ہوں تو تمام مسلمان ایک دل ہو کر ان پر جا پڑیں۔ تلواریں ماریں اور کھائیں تا کہ سب شہادت کی موت سے سرفراز ہوں اور ایک دوسرے سے رخصت ہونے کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔

یہاں تک کہ نماز مغرب تک اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کھلے بادل آگئے آدھی رات قلعہ کے اطراف اور آس پاس کے پہاڑوں پر بارش اور برفباری جاری رہی۔ چنانچہ تاتاریوں کے لشکریوں اوا ہل قلعہ نے باری تعالیٰ کے فضل ونوازش پر ہزار تعجب کا اظہار کیا۔

اہل قلعہ نے جو جانوں سے بے پرواہو چکے تھے۔ اور پچاس روز تک تشنگی کی تکلیفیں اٹھا چکے تھے اب خیموں، سائبانوں، گھروں اور باورچی خانوں کی چھتوں سے اتنی برف کھائی کہ ایک ہفتے تک آب دہان کے ساتھ دھواں ان کے حلق سے باہر آتا رہا۔

تاتاریوں نے جب اللہ تعالیٰ کا فضل دیکھا تو سمجھ گئے کہ اہل قلعہ کے لئے مزید ایک یا دو مہینے کے لئے پانی ذخیرہ مہیا ہو گیا ہے۔ اور سرما میں بہر حال برف پڑتی رہے گی۔ لہٰذا وہ محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے۔

۶۱۸ھ شروع ہوا تو پھر تاتاری خراسان، غزنہ اور سیستان غور کے پہاڑوں میں پہنچ گئے۔ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے جانے کے بعد تاتاریوں کا ایک بڑا لشکر جس میں سوار بھی تھے اور پیادہ بھی سرداروں کے ساتھ قلعہ سیفرود کے نیچے پہنچ گیا۔ اور لشکر گاہ بنا کر جنگ شروع کر دی۔ ملک قطب الدین نے فرصت سے فائدہ اُٹھا کر مزید حوض بھی بنوائے تھے۔ اور غلہ بھی جمع کیا تھا۔ انہوں نے تاتاریوں سے سخت جنگ شروع کر دی۔ اس مرتبہ دو مہینے جنگ جاری رہی اور غازی دلیر تر ثابت ہوئے۔ تاتاریوں نے مکاری اور عیاری سے کام لیا۔ اور صلح کی بات چیت شروک کر دی۔ اہل قلعہ مدت سے محاصرے کی سختیاں برداشت کرتے آئے تھے لہٰذا روپے، کپڑے اور مویشی کے لالچ میں آگئے۔ ملک قطب الدین انہیں تاتاریوں کی صلح سے بہت روکتے رہے مگر وہ نہ مانے۔ آخر صلح ہو گئی۔

قرار پایا کہ اہل قلعہ تین روز کے لئے تاتاریوں کی لشکر گاہ میں آجائیں جو کچھ ان کے پاس ہے اسے فروخت کر

کے پیسے لیں یا جو اونی کپڑے اور مویشی وہ خریدنا چاہیں خرید لیں یا جو بھی بیچنا چاہیں بیچیں تین روز کے بعد تاتاری فوج قلعے کے سامنے سے روانہ ہو جائے گی۔ دو روز تک تو خرید و فروخت جاری رہی۔ جب تیسری رات آئی تو تاتاریوں نے بہت سے مسلح آدمی چٹانوں، کپڑے کے انباروں، جانوروں کے پاؤں آس پاس کی گھاٹیوں اور ندیوں کے پاٹوں میں چھپا دیئے دن طلوع ہوا۔ اور اہل قلعہ معمول کے مطابق نیچے اتر کر تاتاریوں میں مل جل گئے۔ تو ایک دم نقارہ بجا اور نعرہ لگا مغل کافر اور مرتدین جو مسلمانوں کی ساتھ خرید و فروخت کر رہے تھے۔ انہوں نے اسی جگہ ان مسلمانوں کو پکڑا اور شہید کر دیا۔ صرف وہی بچے جنھیں بچانا اللہ تعالیٰ کو منظور تھا۔ مسلح مسلمانوں سے پہلے ان کے ہتھیار لے لئے گئے اور پھر قتل کیا گیا۔ صرف فخر الدین ازریر جس نے خنجر اپنے موزے میں چھپا رکھا تھا جب اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو تاتاری نے چھوڑ دیا۔ اس نے پاؤں پہاڑ پر رکھا اور صحیح سلامت قلعے میں پہنچ گیا۔

اس بدعہدی کے باعث دوسو اسی ممتاز اور مشہور جنگجو تاتاریوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں صف ماتم نہ بچھی ہو۔ اس کے بعد تاتاری نوئینوں نے قاصد بھیجا کہ چاہو تو اپنے آدمی فدیہ دے کر چھڑا لو۔ ملک قطب الدین نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ اس پر انہوں نے تمام مسلمان قیدیوں کو دس پندرہ کی ٹولیوں میں باندھ کر تلواروں، پتھروں اور چھریوں سے شہید کر ڈالا۔

دوسرے دن جنگ کی تیاری شروع ہو گئی۔ ملک قطب الدین نے ایک رات پیشتر یہ حکم دیا تھا کہ جو بڑے بڑے پتھر، پہاڑی پر ادھر اُدھر بکھرے پڑے ہوئے تھے وہ سب جمع کر کے اس طرح رکھ دے جائیں کہ ایک بچہ بھی انہیں دھکیلے تو لڑھکنے لگیں۔ سو سے زیادہ بڑے پتھر جو چکی اور خراس کے پاٹوں کی طرح تھے اکٹھے کروائے۔ ہر پتھر کو ایک بھاری لکڑی کے سر پر باندھ دیا گیا۔ اور رسوں کے ساتھ ان لکڑیوں کو قلعہ کے کنگروں سے وابستہ کر دیا گیا۔

قلعے میں جتنے آدمی تھی ان کے دو حصے کر لئے۔ ایک حصے سے کہاں کہ وہ قلعے کے کنگروں کے پیچھے جائیں۔ دوسرے حصے سے کہا وہ قلعے کے باہر نکل کر بیرونی دیوار کے پاس چٹانوں اور پتھروں کی اوٹ میں ہو جائیں اور جب تک قلعے کا نقارہ نہ بجے کوئی شخص کمین گاہ سے باہر نہ نکلے۔ دوسرے روز صبح کے وقت تاتاریوں نے مسلح ہو کر

قلعے کا رُخ کیا ان میں تاتاری کافر بھی تھے اور ان کے ساتھی مسلمان مرتد بھی۔ دس ہزار سے زیادہ ایسے لوگ تھے جنہوں نے بڑی بڑی ڈھالیں سنبھال رکھی تھیں۔ مسلمانوں نے انہیں آگے آنے کا موقع دیا جب مسلمانوں اور تاتاریوں کے درمیان صرف سو گز کا فاصلہ رہ گیا تو قلعے پر سے نقارہ بجا ساتھ ہی غازیوں، بہادروں، سپاہیوں اور پہرے داروں نے نعرہ لگایا پتھر لڑھکائے۔ چکی اور خراس کے برابر جو پتھر کنگروں سے باندھے گئے تھے۔ ان کے رسے کاٹ دئے گئے۔ اللہ کی مشیت دیکھیے وہ سب کے سب مارے گئے یا زخمی ہو گئے۔ قلعے کے اوپر سے نیچے تک تاتاری کافر اور مرتد وم بخود موت کی نیند سوئے پڑے تھے۔ نوئینوں اور بہادروں میں سے بھی ایک تعداد ماری گئی۔ جو باقی رہے وہ اٹھے اور قلعے کے پاس سے چلے گئے۔ یہ فتح اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوئی سال ۶۲۰ھ تھا اور جمعرات کا دن تھا۔

بروز اتوار ۱۲ ربیع الآخر ۶۲۱ھ کو تاتاریوں نے قلعہ تولک پر اچانک حملہ کر دیا۔ سخت لڑائی ہوئی۔ اس روز قلعے کے نیچے بہت سے تاتاری مارے گئے۔ اور وہ لوٹ گئے۔ جب تاتاری لشکروں سے غور و غرجستان کے پہاڑ خالی ہو گئے تھے تو ملک قطب الدین نے دوسرے غوری سرداروں کے ساتھ ہندوستان جانے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ ملک سراج الدین نے ولایت حار گرمسیر سے اور ملک سیف الدین نے بھی اس رائے سے اتفاق کر لیا۔ چنانچہ وہ اپنے متوسلین کو لے کر روانہ ہو گئے۔ قضائے آسمانی سے اس سال کافر تاتاریوں کا جو لشکر خراسان پر حملے کے لئے مقرر ہوا تھا اس کا سپہ سالار ایک بڑا تاتاری تھا جس کا نام قزل مخبق تھا۔ یہ لشکر ہرات اور اسفزار کی طرف سے قلعہ تولک پہنچا اور جو مسلمان قلعے میں ملا اسے شہید کر دیا۔ جب ان لوگوں کو ملک قطب الدین امیر غور کے دوسرے سرداروں نیز ان کے متعلقین اور لشکروں کے ہندوستان جانے کا علم ہوا تو ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ اور تاتاری دریائے ارغند کے کنارے غور کے لشکر تک پہنچ گئے۔ غوری سردار دریا پر پل بنانے میں مصروف تھے تاکہ فوج اہل و عیال متوسلوں اور سامان کو گذار سکیں اچانک تاتاری آپہنچے۔ ملک سیف الدین اپنے لشکر کو لے کر دامن کوہ میں پہنچ گیا۔ اور یوں سلامت رہا اور پھر غور کی طرف واپس گیا ملک سراج الدین نے اپنے مقام پر جم کر جنگ کی اور شہادت پائی۔ ملک قطب الدین نے بڑی تدبیر سے کام لے کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور تھوڑے آدمیوں کے ساتھ بچ نکلا غور کے باقی تمام مرد، سالار، بہادر، عورتیں وغیرہ سب شہادت سے سرفراز ہوئے۔ ان میں ملک

قطب الدین کی بہنیں اور بھانجیاں بھی تھیں۔ تاتاریوں کا لشکر وہاں سے لوٹ کر غور و خراسان چلا گیا۔

تاتاریوں کے بعد

سیفی ہروی ایک مورخ نے اپنی ضخیم تاریخ "ہرات نامہ" میں افغانستان کے ساتویں صدی ہجری کے واقعات تفصیل سے لکھے ہیں اور ملوک کرت کے حالات پر سے پردہ اٹھایا ہے۔ اس مخطوط کو کوئٹہ کے ڈاکٹر سلطان الطاف علی نے مرتب کر کے حال ہی میں شائع کیا ہے۔ مگر میں نے "ہرات نامہ" کے مندرجات جرمنی میں مقیم ایک افغان فاضل سکالر ڈاکٹر حبیب اللہ تیزئی کی پشتو کتاب "پشتانہ" طبع ۱۹۹۹ء سے لئے ہیں۔

بقول سیفی ہروی چنگیز خان نے افغانستان پر حملوں اور فتوحات کے زمانے میں ملک رکن الدین کو غور اور مضافات کے لئے بطور حاکم یا ملک تسلیم کر لیا۔ بعد میں جب ملک رکن الدین غزنی میں چنگیزی حاکموں سے ملنے کے لئے جاتا تو ملک شمس الدین کو بھی اپنے ساتھ لے جاتا۔

کرُت خاندان

۶۴۳ھ میں ملک رکن الدین کی وفات پر چنگیزی حاکم طاہر بہادر نے ہرات کی ملکی یا حکومت کا تاج شمس الدین کرُت یا کرت کو خود پہنایا۔ ۶۴۵ھ میں جب شمس الدین منگولوں کے بڑے ملک منگو خان کے دربار میں گیا تو منگو نے توابع ہرات اور سیفی ہروی کے زمانے کے افغانستان کے علاقے بھی اس کے نام کئے۔

شمس الدین منگو خان یا منگو قاآن کے ایک قریبی ساتھی جاجو کے ساتھ ہرات گیا اور افغانستان پر قبضہ کرنے کا بندوبست شروع کیا۔ اس نے ۶۵۰ھ میں ایک وفد جس میں جاجو بھی شامل تھا۔ افغانستان کے ملک شہنشاہ نامی کے پاس بھیجا کہ اُسے شمس الدین اور چنگیزیوں کے احکام پہنچائے۔ شہنشاہ نے وفد کو بتایا کہ ملک شمس الدین کفار کے حکم سے اس ملک میں آرہا ہے۔ ہم نے ابھی تک چنگیزیوں کو ٹیکس ادا نہیں کیا۔ البتہ ملک شمس الدین کو جو کہ ایک مسلمان ہے۔ کچھ ٹیکس دینا منظور کر لیں گے۔ اس نے تین غلام جاجو کے سپرد کر دئے اور شمس الدین کے لئے قیمتی تحائف بھیجے۔ شمش الدین اس وقت تکنا آباد میں مقیم تھا۔ وہ اپنی بڑی فوج کے ساتھ شہنشاہ پر حملہ کرنے کے لئے مستونگ روانہ ہوا جو کہ ایک بلوچ علاقہ مگر پشتون علاقہ سے ملحق تھا۔ یہ سن کر شہنشاہ پانچ ہزار فوج کے ساتھ مستونگ سے باہر خاسک کی چھاونی میں مقیم ہوا۔ پھر خاسک کا جا کر محاصرہ کیا۔ تین ماہ کے محاصرے

میں سات معرکے ہوئے لیکن قلعہ فتح نہ ہوسکا۔ آخر قلعے کا دروازہ جلا کر اس پر قبضہ کر لیا گیا۔ محصورین کی زیادہ تعداد قتل کی گئی۔ شہنشاہ بمعہ اپنے بیٹے بہرام شاہ اور نوے رشتہ داروں سمیت گرفتار ہو کر قتل ہوا۔ ان کے سر آس پاس کے لوگوں کو بغرض عبرت بھیج دیئے گیے۔

مستونگ سے کفار کا آلہ کار شمس الدین کرت قلعہ تیری نزد قندہار پر قبضہ کرنے کے لئے بڑھا۔ جس کے بہادر اور نڈر حاکم المار افغان نے سوائے بیس غلام شمس الدین کو دینے کے اور کچھ بھی دینے سے انکار کیا۔ اس نے جاھو چنگیزی کے لائے ہوئے احکامات کو پائے استحقار سے ٹھکراتے ہوئے کہا کہ "میرے بزرگوں نے کسی مغل کی اطاعت قبول کی تھی اور نہ کفار کو ٹیکس دینے پر رضامندی ظاہر کی تھی۔ اگر میرے تمام عزیز و اقارب بھی ملک شمس الدین کی خدمت اور ٹیکس دہی تسلیم کریں تو بھی میں موت تک نہ مانوں گا۔ کئی دفعہ طاہر بہادر، مالی نوئین بڑی بڑی فوج کے ساتھ آ کر شکستہ دل واپس گئے ہم یہ مانتے ہیں کہ بیس غلام ملک شمس الدین کو بھیجے جائیں۔ اگر وہ اس سے زیادہ کا طلب گار ہے تو پھر فیصلہ ڈھال اور تلوار کی نوک پر ہوگا۔

تیری پہنچ کر شمس الدین نے دو ماہ تک قلعے کا محاصرہ کیا۔ آ کر المار کو گرفتار کر کے اس کے دو ٹکڑے کئے۔ اس کے پانچ سو اہل منصب ساتھیوں کی آنکھیں گرم سیخ سے نکلوائیں۔ دیگر پانچ سو کے ہاتھ پاؤں کٹوا دئے اور مزید پانچ سو کے ناک کان کاٹ ڈالے۔ ایک بہادر افغان شعیب تھا جو قوم سور یعنی سوری سے تھا۔ وہ اپنے ڈیڑھ ہزار جنگی ساتھیوں کے ساتھ لگان اکٹھا کر رہا تھا۔ شعیب نے ادھی رات کو ان پر حملہ کر کے بہت سوں کو قتل کر ڈالا۔ اور کئی گھوڑے بھی ساتھ لے گیا۔

شمس الدین یہ سُن کر شعیب کے خلاف بڑھا۔ شعیب نے قلعہ کیھرا میں پناہ لی۔ جہاں بقول مورخ سیفی ہروی قارون کے خزانوں سے بھی زیادہ خزانوں کے ڈھیر تھے۔ شمس الدین نے بیس دن میں قلعہ کے قریب پہنچ کر پانچ چالاک افغانوں کو شعیب کو قلعے کا دروازہ کھولنے کی ترغیب دینے کے لئے بھیجا۔ جس نے ان پانچوں کو قلعے کی دیوار سے سر کے بل نیچے گرا پھینکا۔ شمس الدین نے چھیالیس دن کے محاصرے کے بعد بھی کامیابی نہ دیکھی۔ آخر محصورین دو گروہوں میں بٹ کر آپس میں لڑنے لگے۔ شعیب کے مخالف گروہ نے غالب آ کر اسے شمس الدین کے حوالے کر دیا۔ جس نے اپنے ہاتھ سے اس کا سر تن الگ کیا۔ اور اس کے مخالف گروہ کے بڑوں کی

بڑی تعظیم کی۔

شعیب کی شہادت پر اس کا بہادر چچازاد بھائی سندان جو شمس الدین کے دربار میں ملازم تھا۔ دربار کو چھوڑ کر اس کے مقابلے پر ڈٹ گیا۔ وہ اپنی ایک ہزار سپاہ کے ساتھ دور دراز کے جنوبی قلعے ڈگی (دوکی) میں جا کر پناہ گزین ہوا۔ ایک ہزار مزید باغی اور ڈاکو اُس سے آ کر ملے۔ ۶۵۴ھ میں شمس الدین نے ملک تاج الدین کو سندآن افغان کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔

تاج الدین مذکورہ شہنشاہ کے داماد میران شاہ کا بھائی تھا۔ اور شمس الدین کے مستونگ اور شہنشاہ کی مہم پر جاتے وقت تکناباد میں اُس سے ملا تھا۔

تاج الدین نے دو ہزار سواروں کے ساتھ دوگی پہنچ کر سندآن کا محاصرہ کیا۔ سندآن نے اپنے سات سو ساتھیوں کے ساتھ باہر نکل اٹھارہ دن تک حملہ آوروں سے جنگ کی۔ انیسویں روز شمس الدین بھی اپنی عظیم فوج کے ساتھ پہنچا۔ سندآن اور اس کے ساتھیوں نے پانچ دن تک قلعے کے دروازے پر حملہ آوروں سے گھمسان کی جنگ کی شمس الدین کے کئی نامور کمانڈر مارے گئے۔ مگر شمس الدین کے سپاہیوں نے قلعے کی دروازے کو جلا دیا۔ اور قلعے کے ایک برج پر بھی قابض ہو گئے۔ اس پر سندآن نے اپنے دو سو سرفروش ساتھیوں کے ساتھ باہر نکل کر ہراتی فوج پر حملہ کیا۔ گھمسان کی جنگ میں سندان اور اس کے ساتھی شمشیر بکف شہید ہوئے شمس الدین نے انتقاماً دوکی کے قلعے کو مسمار کرا کے زمین کے برابر کر دیا۔

دوکی کے گلہ بانوں اور بروں نے دوکی کے جنوب میں ستر میل دور کنکان اور نہران کے خلاف گذشتہ تیس برس سے لوٹ مار میں مصروف ہونے کی شکایت کر کے شمس الدین سے کاروائی کا مطالبہ کیا۔ اس نے دو ہزار سواران کے قلع قمع کے لئے بھیجے۔ چند دن کی جنگ میں دونوں طرف کے پانچ سو افراد کام آئے۔ آخر شمس الدین پوری فوج لے کر ان پر حملہ آور ہوا۔ ڈاکوؤں کے سو افراد قتل کئے۔ ستر کے ہاتھ پاؤں کٹوا دئے اور باقی اپنے ایک ساتھی افغانستان کے ملک جاول کو بخش دئے۔

ملک جاول اور ملک تاج الدین کے کہنے پر شمس الدین کرت نے افغانستان کے ایک اور مضبوط قلعہ ساجی پر حملہ کیا۔ اس نے چنگیزی سالار ساری نوئین سے بھی دو ہزار سپاہی طلب کئے۔ سات دن کی لڑائی میں خون کا سیلاب

بہہ نکلا۔ دروازہ لوہے کا تھا اس لئے نہ توڑا جاسکا۔ مزید دو دن میں مزید ایک ہزار آدمی دونوں طرف سے مارے گئے۔ تیسرے دن قلعہ کے لوگ دو گرہوں میں بٹ کر آپس میں لڑنے لگے۔ غالب گروہ نے قلعہ کا دروازہ دشمنوں کے لئے کھول دیا۔ شمس الدین نے قلعہ کے بعض لوگوں کو قتل کیا اور بعض قیدی بنائے گئے۔ اس نے قلعہ کو تباہ کیا اور بڑی مقدار میں مال غنیمت سمیٹ کر لے گیا۔

٦٥٧ھ میں شمس الدین نے ایک بڑے قلعہ بکر پر حملہ کیا۔ قلعے سے آٹھ فرسخ دور ٹھہر کر اپنے پانچ نامور سالار وغیرہ بھجوائے تاکہ لوگ بادشاہ کے استقبال کے لئے قلعے سے نکلیں۔ لیکن قلعے کے حاکم نے ٹکا سا جواب دیا۔ شمس الدین نے قلعے پر حملہ کیا۔ دونوں طرف سے بہت زیادہ آدمی قتل ہوئے۔ جن میں شمس الدین کے چند بڑے کمانڈر بھی تھے۔ تیرھویں دن شہر کے بعض بڑوں نے شمس الدین کے پاس جا کر لگان کی ادائیگی کے وعدے پر محاصرہ ختم کرنے کی درخواست کی۔ شمس الدین نے محاصرہ اُٹھالیا۔ قلعہ کے والی نے دس ہزار دینار۔ دس من اناج، چند عربی نسل کے گھوڑے۔ پچاس غلام اور بہت سے تحائف شمس الدین کو دئے۔

شمس الدین نے بھی قلعہ کے بڑوں کو تحفے دئے۔ یہاں سے شمس الدین زمینداور گیا۔ اور وہاں ملک شہنشاہ کے داماد میرنشاہ کو گرفتار اور قتل کیا۔ میرانشاہ کا بھائی تاج الدین مستونگ پہنچا۔ اور شمس الدین کے سپہ سالار سے سخت جنگ کی۔ مگر بے نتیجہ رہی، ٦٦٦ھ میں شمس الدین نے تیراہ پر حملہ کیا۔ جو اونچے پہاڑوں میں واقع تھا۔ اہل تیراہ نے کبھی کسی بادشاہ کی اطاعت قبول نہیں کی تھی۔ ڈھائی مہینے کی جنگ کے بعد تیراہ والوں نے اپنے قلعے شمس الدین کے کوتوالوں کے سپرد کئے اور خود پہاڑوں کی طرف نکل گئے۔ شمس الدین نے ان کے جانور اپنے سپاہیوں میں تقسیم کئے۔ اور بڑی تعداد میں مال غنیمت اور قیدیوں کے ساتھ ہرات گیا۔ ملک شمس الدین کرت سالہا سال تک پشتونوں کو تباہ و برباد کرنے کے بعد ٦٧٦ھ میں تبریز میں فوت ہوا۔

اس کا جانشین بھی شمس الدین نامی یعنی شمس الدین دوم تھا۔ غزنی و ہرات کے والی شمس الدین دوم کی تہنیت کے لئے گئے۔ مگر قندہار کا والی نہیں گیا۔ جس کے باعث شمس الدین دوم نے اس کے ساتھ جنگ و جدل کا آغاز کیا۔

بقول سید بہادر شاہ ظفر کاکاخیل یہ خاندان بھی غور کے پشتون شاہی خاندان کا ہم نسب تھا اور اس خاندان کا دوسرا بادشاہ رکن الدین اور تیسرا بادشاہ فخر الدین تھا اس کے عہد یعنی ١٣٠٨ء تک کرت خاندان چنگیزیوں کے ماتحت

رہا۔ مگر اس خاندان کا چوتھا بادشاہ غیاث الدین کرت چنگیزیوں کے تسلط سے آزاد ہو گیا۔ بعد میں اس خاندان کے بادشاہ جیسے شمس الدین دوم۔ ملک حافظ اور معز الدین حسن آزاد اور خودمختار تھے۔

معز الدین حسن (۱۳۳۱ء۔۱۳۵۹ء) جو اس خاندان کا ساتواں بادشاہ تھا بڑے جاہ و دبدبے کا بادشاہ تھا۔ ایران کے مغل اس وقت روبہ زوال تھے۔ اس لئے معز الدین نے مرغاب تک کے علاقے پر قبضہ کیا۔ یہ بادشاہ علم و فضل والوں کا مربی تھا۔ ۲۹ سال کی حکومت کے بعد اس کی جگہ اس کا جانشین غیاث الدین پیر علی بادشاہ بنا۔ جس پر تیمور لنگ نے حملہ کر کے اُسے قتل کیا۔ اور یوں کرت خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

تیمور کی تباہیاں

امیر تیمور چنگیزی کی اولاد میں سے اور مسلمان تھا۔ مگر ظالم تھا اور خونخواری میں چنگیز سے کم نہ تھا۔ اس نے ۷۸۵ھ ۱۳۸۳ء میں جنوبی افغانستان کو مکمل طور پر مسخر کرنے کے لئے دوبارہ افغانستان کا رُخ کیا۔ یہاں اُسے شدید دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے زرنج کی شہری آبادی سے سولہ میل دور واقع قدیم بند رستم کو تباہ کرنے کا ارادہ کیا۔ جس سے اس علاقے کے متعدد شہر اور سینکڑوں دیہات سیراب ہوتے تھے۔ یہ بند عہد قدیم میں دریائے ہلمند پر باندھا گیا تھا۔ اس بند سے نکالی گئی نہروں کے باعث جنوبی افغانستان کی آبی ضروریات بخوبی پوری ہوتی تھیں اور یہ علاقہ سرسبز و شاداب چلا آیا تھا۔ اور یہاں کی زراعت ہمیشہ دوسرے علاقوں کے لئے باعث رشک رہی تھی۔

اس بند کی تباہی سے جنوبی افغانستان میں دو سو کلو میٹر تک ہر طرف خاک اڑنے لگی۔ صوبہ فراہ مکمل طور پر ریگستان بن گیا۔ بُست اور زرنج بھی ویران ہو گئے۔ تیمور بھی یہی چاہتا تھا کہ یہ علاقے اس کی مزاحمت کرنے والوں سے خالی ہو جائیں۔ اس علاقے کے تمام لوگ باستثنائے خانہ بدوشوں کے نقل مکانی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس سر زمین میں درجنوں قلعے، سینکڑوں کوٹھیاں اور ہزاروں مکانات تھے۔ جو لوگوں کے اجڑ جانے کے بعد صحرائی ریت میں دفن ہوتے چلے گئے۔ آج ان عمارتوں میں سے کسی کا نام و نشان بھی مشکل سے دکھائی دیتا ہے۔

تیمور لنگ نے اپنی سوچ کے مطابق جنوبی افغانستان کی ویرانی کے بعد بُست، گرمسیر اور قندہار سمیت گرد و نواح کے تمام شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اس نے قندہار میں اپنے معتمد امیر سیف الدین برلاس اور قندوز میں امیر جہاندار شاہ کو حاکم مقرر کر دیا۔ اس دوران کابل کا حاکم بھی تیمور کے سامنے ہتھیار ڈال چکا تھا۔ تیمور نے فتح کی تکمیل کے بعد جنوبی افغانستان میں رُکنے کا خطرہ مول نہیں لیا۔ اور صرف چودہ دن میں جنوبی افغانستان سے اپنے صدر مقام سمرقند پہنچ گیا۔

۷۹۹ھ (۱۳۹۶ء) میں تیمور نے افغانستان کی حکومت اپنے سب سے باصلاحیت بیٹے شاہ رُخ مرزا کو سونپ دی۔ اگلے سال وہ ہندوستان پر حملے کی غرض سے کوہ ہندوکش عبور کر رہا تھا۔ کہ اُسے معلوم ہوا کہ ان پہاڑی علاقوں اور رستوں پر صرف مقامی جنگجو قبائلیوں کا راج ہے۔ یہ سنتے ہی تیمور نے لشکر کو روکا۔ اور اپنے دس ہزار سپاہیوں کو

شمال کی طرف پہاڑی گھاٹیوں میں گھس کر مقامی جنگجو قبائل کو مسخر کرنے کا حکم دیا۔ تیمور خود بھی ان کے ساتھ تھا۔
وہ نورستان اور وادی پنج شیر تک پہنچ کر حملہ آوروں کی سرکوبی کرنا چاہتا تھا۔ مگر سردی کی شدت اور برفباری کے
باعث اسے ناکام واپس آنا پڑا۔ اس کے دس ہزار سپاہیوں کی بڑی تعداد موسم کی حشر سامانیوں کا شکار ہوگئی۔ تاہم
تیمور نے واپس آکر نہ صرف مکمل فتح کا اعلان کیا۔ بلکہ اس جگہ فتح کی یادگار بھی تعمیر کرڈالی۔ اپنے کو خطرے میں پا
کر وہ فوراً کابل پلٹ آیا۔ اور یہاں سے ہندوستان کا رُخ کیا۔ راستے میں ایزاب نامی قلعے میں قبائلی پٹھانوں کا
ڈیرا تھا۔ تیمور نے قلعے میں پڑاؤ ڈال کر اس کی ازسرِنو تعمیر کا حکم دیا۔ چودہ دن میں یہ کام مکمل ہوگیا۔

ایک دن تیمور گھوڑے پر سوار قلعے سے نکلا۔ وہ گردونواح کے خوبصورت ماحول کا لطف اُٹھا رہا تھا کہ اچانک ایک
تیر سنسناتا ہوا اس کے قریب آگرا۔ تیمور کا تربیت یافتہ گھوڑا یہ آواز سنتے ہی اپنی جگہ سے اُچھل کر ایک طرف ہوگیا
۔ تیمور نے پلٹ کر دیکھا تو قلعے کی فصیل پر ایک پٹھان ہاتھ میں کمان لئے کھڑا تھا۔ تیمور فوراً قلعے میں داخل ہوگیا۔
اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ قلعے کے نگران موسیٰ خان کو اس کے دوسو آدمیوں سمیت گرفتار کرلیا جائے حکم کی تعمیل
ہوئی۔ تاہم دلیر قبائلی تیرانداز اپنے چھ ساتھیوں سمیت دیر تک تیمور کے سپاہیوں کو نشانہ بناتا رہا۔ آخر اُسے گرفتار
کرلیا گیا۔ اور اپنے چھ ساتھیوں سمیت تیمور کے حکم سے قتل کیا گیا۔ موسیٰ خان اور اس کے ساتھیوں کو بھی شک کی
بنا پر مارڈالا گیا۔ یہ سب پشتون قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔

تیمور ۸۰۱ھ (۱۳۹۸ء) میں ماردھاڑ کرتا ہوا بے دھڑک ہندوستان میں داخل ہوا۔ شہر دہلی کے دروازے پر
شراب وکباب کی محفل آراستہ کی۔ پھر تین دن تک شہر کو لوٹا پھر لوٹ مار کرتا ہوا ہندوستان سے دوماہ کے بعد سمرقند
چلا گیا۔

دو برس اس نے مغرب کا رُخ کیا۔ ایران تو پہلے ہی اس کے قبضے میں تھا۔ اب عراق اور شام پر حملہ کیا۔ بغداد میں
تاتاری روایات کو دُہراتے ہوئے نوے ہزار مسلمانوں کو شہید کردیا۔ مساجد، مدارس اور خانقاہوں کو چھوڑ کر باقی
تمام عمارتوں کو اس نے ملبے کے ڈھیر میں تبدیل کیا۔

پھر تیمور نے عثمانی سلطنت پر حملہ کیا۔ کیونکہ وہ عثمانی تاجدار بایزید یلدرم کی شان شوکت سے حسد کرتا تھا۔ اس نے
عثمانی شہر سیوا س پر حملہ کرکے چار ہزار مارونی (عیسائی) باشندوں کو زندہ جلادیا۔ اور ایک ہزار ترکی سپاہیوں کو

گرفتار کر کے زندہ دفن کر دیا۔ بایزید یلدرم ان دنوں برطانیہ ہالینڈ اور فرانس کے ساتھ ایک فیصلہ کن ٹکر لے کر یورپ کو اسلامی عملداری میں داخل کرنے کی بھرپور تیاری کر رہا تھا۔ مگر پشت پر تیمور کے حملے نے اسے یورپی جہاد کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔ ۸۰۵ھ بمطابق ۱۴۰۲ء میں انگورہ کے مقام پر مغل اور عثمانی افواج میں ہولناک جنگ ہوئی۔ جو تیمور نے عددی اکثریت کی بنیاد پر جیت لی بایزید شکست کھا کر گرفتار ہوا۔ اور یوں اس مجاہد کا پورے یورپ کو فتح کرنے کا خواب پورا نہ ہوا۔ جس کی ذمہ داری تیمور پر عائد ہوتی ہے۔

۸۰۷ھ بمطابق ۱۴۰۵ء میں تیمور نے چین کی فتح کا ارادہ کیا۔ مگر تمام عمر مسلمانوں کے خلاف لڑنے والے تیمور کو یہ سعادت نصیب نہ ہو سکی اور راستے ہی میں مر گیا۔ اور سمرقند میں اپنے تعمیر کرائے ہوئے مقبرے "گورامیر" میں دو گز زمین میں جا سویا۔ تیمور کا مقصد اپنے آباؤ اجداد کی طرح ملک گیری اور حصول اقتدار تھا۔ وہ اپنے عقائد میں اہل سنت و الجماعت کے مخالف فرقوں سے شدید متاثر تھا۔

تیمور کے درباری علماء کو اس کے مزاج کا خیال رکھنا پڑتا تھا۔ حق گو علماء اس کے دربار میں نہیں تھے۔ البتہ خاموشی سے علمی کام کرنے والے علماء کو اپنے دربار کی زینت بنا کر وہ علم دوست کا اعزاز حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہوا۔ میر سید شریف جرجانی اور علامہ سعد الدین تفتازانی اس کی مشہور مثالیں ہیں جو تیموری دربار سے وابستہ اور اس کے زیر کفالت رہے۔ تاہم بعض اوقات علماء کو تیمور کے عتاب کا نشانہ بننا پڑتا تھا۔ ایک دفعہ تیمور کا لڑکا میران شاہ گھوڑے سے گر کر معمولی سا زخمی ہو گیا۔ اس وقت مولانا کاملی قریب میں نماز ادا کر رہے تھے۔ استاد قطب الدین اور حبیب عودی بھی موجود تھے۔ تیمور نے ان سب کو محض اس وجہ سے پھانسی پر چڑھا دیا کہ ان کی موجودگی میں شہزادہ زخمی کیسے ہو گیا۔ اپنی خودنوشت "تزک تیموری" میں ظالم تیمور پیری مریدی کی باتیں کرتا ہے۔

تیمور کا پوتا الغ بیگ تھا جس نے ۱۴۴۷ء سے ۱۵۰۱ء تک حکومت کی۔ یوسفزئی قبائل کے سردار سلطان شاہ نے بچپن میں الغ بیگ کی سرپرستی کی۔ اور اپنی لڑکی اس سے بیاہ دی۔ مگر بعد میں یوسفزئیوں کی خودسری اور سرکشی کے باعث الغ بیگ اُن سے تنگ آ گیا۔ اس وقت یوسفزئی کابل کے آس پاس رہتے تھے۔ ان کے حریف گلکیانی بھی وہیں رہتے تھے۔ الغ بیگ نے گلکیانیوں کو یوسفزئیوں کے خلاف اُبھارا۔ اور خود بھی فوج لے کر ان سے لڑنے نکلا۔ کیونکہ یوسفزئی دوسرے مسلمانوں کو لوٹتے بھی تھے اور امن وامان میں خلل ڈالتے تھے۔ مگر

یوسفزئیوں نے اُلغ بیگ اور لگیانیوں کی متحدہ فوج کو شکست دی۔

اب نے اُلغ ایک اور چال چلی۔اس نے یوسفزئی سرداروں کو بہت پیسے بھجوائے اور انہیں کابل طلب کیا۔اُلغ بیگ کے آدمی ان کے استقبال کے لئے نکلے مگر کہا کہ بادشاہ نے سب کو بغیر اسلحے کے دربار میں طلب کیا ہے۔ لہٰذا وہ خالی ہاتھ دربار میں گئے۔بادشاہ ان پر بہت مہربان ہوا۔اور اپنے امیروں سے کہا کہ کچھ کچھ کو اپنے ہاں لے جائیں۔انہوں نے ایسا ہی کیا۔لیکن بعد میں یہ سات سو یوسفزئی ہاتھ باندھے اُلغ بیگ کے پاس لے جائے گئے۔اُلغ نے ملک سلیمان شاہ کے بھتیجے احمد اور پانچ دیگر دانی زئیوں کے سوا بقیہ سات سو یوسفزئیوں کو قتل کرا کے کابل کے سیاہ سنگ کے علاقے میں دفن کرنے کا حکم دیا۔چنانچہ یہ جگہ ابھی تک "شہدائے یوسفزئی" قبرستان کہلاتی ہے۔

اس قتل عام سے بچ کر نوجوان احمد اپنی قوم کے پاس گیا۔اور یوسفزئیوں نے کابل سے ہجرت کر کے ننگرہار کا رخ کیا۔وہاں سے وادی پشاور آئے اور دلازاک خلجی اور سوری قبائل سے لڑ جھگڑ کر دوآبہ اور سوات تک کے علاقے حاصل کیے۔

ظہیر الدین بابر مُغل

۱۵۰۴ء میں اُلغ بیگ کی وفات کے تین سال بعد تیمور کی چوتھی نسل میں ہونے والے ظہیر الدین محمد بابر نے فرغانہ سے آکر کابل پر قبضہ جمایا۔چونکہ یہ پشتونوں کا علاقہ تھا۔اس لئے بابر مغل نے ان پر روح فرسا مظالم ڈھائے۔اور ان کے کھوپڑیوں کے مینار بنائے۔اس نے اسلامی اخوت کی بجائے کبر و نخوت کی راہ کو اپنایا ۔۱۵۲۶ء میں بعض بدبخت پشتون غداروں کی نمک حرامی کے باعث پانی پت کی پہلی جنگ میں پشتون بادشاہ ابراہیم لودھی کو شکست ہوئی اور ہندوستان کی بادشاہی پٹھانوں کے ہاتھوں سے نکل کر چنگیزی یا چغتائی مغلوں کے ہاتھوں میں آئی۔جن کی زبان شروع میں ترکی کی تھی بعد میں فارسی بنی اور آخر میں اُردو نے فارسی کی جگہ لے لی۔

بابر نے افغانستان کے علاقے کو صوبہ کابل کے نام سے اپنی سلطنت ہند کا حصہ بنایا۔پھر اس کے جانشینوں ہمایوں اکبر، جہانگیر شاہ جہان اور اورنگ زیب کے زمانے تک یہ سلطنت ہند کا حصہ رہا۔مگر مغلوں اور پشتونوں کی مخالفت اور مخاصمت بھی تاریخ کا حصہ ہے۔اکبر بادشاہ کے زمانے میں پانی پت کی دوسری جنگ ۱۵۵۶ء میں

مغلوں اور پشتونوں کے درمیان تھی۔اور ہیموں بقال پٹھانوں کا سپہ سالار تھا۔

اس کی شکست اور موت سے پٹھانوں کو شکست ہوئی۔بابر کے بعد ہمایون کے خلاف شیر شاہ سوری کی مزاحمت اور پشتونوں کی دوبارہ سلطنت تاریخ ہند کا اہم حصہ ہے۔سوات میں اکبری فوج کی شکست اور اکبر کے درباری اور نورتن راجہ بیربل کا قتل بھی دونوں قوموں کی مخالفت کا شاخسانہ تھا۔بعد میں روشینہ تحریک کے بایزید انصاری اور اس کے لڑکے جلال الدین کی جنگیں اسی پشتون مغل آویزش کی آئینہ دار ہیں۔

صرف جہانگیر ۱۶۰۵ء۔۱۶۲۷ء نے پشتونوں پر اعتبار کیا اور خان جہان لودھی کی قدردانی کی۔مگر اس کے بیٹے شاہ جہان بادشاہ (۱۶۲۷ء۔۱۶۵۷ء) نے پشتونوں پر اعتماد نہیں کیا۔اور پشتونوں کے وفادار اور لائق نمکخوار خان جہان لودھی کو دکن تک تعاقب کر کے شہید کیا۔اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں دریا خان آفریدی اور ایمل خان مہمند کی درہ خیبر میں مغلوں کی مخالفت اور مغل فوج کی شکست و بدنامی اسی کشمکش کا نتیجہ تھی۔پھر خوشحال خان خٹک جیسے مغلوں کے پروردہ کی تین چار سال تک رنتھمبور میں قید و گرفتاری۔پھر رہائی اور پشتونوں کو مغلوں کے مقابلے میں لانے کی دعوت و سرگرمی مغل پشتون آویزش کا ثبوت ہے۔

مغلوں کے زوال کے زمانہ (۱۷۰۷ء۔۱۸۰۶ء) میں روہیل کھنڈ کے پٹھان حافظ رحمت خان بڑیچ وغیرہ کے خلاف اور اب نجیب الدولہ یوسفزئی ضابطہ خان اور غلام قادر روہیلہ کے خلاف محمد شاہ رنگیلے، شاہ عالم ثانی اور عالمگیر ثانی کے اقدامات بھی اسی باہمی منافرت و مخالفت کے مظاہرے تھے۔حتیٰ کہ آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ جنگ آزادی میں پشتون جرنیل بخت خان روہیلہ پر عدم اعتماد اور اس کے ساتھ جانے سے انکار بھی یہی ظاہر کرتا ہے۔کہ مغلوں نے پشتونوں کو ہمیشہ غیر سمجھا ج۔حالانکہ ۱۷۶۱ء میں قندھار کے فاتح بادشاہ احمد شاہ ابدالی نے اپنے بیس ہزار پشتون بہادروں کی قربانی دے کر نہ صرف مرہٹہ ہندوؤں کی طاقت کو پانی پت کی تیسری لڑائی میں توڑا تھا۔بلکہ مغل سلطنت کو بھی جو کہ حالت نزع میں تھی، بچایا تھا۔

جب بابر ۱۵۰۵ء میں پہلی مرتبہ پشتون علاقے میں بڑھا تو ان کے ساتھ غیر مسلموں جیسا سلوک روا رکھا۔کوہاٹ میں اُس نے گھروں تک سے اناج لوٹا۔اس کی فوج نے گائیں اور بھینسیں پکڑ کر کھائیں۔حالانکہ وہاں کے باشندے لڑنے سے پہلے مغلوں کے ڈر سے پہاڑوں میں بھاگ گئے تھے۔ہنگو میں مغلوں نے دوسو پشتونوں کو

گرفتار کیا۔ بعض زندہ لائے گئے۔ اور بعض کے سر لائے گئے۔ بابر نے ان سب کے سر کاٹ کر مینار بنانے کا حکم دیا۔ پھر بابر ٹل سے بنوں کے لئے روانہ ہوا۔ رات کو عیسیٰ خیل قبائل نے بابری لشکر پر حملہ کیا۔ مگر مغلوں کے کڑے پہرے کے باعث مغلوں کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ بابری فوج نے بہت بڑی تعداد میں مویشی اور بیل لوٹے پھر اس کے خاص آدمیوں نے جو کچھ افغانوں کو پکڑ کر ان کے سر کاٹے تو بابر اپنی خوشی کا اظہار کرتا ہے حالانکہ ایک پشتون ایک مغل سے زیادہ بہادر ہوتا تھا۔ مگر ایک بڑی مغل فوج کی آمد اور پشتونوں کی اپنی نفسا نفسی ان پر نفسیاتی اثر ڈالتی تھی۔

پھر بابر غزنی کے قریب آب ایستادہ جھیل پہنچا۔ پھر کابل پہنچا۔ اگلے سال قندھار پر حملہ کرنے کے ارادے سے روانہ ہوا مگر اپنی بیماری اور ایک بہت سخت زلزلے کے باعث اس ارادے سے باز آیا۔ اور قلات غلوئی پر حملہ کیا۔ پورے دن کی جنگ میں بابر کے بعض نامور سپاہی پشتونوں نے مارے۔ آخر قلعہ والوں کی درخواست پر بابر نے اُن سے صلح کی۔ کابل میں داخل ہونے پر رات کو ایک افغان بابر کا گھوڑا اور خنجر دونوں اُڑا کر لے گیا۔

۱۵۰۷ء میں بابر نے غلجیوں پر حملہ کیا۔ یہاں مغلوں نے ایک لاکھ بھیڑ بکریاں لوٹیں جو کسی اور جنگ میں ہاتھ نہ آئی تھیں۔ اس کے درباری یادگار ناصر مرزا نے بادشاہ کے حکم سے افغانوں کے سروں کا مینار بنایا۔ گویا بابر بجائے ایک فاتح اور سلطان کے ایک ڈاکو تھا۔ جو پشتونوں کے مال مویشی حتیٰ کہ گھریلو اشیاء تک چرا کر لے جاتا تھا۔ حالانکہ اسلام میں ایک مسلمان کی جان و مال اور ناموس دوسرے پر حرام ہے۔ بابر نے پشتونوں کے علاقوں پر بیس سال کے عرصے میں ایسے بیسیوں ڈاکے ڈالے۔

۱۵۰۹ء میں بابر نے باجوڑ پر حملہ کیا۔ اس موقعہ پر شرابی کبابی اور افیونی بابر مفتی بن کر باجوڑی پشتونوں کو باغی اور ملت اسلامیہ کے دشمن کہتا ہے۔ اور یہ کہ ان کے قبیلے سے اسلام کا نام و نشان بھی مٹ چکا تھا۔ اس دن بابر نے تین ہزار باجوڑی پشتونوں کو شہید کیا۔ اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا۔ سوات کا بزدل شاہ منصور جو بعد میں بابر کا زبردستی اور دھونس کا سُسر بنا، اس قتل عام کے وقت بابر کے قریب یا اُس کے ساتھ کھڑا تھا۔ شاہ منصور نے جو ملک سلیمان شاہ کا لڑکا تھا۔ اپنی لڑکی لا کر اس طرح بابر کے حوالے کی جیسے یہ زبردستی کا رشتہ ہو۔ بعد میں وہ مجبور اور بے بس پشتون عورت جو ''افغانی آغاچہ'' کے خوبصورت نام سے مسمّیٰ تھی غالباً بابر یا کسی اور کے

ہاتھوں شہید ہوئی تھی۔

بابر نے یوسفزیوں کے ایک مذہبی اور روحانی رہنما شہباز قلندر کا مزار دیر میں اس بناء پر تباہ کیا تھا کہ جو ایک پر فضاء مقام پر ایک پہاڑ پر واقع تھا۔ پشتونوں کا قاتل بابر اپنے اس فعل کے جواز میں اس پیر کو ٹھگ کہتا ہے۔ بقول شاعر:۔

وہی قتل بھی کرے ۔۔۔۔ وہی لے ثواب الٹا

گردیز پر بابر کے حملے میں ان کے کچھ فوجی پشتونوں نے مارے جن کے بدلے میں بابر نے چالیس پچاس افغانوں کو مار مار کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے تھے۔

افغانستان مغل دور میں

مغلوں کے پورے دور (۱۵۰۴ء تا ۱۷۰۷ء) افغانستان کے صوبہ کابل کے نام سے ہندوستان سے ملحق رہا۔ جس کا گرمائی صدر مقام کابل اور سرمائی صدر مقام پشاور تھا۔

۱۶۲۲ء میں ایرانیوں نے قندھار پر قبضہ کیا۔ شاہ جہان کے بڑے بیٹے دارا شکوہ نے ایک لاکھ چار ہزار فوج کے ساتھ قندھار کا محاصرہ کیا مگر ایرانیوں کے جان توڑ مقابلے سے تنگ آ کر اس نے محاصرہ اُٹھایا اور براستہ پشین چوٹیالی واپس ہندوستان گیا۔ ۱۷۰۷ء میں عظیم حریت پسند پشتون رہنما میر ویس خان ہوتک نے افغانوں کو ایرانیوں کی غلامی سے نجات دلائی۔ ۳۵ برس کے بعد نادر شاہ ایرانی نے دنیا کی پہلی افغان خودمختار حکومت کا خاتمہ کیا۔ اس کی موت پر ۱۷۴۷ء میں دوسری افغان خودمختار حکومت احمد شاہ ابدالی کی سربراہی میں قائم ہوئی۔

دور غلامی اور حصول آزادی

بارھویں صدی ہجری تک افغانستان پر ایرانیوں کا تسلط رہا۔ افغان فطرتاً قوم پرست اور حریت پسند تھے۔ لیکن ان کی راہ میں ہزاروں رکاوٹیں تھیں۔ مگر ہندوستان کے مغل حکمرانوں اور ایران کے صفوی بادشاہوں کے درمیان سیاسی رقابت نے افغانی تحریک حریت کو موثر بنانے میں مدد دی۔

۱۱۰۶ھ میں جب ایران کے تخت پر حسین صفوی جلوہ گر تھا۔ تو غلجی افغانوں نے بغاوت کر کے ایک ہی جست میں قندھار پر قبضہ کر لیا۔ حسین صفوی نے جرجین کو جو پہلے ایک گرجستانی عیسائی اور بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ بیس ہزار

فوج دے کر قندھار بھیجا۔ باغیوں نے لشکر شاہی کو دیکھ کر اطاعت قبول کر لی۔ لیکن جرجین کی اور حاکم قندھار کی آتش انتقام اس قدر جلد سرد ہونے والی نہیں تھی۔ اس نے ہزاروں افغانوں کو تہہ تیغ کیا۔ اس پر ایرانی بادشاہی میں فریاد کی گئی مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔

غلجی قبیلے کے عالی دماغ سردار میرویس بابا میرویس خان ہوتک کو جرجین نے گرفتار کر کے اصفہان بھیج دیا تھا۔ مگر اپنی دانشمندی کے باعث وہ ایران کے بادشاہ کا درباری بن گیا۔ شاہ حسین میرویس کا قدر دان تھا۔ مگر میرویس کی قوم پرستانہ ذہنیت نہ بدل سکی۔ اس نے بادشاہ سے اجازت لی اور حج کے لئے مکہ معظمہ روانہ ہو گیا۔ وہاں حج کرنے کے بعد اس نے حرمین شریفین کے علماء سے یہ فتویٰ حاصل کیا کہ از روئے شریف سنیوں کو شیعوں کی غلامی قبول نہیں کرنی چاہیے۔ اور اگر شیعہ کسی ملک پر قابض ہیں تو اس قبضے کا خاتمہ جہاد سے کر دینا چاہیے۔

میرویس فتویٰ لے کر ایران واپس آیا۔ لیکن اپنا راز کسی پر ظاہر نہ کیا۔ لیکن جرجین کے خلاف اُسے جلد ہی موقعہ ہاتھ آیا۔ شاہ روس نے ایک عیسائی رعنی کو اپنا سفیر بنا کر شاہ ایران کے دربار میں بھیجا۔ میرویس نے یہ پروپیگنڈا کیا کہ عیسائی گرجستان اور آرمینیا کو سلطنت ایران سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس سازش کا سر رشتہ جرجین یا گرگین کے ہاتھ میں ہے جو کہ سابق عیسائی تھا۔ اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر شاہ ایران حسین صفوی نے میرویس کو وطن جانے کی اجازت دے دی۔ تا کہ وہ جرجین کی نگرانی کرتا رہے۔

میرویس جب قندھار آیا تو جرجین اسے دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے میرویس کو کہلا بھیجا کہ اگر تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو اپنی لڑکی کا نکاح میرے بیٹے سے کر دو۔ میرویس عقلمند شخص تھا۔ اس نے ایک خوبصورت کنیز کو اپنی بیٹی ظاہر کر کے اس کا نکاح جرجین کے لڑکے سے کر دیا۔ اس اثناء میں میرویس نے تمام افغان قبائل کے نمائندوں کو جمع کیا اور انہیں ایران کی غلامی کا جوا اُتار پھینکنے کی ترغیب دی اور علماء اسلام کے فتوے بھی دکھائے۔ تمام قبائلی سرداروں نے آزادی کے لئے کٹ مرنے کا عہد کیا۔

میرویس عقل اور تلوار دونوں سے کام لینا چاہتا تھا۔ اس نے جرجین کو فوجی سرداروں سمیت شہر سے باہر ایک باغ میں دعوت طعام دی۔ جس میں ان لوگوں کو تیز شراب پلا کر مدہوش کیا۔ اور بیہوشی کے عالم میں ان کی وردیاں اُتار کر اپنے ساتھیوں کو پہنا دیں۔ جرجین کی وردی میرویس نے خود زیب تن کر لی۔ یہ مصنوعی فوج قندھار شہر کی

طرف بڑھی۔ شہر کے محافظوں نے جرجین سمجھ کر شہر کے دروازے کھولے۔ افغانوں نے کمین گاہوں میں چھپے ہوئے اپنے ساتھیوں کو پکارا۔ وہ تلواریں سونت کر آ گئے۔ اور سب نے مل کر قندھار پر قبضہ کرلیا۔ جب جرجین کی آنکھ خواب مدہوشی سے کھلی تو شہر پر افغانی جھنڈا لہراتے دیکھا۔ اس نے اِدھر اُدھر آدمی دوڑا کر چھ سو آدمی اکٹھے کیے اور میرویس پر حملہ کیا۔ لیکن افغانوں نے بے پناہ مزاحمت کر کے اُسے اصفہان بھاگ جانے پر مجبور کیا۔ یہ ۱۷۰۷ء یا ۱۷۰۸ء کا واقعہ ہے۔

شاہ ایران نے یکے بعد دیگرے دو سفیر بھیج کر میرویس کو مطیع بنانے کی کوشش کی مگر بے سود۔ شاہ ایران نے مقابلے کے لئے فوج بھیجی۔ مگر افغانوں نے اُسے مار مار کر بھگا دیا۔ میرویس نے آزادی قوم کے نام پر قوم کو منظم کیا۔

شاہ نے غضبناک ہو کر جرجین کے بھتیجے خسرو خان کی سرکردگی میں بیس ہزار کا لشکر جرار افغانوں کو کچلنے کے لئے بھیجا۔ اس نے آتے ہی شہر کا محاصرہ کرلیا۔ میرویس ان دنوں شہر سے باہر لشکر فراہم کر رہا تھا۔ افغانوں نے خسرو خان سے کہا کہ اگر ہمیں ہلاک نہ کیا جائے تو ہم شہر خالی کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن خسرو نے اس درخواست کو ٹھکرا دیا۔ اب افغانوں نے بہادرانہ مدافعت کی ٹھان لی۔

میرویس نے باہر سے آفت کہانی بن کر حملہ کیا۔ نتیجتاً بیس ہزار ایرانیوں سے صرف پانچ سو آدمی بھاگنے میں کامیاب ہو سکے۔ باقی سب ایرانی قندھار کے دروازوں پر ڈھیر ہو گئے۔ یہ ۱۷۱۱ء کا واقعہ ہے۔

شاہ ایران نے رستم خان کے زیرِ قیادت ایک اور فوج قندھار بھیجی۔ مگر فتح افغانوں کو نصیب ہوئی۔ یہ ۱۷۱۲ء کا واقعہ ہے۔

غلجی دور حکومت

اب میرویس صوبہ قندھار کا خود مختار حاکم بن گیا۔ لیکن جلد ہی ۱۷۱۵ء میں راہی ملک بقا ہوا۔ اس کے بعد اسکا بھائی عبداللہ شاہ بادشاہ بنا مگر حکومت ایران سے صلح کرنے پر افغان اس کے مخالف ہو گئے۔ میرویس ہوتک کے بڑے لڑکے محمود ہوتک نے چالیس آدمی لے کر چچا کو قتل کر دیا۔ افغانوں نے امیر محمود کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔

شاہ محمود ہوتک

ہرات کے ابدالیوں میں سے آزاد خان نامی ایک شخص نے اپنی حکومت قائم کی اور خراسان کی طرف قدم بڑھایا۔ صفی قلی نے بڑھ کر مقابلہ کیا۔ مگر آٹھ ہزار سپاہیوں سمیت لقمہ اجل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی ہرات پر افغانی حکومت بوجوہ تمام قائم ہو گئی۔

اس زمانے میں ایران کے کردوں اور دوسرے سُنی قبائل نے بغاوت کر دی۔ اس سے فائدہ اُٹھا کر محمود ہوتک نے ایران پر حملہ کر دیا۔ اور مزاحمت کے بغیر کرمان پر قابض ہو گیا۔ لیکن میر لطف علی خان کی جوابی کاروائی سے افغانوں کے قدم کچھ یوں اُکھڑے کہ قندھار آ کر ہی دم لیا۔ لوگوں کی ناراضگی کے پیش نظر شاہ ایران نے لطف علی کو معزول کر دیا۔ اور اسکی سپاہ تتر بتر ہو گئی۔ اُدھر ہرات کے افغان فتح کا علم لہراتے ہوئے مشہد تک پہنچ گئے۔ اسی زمانہ میں تبریز میں عظیم زلزلہ آیا جس سے اسی ہزار انسان مر گئے۔ علماء اور نجومیوں نے اصفہان کی تباہی کی پیش گوئی کی۔ اس خوف وہراس سے فائدہ اُٹھا کر محمود ہوتک نے ۱۱۳۵ھ میں دوبارہ کرمان پر قبضہ کر لیا۔ اور حکومت اصفہان تک جا پہنچا۔ شاہ ایران نے صلح کا پیغام بھیجا۔ اور پندرہ ہزار ایرانی روپے کی پیش کش کی۔ محمود نے اس سے ایرانیوں کی کمزوری کا پتہ لگایا اور پیغام صلح کو ٹھکرا کر اصفہان کا محاصرہ کر لیا۔ اصفہان کے ہزاروں آتش پرست جو حکومت ایران سے شاکی تھے شہر سے باہر نکل کر محمود کی فوج میں چلے آئے۔ ایک بہت بڑے رئیس خان اھواز نے بھی حکومت ایران کی خفیہ مخالفت شروع کر دی۔ آخر تیس ہزار ایرانی فوج نے افغانوں پر حملہ کیا۔ ان کے پاس بڑے دھانے کی بیس توپیں بھی تھیں۔ افغان اُنیس ہزار تھے۔ اور اُن کے پاس ایک سو چھوٹی توپیں زنبورکیں تھیں۔ جب ایرانی فوج حملہ آور ہوئی تو افغانوں نے ایک خاص چال کے باعث پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ جب ایرانی آگے نکل گئے تو افغان سردار امان اللہ خان نے ایرانیوں کو بھوننا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی پیچھے ہٹنے والے افغان ترتیب سے دائیں بائیں پھیل گئے۔ اور گولیوں کی بے پناہ بارش شروع کر دی۔ اس طرح سے ایرانی فوج کا صفایا ہو گیا۔ افغانوں نے اصفہان کے ارمنی محلے پر کامیاب حملہ کیا۔ پھر وہ ایک بُرج پر حملہ آور ہوئے۔ لیکن یہاں ایرانی فوجوں نے وہ آتشباری کی۔ کہ افغانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ محمود نے شاہ ایران کو لکھا کہ میں صلح پر تیار ہوں۔ بشرطیکہ قندھار، خراسان اور کرمان کی حکومت میرے خاندان میں رہے۔ ۲۔ شاہ ایران اپنی

بیٹی محمود سے بیاہ دے۔ ۳۔ پچاس ہزار روپے بطور تاوان جنگ ادا کیے جائیں۔ شاہ نے یہ شرطیں ٹھکرا دیں۔ جس پر محمود بہت برافروختہ ہوا۔

ایرانی فوج نے احمد آغا اور خان اہواز کی قیادت میں جوابی حملہ کر دیا۔ خان اہواز چونکہ افغانوں سے ملا ہوا تھا۔ اس لئے اس کی فوج نے قصداً پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ اس پر مشتعل ہو کر ایرانی فوج نے احمد آغا اہوازی کی فوج پر گولیاں چلانے کا حکم دیا۔ اس خانہ جنگی سے فائدہ اُٹھا کر افغانوں نے ایرانیوں کو منتشر کر دیا۔ آخر ۲۳ اکتوبر ۱۷۲۲ء بمطابق ۱۱۳۴ھ کو شاہ حسین صفوی بالکل مایوس ہو گیا اور سیاہ کپڑے پہن کر محل سے نکلا۔ اور اپنی رعایا کی آہ و بکا کے ہنگامہ میں محمود کے پاس آیا اور طرہ شاہی اُتار کر محمود کی دستار میں لگا دیا اور کہا "بیٹے خدا کی مرضی نہیں میں تخت ایران پر بیٹھوں اب تم اس کے مستحق ہو۔ محمود نے جواب دیا کہ خدا جسے چاہتا ہے حکومت دیتا ہے۔ اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے" اس کے بعد شاہ ایران نے اپنی بیٹی کا نکاح محمود سے کر دیا۔ محمود نے اصفہان میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے ان لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ جنہوں نے شاہ ایران سے غداری کی تھی۔ اور کہا کہ جو لوگ اپنے آقا سے غداری کریں وہ ہمارے کیا فرمانبردار رہیں گے۔ اس کے بعد افغانوں نے ایران کی کئی شہروں پر قبضہ کر لیا اور کئی مقامات پر شکستیں بھی کھائیں۔ "پھر قزوین اور ہمدان کے شہروں پر قبضہ بھی لیا۔ جلفہ کے آرمینیوں نے ایک لاکھ چالیس ہزار دینار اور پچاس کنواری لڑکیاں دے کر جان بخشی پائی"۔ (از تاریخ اسلام حصہ سوم۔ از مرتضیٰ احمد خان میکش درانی)

قزوین کے لوگوں نے قابض افغان فوج پر اچانک حملہ کر کے دو ہزار فوجی مار دئے۔ باغیوں نے اصفہان کی راہ لی شاہ کا چچازاد بھائی اشرف تین سو افغانوں کے ساتھ قندھار لوٹ گیا۔ افغانوں کے قافلے یکے بعد دیگرے اصفہان پہنچے۔ تیسرے قافلے میں محمود کی ماں بھی تھی۔ جس کے بدن کے کپڑے تار تار ہو چکے تھے۔ وہ بھوکی پیاسی تھی گاجر چبا رہی تھی یہ دیکھ کر محمود نے تمام ایرانی امراء اور حسین صفوی کے تمام زمین نیز ۳۹ شہزادوں کو دیوانگی کے عالم میں قتل کر دیا۔ اس نے سُنی کردوں کو فوج میں بھرتی کر کے ان کی مدد سے خوانسار اور کاشان کی بغاوتیں فرو کیں۔ پھر شیراز کو فتح کیا۔ اس نے اصفہان کے انگریز اور ولندیزی اور ہندی تاجروں پر بھاری تاوان ڈالا۔

۱۱۳۸ھ میں محمود کو جنون ہو گیا۔اس لئے اشرف کی طرف سے وہ مارا گیا۔اور اس کی جگہ اس کا چچازاد بھائی اشرف تخت نشین ہوا۔

شاہ اشرف ہوتک

اشرف نے محمود کو قتل کرنے کے بعد اس کی ماں کو مقتول ایرانی شہزادوں کی قبروں پر نوحہ کرنے کے لئے بھیجا۔ اشرف ہوتک کے عہد میں ایرانی مقبوضات کی ابتری حد سے بڑھ گئی۔اس نے اصفہان میں قلعہ بنوا کر افغان فوجیوں کو اس میں رکھا۔اسی سال کے آخر میں روس اور خلافت ترکیہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس میں قرار پایا کہ افغانی ایران کو دونوں حکومتیں آپس میں بانٹ لیں۔ترکی فوج نے احمد پاشا کی قیادت میں افغانوں پر چڑھائی کردی۔شاہ اشرف نے علماء کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ مسلمان کو مسلمان کے خلاف تلوار نہیں اُٹھانی چاہیے ۔لیکن ترک نہ مانے آخر لڑائی ہوئی اور میدان افغانوں کے ہاتھ رہا لیکن اشرف نے صلح پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے ترک قیدی رہا کردئے روس اور ترکی کی مفاہمت اور ترکی کے ایرانی علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد طہماسپ مرزا کی حمایت کے اعلان کے بعد اشرف نے قسطنطنیہ کے دربار خلافت میں اپنے ایلچی بھیجے جنہوں نے ترکوں سے سوال کیا کہ تم ایران کے شیعہ بادشاہوں سے لڑنے میں حق بجانب تھے لیکن سُنی المذہب افغانوں کی مخالفت کیوں کرتے ہو۔اور افغانوں کو شکست دے کر شیعہ بادشاہ بنانے کے لئے کیوں کوشاں ہو؟ مزید برآں یہ کہ اس ناپاک مقصد کے حاصل کرنے کے لئے روس کے عیسائی مشرکوں سے اتحاد کر رہے ہو۔ ترکوں کے پاس افغانوں کے ان سیدھے سادے سوالات کا کوئی جواب نہ تھا۔قسطنطنیہ کے دینداروں طبقہ میں افغان ایلچیوں کی اس بات چیت سے افغانوں کے متعلق اچھے احساسات پیدا ہونے لگے۔لیکن چونکہ افغان ایلچیوں کی گفتگو کا لہجہ خالص افغانی تھا۔جسے شاہانہ درباروادی کے آداب کے منافی سمجھا گیا۔اس لئے دربار خلافت نے ایران کے افغان بادشاہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ترک سپہ سالار احمد پاشا ہمدان اور قزوین پر قبضہ کر کے اصفہان کی طرف بڑھا۔ملک اشرف نے چھاپہ مار کر دو ہزار ترکوں کا ایک دستہ تہ تیغ کر دیا۔احمد پاشا مورچہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ملک اشرف نے چار پٹھان ملاّ بھیجے جنہوں نے احمد پاشا سے بحث کی کہ راسخ العقیدہ مسلمانوں کا آپس میں لڑنا اور خونریزی کرنا شرعاً جائز نہیں۔افغان ملاّؤں کی بات چیت سے کچھ فوجی

ترک اور کرد بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے افغانی مسلمانوں کے خلاف لڑنے سے انکار کردیا اور لشکر سے باہر نکل گئے۔

احمد پاشا ساٹھ ہزار فوج اور ستر توپیں لے کر افغانوں سے نبرد آزما ہوا۔ افغانوں کے پاس صرف بیس ہزار سپاہ اور چالیس ہلکی توپیں (زنبورکیں) تھیں۔ افغانوں نے اس لڑائی میں بارہ ہزار ترکوں کا صفایا کردیا۔ اور احمد پاشا کو شکست دی۔ ملک اشرف نے بھاگتے ہوئے ترکوں کا تعاقب نہ کیا بلکہ خاطی مسلمانوں یعنی لڑنے والے ترکوں سے حسن سلوک کرتے ہوئے ان کے قیدی چھوڑ دیئے اور مال غنیمت واپس کردیا۔ اس پر ترک بہت شرمسار ہوئے۔ ۱۱۴۵ھ مطابق ۱۷۳۲ء میں ترکوں اور افغانوں کے درمیان صلح ہو گئی۔

ایک گڈریا جوڈاکو بنا یعنی نادر قلی افشار اس نے زور پکڑنا شروع کیا۔ اس نے محمود کیانی سے تبریز لیا۔ اور ابدالیوں سے ہرات چھینا ۱۱۴۱ھ مطابق ۱۷۲۲ء میں ملک اشرف افغان شاہ ایران خراسان پر چڑھائی کردی۔ اس سے پہلے محمود سیستانی شاہ حسین صفوی کے لڑکے طہماسپ سے مل گیا۔ جس نے استرآباد میں اپنی حکومت قائم کردی۔ شاہ اشرف ہی کے عہد میں قندھار میں شاہ محمود کے بھائی شاہ حسین غلجی نے اپنی خودمختاری اعلان کیا۔ جب نادر نے ہرات اور مشہد سے افغانوں کو بھگایا تو نہر مہمان دوست پر ملک اشرف اور نادر قلی کے درمیان جنگ ہوئی۔ نادر نے توپوں اور قواعد دان تفنگچیوں کی مدد سے افغانوں کو شکست دی۔ ملک اشرف نے پسپا ہو کر مُجر کے مقام پر مورچے بنائے۔ جو اصفہان سے چھتیس میل کے فاصلے پر شمال کی طرف واقع ہے۔ اس جگہ نادر اور اشرف کے رمیان جنگ ہوئی۔ ملک اشرف نے شکست کھائی۔ اور اصفہان کی طرف پسپا ہوا۔ اس فتح سے متاثر ہو کر ایرانی بوق در جوق نادر قلی کی فوج میں بھرتی ہونے لگے۔

ملک اشرف افغان خاندانوں کو لے کر شیراز کی طرف بھاگا نادر قلی بیس دن کے بعد اصفہان میں داخل ہوا۔ اس نے شاہ محمود افغان کا مزار مسمار کرادیا۔ اس کی نعش نکلوا کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کردئے۔ اس کی قبر میں نجاست بھروائی۔ اور اس طرح افغانوں کے خلاف ایرانیوں کے جذبہ نفرت وانتقام کا مظاہرہ کیا۔ ازاں بعد شہزادہ طہماسپ مرزا اصفہان پہنچ کر اپنے آباواجداد کے محلوں میں داخل ہوا۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس موقعہ پر اس کی بوڑھی ماں اس سے ملی جو سات سال بھیس بدل کر محلات شاہی میں خادمہ کے طور پر کام کر رہی تھی۔

۱۱۴۲ھ مطابق ۱۷۳۰ء میں افغان شیراز میں جا بیٹھے۔ نادر نے طہماسپ مرزا سے اپنے لئے ٹیکس لگانے کے اختیارات حاصل کئے۔ اور شیراز پر چڑھائی کردی۔ شیراز سے بیس میل بجانب شمال ارغان کے مقام پر ملک اشرف اور نادر کے درمیان تیسری جنگ ہوئی۔ افغانوں نے پھر شکست کھائی۔ ملک اشرف چاہتا تھا کہ نادر اُسے عزت ووقار سے اپنے وطن کو لوٹ جانے دے۔ لیکن نادر نے کہا کہ اگر افغانوں نے اپنے بادشاہ کو حوالے نہ کیا۔ تو سب کے سب قتل کردئے جائیں گے۔ افغان سردار اپنے بادشاہ کو نادر کے حوالے کرنے پر آمادہ تھے۔ لیکن ملک اشرف اپنے دوسو جانبازوں کے ساتھ نکل گیا۔ افغان لشکر تتر بتر ہونے لگا۔ ان کے دستے اور قافلے مختلف راستوں سے قندھار کی جانب چل پڑے۔ ایرانیوں نے تعاقب کرکے سب کا خاتمہ کردیا۔ ملک اشرف اپنے دو خادموں کے ساتھ دشت لوط میں آوارہ پھر رہا تھا کہ ایک بلوچ سردار عبداللہ خان نامی نے اسے پہچان کر قتل کردیا۔ اس کا سر اور ایک بڑا قیمتی ہیرا تحفہ کے طور پر شاہ طہماسپ کی خدمت بھیج دیا۔ اس طرح ایران میں افغانوں کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

اصفہان کی جنگ میں چار ہزار افغان میدان جنگ میں کام آئے۔ اصفہان سے شیراز جاتے ہوئے افغانوں نے شاہ حسین صفوی کو جو ان کی قید میں تھا، قتل کردیا۔

نادر آندھی اور طوفان کی طرح افغانوں کے تعاقب میں بڑھا چلا آرہا تھا۔ چنانچہ ۱۱۵۰ھ مطابق ۱۷۳۷ء میں نادر شاہ نے جو اب گڈریے سے ایران کا بادشاہ بن گیا تھا۔ قندہار پر چڑھائی کی۔ نادر نے قندہار کا محاصرہ کیا۔ قلعہ قندہار بہت مضبوط تھا۔ چنانچہ نادر نے ایک سال تک شہر کا محاصرہ کئے رکھا۔ قندہار کے بالمقام اس نے ایک نیا شہر نادر آباد کے نام سے بسایا۔ ملک حسین غلزئی نے نادر کی اطاعت قبول کی۔ اس سے پہلے نادر نے قلعے کے ایک برج پر قبضہ کیا اور اس پر توپیں چڑھا کر گولہ باری کی۔ شہریوں نے تنگ آکر اطاعت قبول کی۔ شاہ حسین خلجی نادر آباد میں آیا۔ نادر نے اسے بمعہ اہل خاندان گرفتار کیا۔ اور ان سب کو ماژندران میں جلاوطن کیا۔ اور کسی مناسب وقت پر انہیں قتل کرنے کا حکم دیا۔

اس طرح نادر نے اپنے وعدے کی خلاف ورزی کی۔ چنانچہ شاہ حسین ہوتک کو ایرانیوں نے زہر دے دیا اور ہندوستان سے واپسی جب نادر دریائے سندھ کے کنارے پہنچا تو ۱۱۵۲ھ میں اسے ملک حسین غلزئی کے مرنے

کی اطلاع ملی۔ باقی اہل خاندان کو بھی جو انیس یا اکیس افراد تھے۔ ایرغون نے ایذا دے کر شہید کیا۔ غالباً شاہ حسین کو حضرت میاں عبدالحکیم کاکڑی رحمہ اللہ کی بددعا کا آزار لگا جنھیں شاہ حسین نے قندہار سے زبردستی چند سال پہلے نکالا تھا۔

البتہ اہل قندہار کے ساتھ نادر شاہ نے رحیمانہ سلوک کیا۔ کیونکہ وہ خود بھی سُنی تھا۔ اس نے حکم جاری کیا کہ جو بھی صحابہؓ اور رسول ﷺ کو بُرا بھلا کہے گا اُسے قتل کیا جائے گا۔ اس طرح سے افغان جو کٹر سُنی ہیں اس سے خوش ہو گئے۔ خود نادر افغانوں کی بہادری سے بہت متاثر تھا۔ اس نے قندہار کے سقوط کے بعد بہت سے غلوئی قبائل کو نیشاپور کے علاقے میں آباد کرایا۔ اور ہرات کے ابدالیوں کو قندہار میں لا بسایا۔

نادر نے ہوتکوں کا قصر نارنج ڈھا دیا قندہار کی شہر پناہ کو بھی مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا۔ میر حسین شاہ محمود کے ایران جاتے ہوئے قندہار کا صوبہ دار تھا اس نے اپنے صوبے کا نہایت عمدگی سے انتظام کیا۔ اس کے عہد میں لکھی گئی اہم ترین پشتو کتاب "پٹہ خزانہ" کے مطابق حسین غلوئی ربیع الاول میں کلات میں سیوری کے علاقے میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی سلطنت میں غزنی کا پورا علاقہ شامل تھا۔ ۱۱۳۸ھ میں اس نے "شال" موجودہ (کوئٹہ) اور ژوب کے علاقے فتح کئے۔ ۱۱۳۹ھ میں اس نے ڈیرہ جات اور گومل کے علاقے پر قبضہ کیا۔ بہت قابل اور خوبصورت جوان تھا۔ اس نے اپنا سکہ اور خطبہ جاری کیا تھا۔ خود پشتو کا شاعر اور شاعروں کا قدردان تھا۔ اس کی ہمت فزائی سے فاضل ہوتک نے پشتو کا بے نظیر تذکرہ "پٹہ خزانہ" لکھا۔ ۱۱۴۵ھ اس میں میر حسین کی بھی ایک غزل شامل ہے۔ نادر افشار نے اپنے قندہار کے عہد نامے میں یہ بھی لکھا تھا کہ میر حسین کی فوج کا ایک حصہ ہندوستان پر حملے کے لئے نادر کے ساتھ جائے گا۔ اور شاہ حسین اس کی طرف سے قندہار کا گورنر رہے گا۔ مگر افسوس کہ اُس نے بدعہدی کرتے ہوئے شاہ حسین کو گرفتار کر کے شیعہ افسروں کی ماتحتی میں صوبہ ماژندران بھیج دیا۔

ہرات سبزوار اور قندہار کی لڑائیوں میں نادر افشار پشتونوں کی بے مثال شجاعت سے بہت متاثر ہوا تھا۔ قندہار کے محاصرے سے فارغ ہونے کے بعد اس نے پٹھانوں کی ایک نئی فوج مرتب کی جس میں بارہ ہزار ابدالی اور چار ہزار غلجی پٹھان شامل تھے۔ ابدالی فوج کے کمانڈر آٹھ آدمی اور غلجی فوج کے سربراہ دو آدمی تھے۔ اس ساری فوج کا

اعلٰی کمانڈر نور محمد خان علیزئی (ابدالی) تھا۔ اس فوج پر نادر شاہ کو بہت اعتماد تھا۔ اور اُسے یہ بہت عزیز تھی۔

قندہار کے صوبے کی ایرانی حکومت سے آزادی کے بعد ہرات کا صوبہ بھی اسد اللہ خان ابدالی کی سربراہی میں غلوئی حکومت سے آزاد ہوا۔ ہرات اور سبزوار کا علاقہ عرصہ محمود سیستانی کے تصرف میں رہا۔ شاہ محمود ہوتک کے قتل کے بعد اس علاقے میں بادشاہ گردی رہی۔ اور شاہ حسین غلوئی ابدالیوں پر ان کی بہت زیادہ قوت کے باعث اپنا اقتدار قائم نہ کر سکا۔ اور وہ خود مختار رہے۔

جب نادر شاہ نے ایرانی سلطنت کی عظمت بحال کرنے کے لئے ہرات اور سبزوار پر حملہ کیا تو ابدالیوں نے نادر شاہ کا مقابلہ بڑے صبر و تحمل سے کیا۔ قندہار سے میر حسین غلوئی نے تین ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ سیدال خان غلجی کی سربراہی میں ابدالیوں کی مدد کے لئے بھیجا۔ تو پٹھانوں نے بہت بہادری دکھائی۔ لیکن نادر شاہ کی فوج ظفر موج کے سامنے نہ جم سکے۔ کچھ جنگوں میں مارے گئے۔ کچھ بھاگ نکلے اور کچھ نے نادر کی اطاعت قبول کی۔ ان میں دو بھائی ذوالفقار خان اور احمد بھی تھے۔ جو سیدال خان ناصر کے ساتھ قندہار پہنچے۔ ہرات کی جنگوں میں بھی ابدالیوں نے ذوالفقار خان کی سربراہی میں حصہ لیا تھا۔ لیکن قیام قندہار کے زمانے میں شاہ حسین غلجی کے دل میں ذوالفقار خان اور احمد خان کے بارے میں شک وشبہ پیدا ہوا اور اس نے ان دونوں بھائیوں کو نظر بند کر لیا۔ سقوط قندہار کے بعد ان دونوں بھائیوں کو نادر شاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ نادر شاہ ہرات کی جنگوں میں ذوالفقار خان کی شجاعت سے بہت متاثر ہوا تھا۔ وہ ان دونوں بھائیوں کے خدوخال اور شرافت سے بہت متاثر ہوا۔ احمد خان کی عمر اس وقت پندرہ برس کی تھی۔ نادر شاہ نے ہندوستان جاتے وقت احمد خان کو ماژندران کے انتظام کے لئے بھیجا۔ احمد خان نے بہت خوش اسلوبی سے علاقے کا انتظام کیا۔ نادر شاہ نے احمد خان کی کارکردگی سے متاثر ہو کر اسے اپنی خاص فوج یا باڈی گارڈ دستے کا کمانڈر مقرر کیا۔

احمد خان کے باپ کا نام محمد زمان خان اور والدہ کا نام زرغونہ تھا۔ وہ ۱۷۲۵ء میں ہرات یا بقول کسے ملتان میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا جد امجد ملک سدو تھا۔ اسے ایران کے شاہ عباس صفوی کی طرف سے ہرات اور قندہار کے درمیان سڑک کی حفاظت کا کام سونپا گیا تھا۔

احمد خان سدوزئی ہندوستان اور ترکی کی مہموں میں نادر شاہ کے ساتھ تھا۔ نادر شاہ نے اسے اپنا مہتمم خزانہ بنایا۔ وہ

اکثر اپنے وزیروں اور امیروں کے سامنے کہا کرتا تھا۔ کہ اس نے ایران، توران اور ہندوستان میں کہیں ایسا شخص نہیں دیکھا جس میں وہ نمایاں خصوصیات موجود ہوں۔ جو احمد خان میں پائی جاتی ہیں۔ ایک دفعہ دہلی میں نظام الملک چین قلیچ خان نے لال قلعہ کے دیوان عام احمد خان کو جالی دروازہ میں بیٹھے ہوئے دیکھ کر کہا کہ اس کی قسمت میں بادشاہ ہونا لکھا ہے۔ اس وقت وہ چار ہزار ابدالی گھڑ سوار دستے کا افسر تھا اور ہمیشہ شاہی خیموں کے دوسرے دروازے پر موجود رہتا تھا۔

عظیم کاکڑولی میاں عبدالحکیم نانا صاحب رحمۃ اللہ نے اپنے قیام قندہار کے دوران ایک دن نوجوان احمد خان کو بازار میں سے گزرتے ہوئے دیکھ کر کہا تھا کہ اس نوجواں کی پیشانی سے بادشاہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے بعض لوگ درانیوں کی حکومت کو حضرت میاں صاحبؒ کی دعا کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔

۱۷۴۷ء میں نادرشاہ کے اپنے امیروں کے ہاتھوں مارے جانے پر نادر کا انتقام لینے کے لئے جب احمد خان ابدالی شاہی خیمہ گاہوں کی طرف گیا تو ایرانیوں نے اس پر حملہ کر دیا اور وہ جان بچا کر واپس آ گیا۔ احمد خان نے اپنے آقا کا آخری دیدار کرتے ہوئے شاہی مہر اس کی انگلی سے نکالی۔ اور کوہ نور ہیرا اور دوسری بیش قیمت چیزیں اپنے قبضے میں لیں۔ پھر اس نے اوزبکوں کو ساتھ ملا کر نادر کا انتقام لینے کی کوشش کی مگر تمام ایرانی اس کے مخالف تھے۔ لہذا جان بچا کر اور لڑتے بھڑتے وہاں سے نکل آیا۔ اپنا ابدالی دستہ اس کے ساتھ تھا۔

احمد خان کے ہمراہی چار ہزار ابدالی فوج نے اب قومی فوج کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ اور نور محمد خان علیزئی کی سالاری سے یہ فوج آزاد تھی۔ کیونکہ نادرشاہ اب بیچ میں نہ رہا۔ اس حیثیت میں یہ فوج قندہار پہنچی نادرشاہ کے مقرر کردہ اس فوج کے اس سالاروں یا کمانڈروں نے آپس میں فیصلہ کیا کہ ہماری غلامی کی اصل وجہ ہمارا باہمی انتشار اور ناانصافی ہے۔ پھر سب نے ایران سے تعلقات منقطع کرنے اور اپنے میں سے کسی ایک کو بہ اتفاق اپنا بادشاہ بنانے کا فیصلہ کیا۔

اس غرض کے لئے ان رہنماؤں نے علاقہ قندہار کی تمام اقوام مثلاً ابدالیوں، غلجیوں، بلوچوں، ہزاروں، قزلباشوں وغیرہ کے نمائندوں کو دعوت دی۔ قندہار کے قریب شیر سرخ بابا کے مزار میں یہ قومی اجتماع ہوا۔ اتنے نمائندوں میں بادشاہ کا انتخاب بڑا مشکل مرحلہ تھا۔ آٹھ دن تک یا آٹھ جرگوں کی صورت میں یہ مشاورت جاری

رہی۔ کیونکہ ہر قبیلے کا نمائندہ بادشاہ بنے کا خواہشمند تھا۔ مگر اولوالعزم نوجوان احمد خان سدوزئی ابھی تک خاموش تھا نہ تو خود اُس نے اپنے آپ کو بادشاہی کے لئے پیش کیا تھا۔ اور نہ کسی اور نے اس کا نام لیا تھا۔

نویں جرگے میں حاجی جمال خان محمد زئی کا نام سامنے آیا جس کی جدّ امجد محمد کو ایران شاہ عباس اعظم نے ملک سدو کے ساتھ بارک زئی قبیلے کا سربراہ مقرر کیا تھا۔ مگر بہت سے لوگ جمال خان کے مخالف بھی تھے۔ گو وہ طاقتور تھا۔ ان جِرگوں میں صابر شاہ نامی ایک بزرگ شخص بھی شریک تھا۔ اس نے نویں جرگے کے اختتام پر کھڑے ہو کر کہا کہ خدا کے لئے ان جرگوں کو چھوڑ دیں۔ احمد خان تم سب میں بادشاہی کے قابل ہے کیونکہ وہ بہت باوقار سنجیدہ اور ٹھنڈے مزاج کا مالک ہے۔ اور اللہ نے اُسے ہی بادشاہی کی اس ذمہ داری کو پورا کرنے کیلئے پیدا کیا ہے۔ اگر تم لوگوں نے انسے بادشاہ نہیں بنایا تو تم پر خدا کا قہر نازل ہوگا۔ پھر صابر شاہ نے اُٹھ کر پاس کے کھیت سے گندم کا ایک خوشہ توڑا اور لا کر احمد خان کی پگڑی میں لگا دیا اور کہا کہ اللہ اسے تیرا تاج بنا دے۔ اس پر سب لوگوں نے اپنے اپنے دعوے چھوڑ دئے اور احمد خان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ البتہ سردار جمال خان کی یہ بات بھی مان لی گئی کہ وزارت کا عہدہ بارکزئیوں اور بارکزئیوں میں محمد زئی کے لئے مخصوص ہوگا۔

احمد شاہ ابدالی: دُرّان ۱۷۴۷ء-۱۷۷۳ء

یوں اکتوبر ۱۷۴۷ء میں صرف تئیس (۲۳) سال کی عمر میں احمد خان سدوزئی پشتونوں کا بادشاہ بنا اور اس نے شاہ اور دُرِّ ان کا لقب اختیار کر کے ابدالی قبیلے کو دُرّانی کا نام دیا۔ مگر خزانہ خالی تھا۔ اس کا اہتمام غیب سے یہ ہوا کہ انہی دنوں سندھ اور پنجاب سے باج وخراج نادر شاہ کے لئے لے کر ایک قافلہ قندہار کے قریب سے گذر رہا تھا۔ یہ رقم بیس لاکھ اشرفی تھی۔ احمد شاہ ابدالی نے اس قافلے کو پکڑ کر نادر شاہ کے جانشین اور مستحق کی حیثیت سے بھی اس رقم پر قبضہ کر لیا۔ یہ رقم احمد شاہ نے اپنے سرداروں اور سپاہیوں میں تقسیم کی اور صلاح وفلاح کے دوسرے کام اس سے کئے۔

دُرّانی ابدال کی پہلی بیوی کی نسل سے ہیں۔ اس کا پوتا سلیمان عرف زیرک یا ژڑک ابن عیسیٰ پوپلزئی، بارکزئی، ملک زئی اور موسیٰ زئی قبیلوں کے آباؤ اجداد میں سے تھا۔ پوپلزئی قبیلہ میں عبداللہ عرف سدو کے نام پر اسی قبیلہ کی ایک شاخ پیدا ہوئی۔ اس کا دوسرا بیٹا خواجہ خضر ایک مرد پارسا تھا۔

احمد شاہ نے تخت نشینی کے بعد ابدالیوں اور غلجیوں پر مشتمل افغان فوج بنائی۔ اس نے قبائلی اتحاد پر توجہ دی۔ قبیلوں کا اندرونی انتظام ان کے رہنماؤں کے سپرد کیا اور امور حکومت کو باہمی مشورے سے طے کرنا شروع کیا۔ اس نے تمام اختیارات بادشاہ کی ذات میں جمع نہیں کئے۔ بلکہ خود کو پشتونوں کا بادشاہ کہا۔ وہ پشتو کا صاحب دیوان شاعر تھا بھی تھا۔ احمد شاہ نے اپنے مشیروں کے مشورے سے پہلے افغانستان کے ان علاقوں کو واپس حاصل کرنے کا ارادہ کیا جو مغل اور ایرانی سلطنت میں ابھی تک شامل تھے۔ پہلے غزنی کی طرف توجہ دی۔ کابل کا صوبیدار اب بھی وہی ناصر خان تھا۔ جو پشاور میں نادر شاہ کے سامنے سے بھاگ گیا تھا۔ اور بعد میں نادر شاہ نے اُسے کابل کا صوبیدار مقرر کیا تھا۔ اب ناصر خان کابل غزنی اور پشاور کے علاقوں کا حاکم تھا۔ جب احمد شاہ ابدالی نے اُسے اپنی اطاعت قبول کرنے کی دعوت دی تو ناصر نے خود کو مغل حکومت کا ملازم کہہ کر اطاعت سے انکار کیا اور مقابلے کی تیاری شروع کر دی۔

احمد شاہ نے سب سے پہلے غزنی کا رُخ کیا۔ وہاں کا حاکم بھاگ گیا۔ جب کابل پر چڑھائی کی۔ ناصر خان کی ساتھ نادر شاہ کی چھوڑی ہوئی بارہ ہزار قزلباشوں کی فوج بھی تھی۔ اس نے ہزارہ اور ازبکوں کو بھی بھرتی کیا مگران

دوقوموں نے احمد شاہ کے مقابلے سے انکار کیا۔ چنانچہ معمولی مقابلے کے بعد ناصر خان شکست کھا کر ضلع ہزارہ کی طرف بھاگا کابل پر احمد شاہ کا قبضہ ہوگیا۔ احمد شاہ نے ناصر خان کا تعاقب کیا اور پشاور پہنچا۔ اور دریائے سندھ کو عبور کر کے پچ ہزارہ کے علاقے پر قبضہ کرلیا۔ ناصر خان ہزارہ سے بھاگ کر لاہور پہنچا۔ اہل پشاور نے مئے پشتون احمد شاہ کا اپنے شہر میں فقید المثال استقبال کیا۔

ان دنوں یعنی ۱۷۴۸ء میں لاہور کا گورنر حیات اللہ خان تھا۔ جو ذکریا خان کا لڑکا اور احمد شاہ رنگیلا کی طرف سے مقرر کردہ تھا۔ پہلے تو گورنر لاہور نے محمد شاہ بادشاہ دہلی سے ناراضگی کے سبب احمد شاہ ابدالی کو لاہور پر حملے کی دعوت دی مگر جب احمد شاہ نے پیشقدمی کی تو مغل دربار نے منت سماجت کر کے اُسے منالیا۔ اور احمد شاہ ابدالی کے مقابلے کے لئے تیار کیا۔ ابدالی نے لاہور پہنچ کر شالامار باغ میں ڈیرے ڈال دئے۔ اور حیات اللہ خان کو جنگ نہ کرنے اور لاہور کو پرامن طور پر اس کے حوالے کرنے کا پیغام بھیجا مگر وہ لڑائی پر مائل تھا۔ آخر ۱۱ جنوری ۱۷۴۸ء کو جنگ ہوئی۔ حیات اللہ خان شکست کھا کر دہلی کی طرف بھاگا۔ لاہور ابدالی کے قبضے میں آ گیا۔ اس نے جمعہ خان خویشکی کو اپنا گورنر مقرر کر کے دہلی کی راہ لی۔

مغل بادشاہ محمد شاہ نے جب احمد شاہ ابدالی کی دہلی کی طرف پیش قدمی کا سُنا تو اس نے اپنے عہد احمد شاہ کی ماتحتی میں ساٹھ ہزار کی ایک بڑی مغل فوج اس کے مقابلے کے لئے بھیجی۔ اس فوج نے دریائے ستلج کے کنارے ماچھی واڑہ کے مقام پر ڈیرے جمائے۔ احمد شاہ ابدالی نے لدھیانہ کے قریب دریا کو عبور کر کے سرہند پر قبضہ جمالیا۔ جہاں دہلی کے منصبداروں کے اہل وعیال مقیم تھے۔ اس پر احمد شاہ مغل ماچھی واڑہ سے اُٹھ کر سرہند کی طرف بڑھا۔ یہاں مانک پور کے مقام پر دونوں لشکر آمنے سامنے آ گئے۔ سترہ دن تک توپ وتفنگ کی لڑائی ہوتی رہی۔ آخر کار احمد شاہ مغل نے احمد شاہ ابدالی سے صلح کی درخواست کی جو مؤخر الذکر نے اس لئے بخوشی قبول کی کہ اُسے اطلاع ملی تھی کہ اس کا حکومتی امور کا نگران اس کا بھتیجا لقمان خان قندہار میں اس کے خلاف سازشیں کر رہا ہے۔

صلح کی شرط یہ تھی کہ احمد شاہ ابدالی وزیر الملک قمر الدین خان کے بیٹے میر منّو کو پنجاب کا حاکم رہنے دے گا۔ ملتان کے حاکم زاہد خان ابدالی نے احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں تحائف بھیجے۔ احمد شاہ ابدالی نے اُسے ملتان کی

حکومت کی سند عطا کی اور چودہ لاکھ روپے لے کر قندھار واپس چلا گیا۔

بقول بعض اسی جنگ میں اور بقول دیگر اگلے سال یعنی ۱۷۴۸ء میں احمد شاہ ابدالی کی بارہ ہزار فوج نے دہلی کی طرف پیش قدمی کی تو احمد شاہ مغل کی سرکردگی میں کرنال کے قریب ایک بڑی مغل فوج نے اس کا مقابلہ کیا۔ ۱۱ مارچ ۱۷۴۸ء کو نماز چاشت میں مصروف مغل سپہ سالار میر قمرالدین خان خیمے میں توپ کا گولہ آ کر پھٹنے سے کلمہ پڑھتا ہوا شہید ہوا۔ لیکن وزیر بہادر بیٹے میر منو نے ابدالیوں کا جان توڑ مقابلہ کیا۔ اسی اثناء میں پشتونوں کے میگزین میں کسی وجہ سے اگ لگ گئی جس سے احمد شاہ ابدالی ہوشیاری سے پسپا ہوتا ہوا واپس قندھار پہنچ گیا۔ سرہند میں یہ مغلوں کی آخری فتح تھی۔ ۱۷۴۹ء میں ہرات کے گورنر نور محمد خان علیزئی کی احمد شاہ ابدالی سے عداوت اور بادشاہ کو مار دینے کی سازش کی باعث احمد شاہ ابدالی نے ہرات پر فوج کشی کی۔ چودہ دن کے محاصرے کے بعد اسے فتح کیا۔ پچیس ہزار فوج احمد شاہ کے ہمراہ تھی۔ نور محمد خان اور اس کے ساتھی سرداروں کو قتل کی سزا دی گئی۔ اس کے بعد احمد شاہ نے مشہد کا رُخ کیا۔ جہاں کے گورنر اور نادر شاہ کے پوتے شاہ رُخ کو سیستان کے میر عالم نے اس شہر میں قید کر رکھا تھا۔ تربت شیخ جام کے مقام پر احمد شاہ ابدالی نے میر عالم کو شکست دے کر مشہد کی گورنری شاہ رُخ مرزا کو قید سے نکال کر اس کے حوالے کی۔ اس کے بعد احمد شاہ نیشاپور کی طرف بڑھا۔ اہل شہر نے دروازے بند کر لئے۔ جب محاصرے نے طوالت کھینچی تو احمد شاہ واپس چلا آیا۔ مگر موسم کی نامہربانیوں کے باعث اس کی فوج کا آدھا حصہ تباہ ہو گیا۔

۱۷۴۹ء کے دسمبر کے مہینے میں احمد شاہ ابدالی نے اپنی فوج کے ساتھ دریائے سندھ کو عبور کیا اور پنجاب کی طرف بڑھا۔ اس وقت پنجاب کا حاکم وہی معین الملک میر منوں تھا۔ جس نے ایک سال پہلے سرہند کی لڑائی میں احمد شاہ ابدالی کو شکست دی تھی۔ اور اس کے صلے میں مغلیہ دربار نے اسے گورنر پنجاب مقرر کیا تھا۔ احمد شاہ ابدالی کی آمد کا سُن کر میر منوں مقابلے میں ڈٹ گیا۔ آخر خط و کتابت کے ذریعے مغل حکومت کی طرف سے چودہ لاکھ روپے خراج پر صلح ہوئی اور احمد شاہ واپس قندھار چلا گیا۔ اس کے بعد نیشاپور بھی فتح ہو گیا۔ اور ایرانی خراسان کا بڑا حصہ احمد شاہ ابدالی کی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ اسی سال اس کے سرداروں نے بلخ اور بدخشان کے علاقے فتح کر لئے۔

۱۷۴۷ء میں جب احمد شاہ پہلی مرتبہ ناصر خان کے تعاقب میں پشاور میں داخل ہوا تھا تو اہل پشاور نے ایک قومی ہیرو کی حیثیت سے اس کا بھرپور استقبال کیا تھا۔ اور پشاور کے بہت سے پشتون اس کی فوج میں شامل ہو گئے تھے۔ اور ہندوستان کی پہلی مہم کے بعد ابدالی نے ڈیرہ جات شکارپور اور ملتان میں اپنے حاکم مقرر کر دئے تھے۔

جن دنوں ابدالی خراسان کے معاملات میں مصروف تھا۔ پنجاب کے گورنر میر منوں نے اس سے ناجائزہ فائدہ اُٹھاتے ہوئے خراج کی مقررہ رقم کی ادائیگی میں پس وپیش کیا۔ اس پر ۱۷۵۱ء کے اواخر میں احمد شاہ ابدالی نے پھر پنجاب پر حملے کا ارادہ کیا۔ پہلے ایک قاصد کو میر منوں کے پاس بھیجا۔ مگر بات نہ بنی بلکہ میر منوں ابدالی سے لڑنے کے لئے چل پڑا۔ وہ لاہور سے چل کر تیس میل راوی کے اوپر خیمہ زن ہوا۔ مگر احمد شاہ ابدالی اُسے جل دے کر پشت کی طرف سے لاہور پہنچا اور شالامار باغ میں ڈیرے ڈالے۔ یہ سُن کر میر منوں شہر میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ احمد شاہ چار ماہ تک لاہور کا محاصرہ جاری رکھا۔ آخر میں خوراک کی کمی کے باعث دونوں تنگ آ گئے۔ میر منوں نے باہر نکل کر پشتونوں پر حملہ کیا مگر احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ احمد شاہ نے اسے معاف کر کے لاہور کا گورنر مقرر کیا۔ اس طرح پنجاب اور ملتان کے دونوں صوبے ابدالی سلطنت میں شامل ہو گئے۔ مغل بادشاہ دہلی نے بھی اس کی منظوردی، انہی دنوں کشمیر پر بھی ابدالی کا قبضہ ہو گیا۔

احمد شاہ واپس کندہار آیا اور ۱۷۵۶ء تک سلطنت کے اندرونی استحکامات اور انتظامات میں مصرف رہا۔ ۱۷۵۳ء میں میر منوں کی وفات پر ابدالی نے اس کے بیٹے کو گورنر پنجاب نامزد کیا۔ اور اس کی ماں مغلانی بیگم اس کی سرپرست بنی۔ اس پر کچھ شورش ہوئی اور دہلی کے بادشاہ ایک بڑی فوج بھیج کر لاہور پر قبضہ کیا وُر ایک مفسد اور سازشی شخص ادینہ بیگ کو پنجاب کا گورنر مقرر کیا۔ جس نے مغلانی بیگم کو گرفتار کر کے دہلی بھیج دیا۔ اس کا لڑکا پہلے ہی فوت ہو گیا تھا۔

اس سے باخبر ہو کر احمد شاہ ابدالی فوراً لاہور پر چڑھ آیا۔ آدینہ بیگ مقابلہ کئے بغیر دہلی بھاگ گیا۔ ابدالی بھی اس کے تعاقب میں دہلی پہنچ گیا۔ مغل بادشاہ ان دنوں اپنے امیروں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔ باشندے امراء کی بدعملیوں سے عاجز آئے ہوتے تھے۔ جب ابدالی دہلی سے بیس میل کے فاصلے پر تھا تو امرائے دربار نے اسی میر منوں کی بیوہ کو بطور سفارش کنندہ احمد شاہ کے پاس بھیجا۔ مگر جب بیوہ کی توہین کا جرمانہ ادا نہ کیا گیا تو احمد شاہ

نے آگے بڑھ کر دہلی پر قبضہ کرلیا۔ یہ جنوری ۱۷۵۷ء کا واقعہ ہے۔

اس موقع پر ابدالی کی مرضی کے قطعاً خلاف اس کے سپاہیوں نے دہلی میں لوگوں کے گھروں کو لوٹا اور اٹھارہ سال بیشتر نادر شاہی فوج کی طرح ابدالی فوج سے بھی لوگوں کو تکلیف پہنچی۔ احمد شاہ دہلی میں رُک گیا۔ اور اس کے ایک سردار جہان خان نے بالم گڑھ کا قلعہ فتح کرلیا۔ اور متھرا کو لوٹا۔ پھر خان جہان آگرے کی طرف بڑھا مگر یہاں جاٹ قوم نے اس کا سخت مقابلہ کیا اور اُس کے قابو میں نہیں آئی۔ قیام دہلی کے دوران ابدالی نے مغل بادشاہ احمد شاہ کی لڑکی کا نکاح اپنے بیٹے تیمور شاہ سے کیا۔ اور پنجاب اور سندھ کے صوبے شہزادی کے مہر میں تیمور شاہ کو دے دئے۔ اور یوں ان پر ابدالی کا قبضہ تسلیم کرلیا گیا۔ احمد شاہ ابدالی نے تیمور شاہ کو سندھ اور پنجاب کا گورنر اور جہاں خان کو اس کا وزیر مقرر کیا۔ دہلی میں اس نے میر منوں کے بھائی کو مغل سلطنت کا وزیر مقرر کیا۔ اور نجیب الدولہ یوسفزئی کو افواج کا سپہ سالار مقرر کرایا۔ احمد شاہ نے دہلی میں ایک ماہ چند دن قیام کیا۔ اکبر آباد سے واپسی پر بادشاہ عالمگیر ثانی اور سپہ سالار نجیب الدولہ نے مقصود تالاب پر احمد شاہ ابدالی کا استقبال کیا۔ محمد شاہ رنگیلے کی بیوہ ملکہ صاحبہ محل نے خواہش ظاہر کی کہ اپنی بیٹی کا نکاح احمد شاہ ابدالی سے کردے۔ احمد شاہ ابدالی نے شہزادی کو عقد زوجیت میں لے لیا۔ اور واپس قندھار کی طرف باگیں اٹھادیں یہ اس کی عظمت تھی کہ موقع سازگار ہونے کے باوجود تخت دہلی پر قبضہ نہ کیا۔

نادر شاہ ایرانی کے حملے اور احمد شاہ ابدالی کے پے در پے حملوں نے مغلیہ سلطنت کا رہا سہا وقار بھی ختم ہوگیا تھا۔ پنجاب میں سکھوں نے اور شمالی ہند میں مرہٹوں نے پرزے نکالے۔ احمد شاہ کے جاتے ہی سکھ پہاڑوں سے اُترے اور گڑبڑ پھیلانی شروع کی انہیں شکست خوردہ اور خائن آدینہ بیگ نے پٹھانوں کے خلاف اُبھارا۔ ادھر وزیر غازی الدین نے مرہٹوں کو لاہور پر قبضہ کرنے کی ترغیب دی۔ آدینہ بیگ کا بھی اس میں ہاتھ تھا۔ تیمور شاہ اور جہاں خان نے سکھوں کے تمام قلعے تباہ کر کے انہیں شکستیں دیں۔ مگر ان کا فساد ختم نہ ہوسکا۔ دراصل شاہی فوج کے آنے سے سکھ پہاڑوں میں بھاگ جاتے تھے۔ مگر فوج کے رُخ پھیرتے ہی پھر میدانی علاقے میں آکر فساد پھیلانے لگتے تھے۔ شہزادہ تیمور شاہ اور جہاں خان مرہٹوں کے سیلاب کو روکنے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ جب مرہٹوں نے پنجاب پر قبضہ کیا تو شہزادہ تیمور شاہ اور وزیر جہاں خان اپنی فوج کے ساتھ دریائے سندھ کو پار

کر کے قندہار کی طرف چلے۔

جب احمد شاہ ابدالی کو مرہٹوں کی اس گستاخی کا پتہ چلا تو مرہٹوں کو کچلنے کا ارادہ کیا۔ اسی اثناء میں ایک اور واقعہ پیش آیا۔ بلوچستان کے حکمران میر نصیر خان نے خود مختاری کا علم بلند کیا۔ حالانکہ احمد شاہ کی بادشاہی کے جرگے میں وہ بھی شامل تھا اور ہندوستان کے حملوں میں ابدالی کے ہمراہ رہا تھا۔ لیکن مرہٹوں کے پنجاب پر قبضہ کا سُن کر میر نصیر خان نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ احمد شاہ ابدالی کو اس بات کا یقین نہیں آیا۔ لہذا پہلے اپنے وزیر اعظم شاہ ولی خان کو صلح کے پیغام کے ساتھ نصیر خان کے پاس بھیجا۔ مگر نصیر خان جنگ کے لئے تیار تھا۔ دونوں میں مستونگ کے مقام پر جنگ ہوئی۔ شاہ ولی خان کو شکست ہوئی مگر نصیر خان نے اس کا تعاقب نہیں کیا۔ اور مستونگ میں ہی رُکا رہا۔ احمد شاہ نصیر خان کے خلاف بڑھا۔ نصیر خان قلات کی طرف پسپا ہوا اور شہر میں قلعہ بند ہو گیا۔ محاصے نے طول کھینچا احمد شاہ کو اس امر کی جلدی تھی کہ جلد سے جلد مرہٹوں سے پنجہ آزمائی کرے۔ مگر نصیر خان اپنی ضد پر اڑا رہا۔ آخر طے پایا کہ نصیر خان احمد شاہ کی بادشاہی تسلیم کرے گا۔ اور بیرونی دشمن کے مقابلے میں احمد شاہ کی مدد کرے گا۔ بلوچوں کی اس فوج کے اخراجات احمد شاہ کے ذمے ہوں گے۔ مگر اسے اندرونی کاروائیوں میں استعمال نہیں کیا جاسکے گا۔ اس کے بدلے میں نصیر خان کو شاہی خراج کی ادئیگی سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا۔ معاہدے کے استحکام کے لئے احمد شاہ نے نصیر خان کی بھتیجی سے نکاح کیا۔

اس فیصلے کے بعد احمد شاہ قندہار گیا اور ضروری کاموں سے فراغت کے بعد درہ بولان سے اُتر اور پشاور چلا گیا۔

احمد شاہ مغل کا خیانت کار وزیر غازی الدین نامی اپنے حلیفوں یعنی مہاراشٹر کے مرہٹوں کو تخت دہلی پر قبضہ کرنے کے لئے اُبھارنے لگا۔ آدینہ بیگ فتنہ پرداز نے پنجاب میں سکھوں کو مسلمان حاکموں کے خلاف اُبھارا۔ اور ان کی مدد سے جالندھر کو تاراج کر دیا۔ غازی الدین غداری کی تحریک پر مہاراشٹر دکن کے ہندو بادشاہ بالاجی پیشوا نے مرہٹوں کا ایک بھاری لشکر شمالی ہند اور پنجاب کی فتح کے لئے روانہ کر دیا۔ راجپوتانہ کے راجپوت اور نواح دہلی کے جاٹ بھی مرہٹوں سے مل گئے۔ نواب نجیب الدولہ سالار افواج ہندوستان نے اس بھاری لشکر کا جس کے ساتھ غدار غازی الدین اور احمد خان بنگش جیسے خود غرض مسلمان امرائے ہند بھی شامل تھے۔ مقابلہ کیا لیکن تاب نہ لا سکا اور سہارن پور چلا گیا۔ مرہٹے دہلی میں داخل ہو کر اس پر قابض ہو گئے۔ مرہٹوں کی کل تعداد دو لاکھ

تھی۔ان کے ایک لشکر نے سرہند پر حملہ کیا۔جہاں ابدالی کے ماموز عبدالصمد ممن زئی نے ان کا مقابلہ کیا۔گر شمشیر بدست لڑتا ہوا اسیر ہوا۔آدینہ بیگ نے سرہند پہنچ کر مرہٹوں کو خوش آمدید کہا اور انہیں ستلج کے پار لے آیا۔ جہاں خان نے جب دیکھا کہ وہ مرہٹوں کے اس دل بادل کو نہیں روک سکتا تو وہ شہزادہ تیمور شاہ کو لے کر چہار محل اور زرین آباد کی راہ سے پشاور کی طرف پسپا ہوا۔اور اس سال یعنی ۱۷۵۹ء میں مرہٹوں کا لشکر دریائے سندھ کے بائیں کنارے تک پہنچ کر پنجاب پر قابض ہو گیا۔

انہی دنوں دہلی کے عظیم عالم و عارف حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنے مرید نواب نجیب الدولہ کی معرفت احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان کے مشرکین کے خلاف بھرپور حملے کی دعوت دی اور اپنے خط میں تحریر فرمایا ''ہم اللہ بزرگ و برتر کے نام پر آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ اس طرف توجہ فرما کر دشمنان اسلام سے جہاد کریں۔تاکہ اللہ تعالیٰ یہاں آپ کے نامۂ اعمال میں اجر عظیم لکھا جائے اور آپ کا شمار اللہ کی راہ مین جہاد کرنے والوں میں ہو جائے۔آپ کو دنیا میں بے اندازہ غنیمتیں حاصل ہوں اور مسلمانوں کو کفارے کے چنگل سے نجات حاصل ہو۔''

احمد شاہ ابدالی کو پونا سے پنجاب کی طرف امڈ کر آنے والے سیلاب کا علم ہو چکا تھا۔مگر اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ اور اپنے وطن سے سینکڑوں میل دور کمک کے بغیر ایک غیر یقینی جنگ لڑنے کا تصور اس کے لئے پریشان کن تھا۔ حضرت شاہ والی اللہؒ نے اس کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے تحریر کیا ''مرہٹوں کو شکست دینا آسان کام ہے شرط یہ ہے کہ مجاہدین اسلام کمر کس لیں۔۔۔۔در حقیقت مرہٹے تعداد میں زیادہ نہیں مگر بہت دوسرے گروہ ان کے ساتھ شامل ہو چکے ہیں۔ان میں سے ایک گروہ کی صف کو بھی تتر بتر کر دیا جائے تو مرہٹے اس شکست سے کمزور ہو جائیں گے۔مرہٹہ قوم طاقتور نہیں ہے ان کی توجہ بس اپنی افواج جمع کرنے پر ہے جو تعداد میں چیونٹیوں اور ٹڈیوں سے بھی زیادہ ہو۔جہان تک شجاعت اور عسکری ساز و سامان کا تعلق ہے وہ ان کے پاس زیادہ نہیں ہے۔''

احمد شاہ ابدالی مغل گورگانی بادشاہ عالمگیر ثانی کی طرف سے مرہٹوں کے خلاف لشکر کشی اور سلطنت دہلی کر گرتی ہوئی ساکھ کی حفاظت کے لئے باضابطہ دعوت نامہ بھی مل چکا تھا۔اور احمد شاہ ابدالی صفر ۱۱۷۳ھ مطابق ستمبر ۱۷۵۹ء کو اٹک کے راستے سے اپنے پندرہ ہزار سواروں کے ساتھ روانہ ہو چکا تھا اور درہ بولان بلوچستان سے ہوتے ہوئے

۳ ربیع الاول ۱۱۷۳ھ ۲۵ اکتوبر ۱۷۵۹ء کو اپنے چالیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ دریائے سندھ کو اٹک کے مقام پر عبور کیا۔ شہزادہ تیمور اور جہاں خان کو اس نے پشاور سے اپنے ساتھ لیا تھا۔ اٹک میں موجود مرہٹہ فوج ابدالی کو دیکھ کر مقابلہ کئے بغیر لاہور تک پسپا ہوگئی۔ اور جب ابدالی اٹک سے آگے بڑھا تو مرہٹے لاہور سے چلے اور ستلج کو عبور کر کے انبالہ اور سہارن پور کے علاقے میں پہنچ گئے۔

محاصرہ قلات کے دوران ابدالی نے اپنے ایک سردار نور الدین خان کی ماتحتی میں ایک فوج مرہٹوں کی پیش قدمی روکنے کے لئے بھیجی تھی۔ دریائے سندھ کو عبور کر کے یہ فوج منزلیں مارتے ہوئے ملتان کی راہ سے وزیر آباد پہنچ گئی۔ اور وہیں رُک گئی۔ خود احمد شاہ ابدالی نے جب پنجاب میں قدم رکھا تو سکھ ڈر کے مارے جو بہت شورہ پُشت تھے چوہوں کی طرح اپنے بلوں میں جا چھپے۔

احمد شاہ ابدالی نے تیس ہزار فوج کے ساتھ قطب درہ کے مقام پر دریائے ستلج کو عبور کیا۔ اور سہارن پور کی طرف پیشقدمی کی۔ مرہٹے اس وقت غدار غازی الدین کی معیت میں کرنال کے مقام پر نواب نجیب الدولہ اور اودھ کے حاکم شجاع الدولہ سے لڑ رہے تھے۔ ابدالی کی آمد کی اطلاع پا کر مرہٹوں نے ان دونوں سرداروں سے صلح کر لی۔ غازی الدین غدار دہلی جا کر سیندھیا مرہٹہ کا لشکر احمد شاہ ابدالی کے مقابلے کے لئے آیا۔ مرہٹوں کا دوسرا لشکر مہار راو ہلکر کی سرکردگی میں سیندھا کی کمک کے لئے روانہ ہوا۔ سہارن پور میں روہیل کھنڈ کے پٹھان امراء نجیب الدولہ، حافظ رحمت خان بڑیچ، ان کے بیٹے عنایت خان، دوندے خان اور قطب خان دس ہزار لشکر لے کر احمد شاہ سے آن ملے۔

احمد شاہ نے سہارن پور سے دہلی کی طرف باگیں اُٹھائیں۔ شہزادہ تیمور شاہ اور سپہ سالار جہاں خان نے جو بارہ ہزار مجاہدین کے ہراول کے حفظ ما تقدم کے لئے آگے آگے تھے سیندھیا کے اسی ہزار لشکر کو شکست دے کر دہلی کے قریب بدنی یار بارلی کے مقام تک پسپا کیا۔ ابدالی نے بدلی پہنچ کر سیندھیا کے لشکر کا محاصرہ کیا۔ اور اسے شکست دے کر کلی طور پر تباہ کر دیا ان کا سردار دتا جی پٹیل بھی مارا گیا۔ بچے کھچے مرہٹے بھاگے۔ افغانوں نے پچیس میل تک ان کا تعاقب کیا۔ یہ جنگ ۱۷۶۰ء میں وقوع پذیر ہوئی۔

یہ دیکھ کر غدار غازی الدین اور جنکو مرہٹہ دہلی سے بھاگے اور سورج مل جاٹ کی پناہ میں چلے گئے۔ دریائے جمنا

کے مغربی علاقے میں مرہٹوں کی ایک فوج مکندرہ کے مقام پر پڑی تھی۔ ابدالی سالار شاہ پسند خان نے ناگہانی شبخون مار کر اس لشکر کو تباہ کر دیا۔ اس کا سردار چند ساتھیوں کے ساتھ جان بچا کر بھاگا۔

اب احمد شاہ ابدالی دہلی میں داخل ہوا۔ راجپوت راجاؤں نے معافی نامے اور نذرانے بھیجے۔ ابدالی نے جاٹوں کے قلعہ آرام گڈھ کو تاراج کر دیا۔ غازی الدین غدار اور جاٹوں کے سردار سوج مل نے بھی حافظ رحمت خان کی وساطت سے معافی مانگ لی۔ دہلی کے انتظامات درست کرنے کے بعد ابدالی نے جمنا کے بائیں کنارے انوپ گڈھ کے مقام پر کیمپ لگایا۔ جہاں روہیل کھنڈ کے پٹھان امراء عسکری جمعیتیں لے کر ابدالی کی فوج میں داخل ہو گئے۔ اب ابدالی کی فوج کی تعداد ساٹھ ہزار نفوس تک پہنچ گئی۔

پنجاب اور وادی جمنا میں ابدالی کے ہاتھوں پے در پے شکست کھانے کے بعد مہاراشٹر کے مرہٹوں میں بہت جوش پھیلا۔ مرہٹوں کے راجا پیشوا بالاجی نے جو تخت دہلی پر بیٹھ کر بادشاہ ہند بنے کے خواب دیکھ رہا تھا قسم کھائی کہ جب تک ہندوستان سے بابر کی نسل کو نہیں مٹاؤں گا اور دہلی کے تخت پر قبضہ نہ کروں آرام سے نہیں بیٹھوں گا۔ آرام نہیں کروں گا۔ اس نے چار مہینے میں مرہٹوں کا ایک ٹڈی دل لشکر اکٹھا کر کے اپنے بھائی شیو راؤ بھاؤ اور دیگر مرہٹہ سرداروں کی سرکردگی میں دہلی کی طرف روانہ کر دیا۔ مرہٹہ پیشوا نے اس لشکر کے ساتھ اپنے بیٹے بسواس راؤ بہادر کو بھی بھیجا تاکہ افغانوں پر فتح حاصل ہونے کے بعد مرہٹے اسے تخت دہلی پر بٹھا دیں۔ اس کے ہمراہ ایک بڑا بُت بھی تھا جسے فتح کے بعد جامع مسجد دہلی کے اوپر نصب کرنا تھا (معاذ اللہ) پہلے بسواس کو تخت بٹھانے کا ارادہ کیا۔ بعد میں ابدالی سے نمٹنے کے بعد تخت نشین کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ مرہٹوں کا یہ عظیم دل بادل لشکر جس کی تعداد کم سے کم تین لاکھ بیان کی جاتی ہے۔ اس شان سے عین برسات میں مہاراشٹر سے چلا کہ بقالوں بزازوں شربت فروشوں۔ عطاروں، تیلیوں اور بنیوں وغیرہ کا بہت بڑا چلتا پھرتا بازار ساتھ تھا۔ کمہار برتن بناتے اور پکاتے ہوئے ساتھ ساتھ تھے۔ ہاتھی اور گھوڑے بے شمار تھے۔

دکن کا ایک مسلمان ابراہیم خان گاردی مرہٹوں کے توپخانے کا افسر تھا میں وہ توپیں بھی تھیں جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریزوں نے مرہٹوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انہیں دی تھیں۔

مرہٹوں کا یہ جم غفیر منزلیں مارتا ہوا دہلی کے نواح میں پہنچا۔ راجپوتانے کے راجپوت اور نواح متھرا کے جاٹ

بھی جوق در جوق ان کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ غازی الدین اور سورج مل جاٹ ان کا استقبال کر کے دہلی میں لے آئے۔ تھوڑے سے افغانوں نے اپنے منصب دار یعقوب علی خان کی سرکردگی میں ان کا مقابلہ کیا۔ لیکن تاب مقاومت نہ لا سکے۔ اور مرہٹہ سرداروں سے بات طے کر کے جمنا کو عبور کرتے ہوئے انوپ شہر اپنے لشکر میں پہنچ گئے۔

۹ ذی الحجہ ۱۱۷۳ھ کو مرہٹے دہلی میں داخل ہوئے۔ انہوں نے دیوان خاص کی نقرئی چھت اُتاری۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور دیگر اولیاء کے مزارات کو لوٹا۔ غازی الدین اور سورجمل بہانہ بنا کر شہر سے نکل گئے۔ اور ابدالی کے ڈر سے مرہٹوں کی مدد کے لئے دوبارہ نہیں آئے۔ سداشیوراؤ بھاؤ نے دہلی کے انتظامات کو شنکر برہمن کی تحویل میں دے کر دو ماہ بعد کنج پورہ نزد کرنال کے قلعہ پر حملہ کیا۔ جہاں سے ابدالی لشکر کے لئے رسد آ رہی تھی۔ نواب نجابت خان غورغشی اپنے قلیل ساتھیوں کے ساتھ شمشیر بدست شہید ہوئے۔ قلعے پر مرہٹوں کا قبضہ ہو گیا۔ یہ سُن کر احمد شاہ ابدالی انے اپنے لشکر کو حرکت دی۔ دریائے جمنا طغیانی پر تھا مگر اچانک پانی کم ہو گیا۔ ابدالی اور اس کی فوج نے گھوڑے دریا میں ڈالے اور اسے عبور کر کے دائیں کنارے پر کنج پورہ کا قصد کیا۔ مرہٹے قلعہ چھوڑ کر پانی پت کی طرف پسپا ہوئے۔ اور وسیع میدان میں مورچے بنا کر ڈیرے جمائے۔ ابدالی بھی لشکر لئے ان کے سر پر آ پہنچا۔ ابدالی کے سالار شاہ پسند خان چند میل شمال میں سنبا لگ کے مقام پر پڑی مرہٹوں کی ایک اور فوج پر حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا۔ خود ابدالی نے چھ میل لمبے محاذ پر مرہٹوں کے جم غفیر کے سامنے ڈیرے جمائے۔ ساٹھ ہزار افغانوں کے مقابلے میں مرہٹوں کی فوج کا اقل قلیل اندازہ پانچ گناہ تھا۔ مرہٹوں کو اپنے ملک میں ہی ہونے کے باعث برابر رسد اور کمک مل رہی تھی۔ جبکہ ابدالی کو اپنے ملک سے مدد اور کمک ملنے کی کوئی اُمید اور سبیل نہ تھی۔ دونوں فوجیں تین ماہ تک ایک دوسرے کے مقابل پڑی رہیں۔ ابدالی نے اپنی فوج کے دستوں کو مرہٹہ کیمپ کے اردگرد تیس میل کے دائرے میں اس طرح پھیلا دیا کہ ان پر رسد رسانی کی راہیں مسدود ہو جائیں۔ ان چھاپہ مار دستوں نے ایک ایسی مرہٹہ جمعیت کا صفایا کر دیا جو دہلی سے مال و دولت کے ذخائر پانی پت لا رہی تھی۔ مرہٹوں نے دس ہزار کا ایک لشکر گوبند پنڈت کے زیر سرکردگی جمنا کے پار اودھ اور روہیل کھنڈ کے علاقے کو تاراج کرنے کے لئے بھیجا تا کہ ان علاقوں سے احمد شاہ ابدالی کے لشکر کے لئے

آنے والی رسد اور کمک بند کی جاسکے۔ احمد شاہ کے نوآمدہ سالار نوجوان عطائی خان نے پانچ ہزار سواروں کی جمعیت لے کر اس لشکر پر چھاپہ مارا اور گوبند پنڈت سمیت ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا دریں اثناء دونوں لشکروں میں روزانہ بھی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ ابدالی نے جنگ چپاول کے ان دلیرانہ اقدامات سے مرہٹوں کو کافی پریشانی دہراساں کیا۔ آخر مرہٹوں نے جو رسدہ وغیرہ کی دقیتیں محسوس کر رہے تھے۔ اور غلاظت اور گندگی کے ڈھیروں سے ان کی جان پر آبنی تھی۔ آلاخر ۱۱۷۴ھ مطابق ۶ جنوری ۱۷۶۱ء کو توپوں کی باڑ چلا کر افغانی لشکر پر عام دھاوا بول دیا۔

مرہٹوں کے ہجوم کر کے احمد شاہ کے میسرہ یعنی بائیں بازو کو بہت نقصان پہنچایا۔ نجیب الدولہ روہیلہ اور سردار عنایت خان دس ہزار جوانوں کے ساتھ مرہٹوں کے نرغے میں آگئے۔ عطائی خان پانچ ہزار نفری کے ساتھ شہید ہوگیا۔ مرہٹوں کے دائیں بازو کو منجمد ہونے کی اُمیدیں بڑھنے لگیں۔ احمد شاہ ابدالی نے عین اس حال میں قلب کے تازہ دم بارہ ہزار زرپوش شاہی رسالہ کو جو غلامان ''صف شکن'' کے نام سے موصوف تھا حملہ کرنے کا حکم دیا۔

پہلے ایک ہزار سواروں نے آگے بڑھ کر دشمن پر فائر شروع کیا۔ ان کے پیچھے ایک ہزار کا دوسرا دستہ روانہ ہوا۔ اس طرح تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد بارہ دستے مرہٹوں کے سیل واں کے سامنے سدِّ آہنی کی طرح ڈٹ گئے۔ افغانی توپخانہ نے مرہٹوں کے توپخانہ میں کھلبلی ڈال دی۔

اس کے بعد سارا لشکر مرہٹوں پر ٹوٹ پڑا۔ اور نیزہ وتلوار خنجر اور کٹار کی دست بدست لڑائی شروع ہوگئی۔ مرہٹوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ سراسیمہ ہوکر بھاگنے لگے۔ پانی پت کا میدان دو لاکھ مرہٹوں کی لاشوں سے پٹ گیا۔ افغانوں نے چالیس میل تک بھاگتے ہوئے مرہٹوں کا تعاقب کیا اور ہزاروں بھاگتے ہوئے مارے گئے۔ مرہٹوں کے تمام بڑے بڑے سردار سداشیوا رؤ بھاؤ، بشواس راؤ، گائیکواڑ وغیرہ میدان میں کھیت رہے۔ ہلکر لنگڑا ہو کر بھاگا۔ جنکو بھاگتے ہوئے مارا گیا۔ مال غنیمت میں نقدی کے انباروں کے علاوہ پچاس ہزار گھوڑے دو لاکھ گائیں پانچ سو ہاتھی اور کئی ہزار اونٹ افغانوں کے ہاتھ لگے۔ بائیس ہزار مرہٹے گرفتار ہوئے صرف ابراہیم گاردی کو غدار مسلمان ہونے کی وجہ سے قتل کرا دیا۔ اور باقیوں کو چھوڑ دیا گیا۔ ان میں سے اکثر کو نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ نے زادِ سفر دے کر اپنے وطن کو روانہ کیا۔ ہر افغان مجاہد نے جنگ میں تین آدمیوں کو قتل کیا۔ اور دو کو

گرفتار کیا۔ افغانوں کے بیس ہزار سپاہی شہید ہوئے۔

جب بالا جی باجی راؤ مرہٹہ سرداروں کی طرف سے اس مضمون کی چھٹی پہنچی کہ اتنے ہیرے (شاہی خاندان کے افراد) اتنے لعل (فوجی افسران) او تنے روپے (عام سپاہی) تلف ہو گئے۔ تو سب کچھ تیاگ کر ایک مندر مین جا بیٹھا اور اس غم مین ایک ماہ کے اندر مر گیا۔ مہاشٹر میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس کا کوئی فرد پانی پت میں نہ مارا گیا ہو ۔لہذا تمام ملک میں کہرام بپا رہا مرہٹے مدتوں تک پھٹے کپڑے پھٹے جوتے آوارہ گردی کرتے رہے اور بھیک مانگ کر گزارہ کرتے رہے

پانی پت کی تیسری لڑائی نے مرہٹوں کی عسکری طاقت کا قلع قمع کر دیا۔ اس فتح عظیم کے بعد احمد شاہ ابدالی دہلی پہنچا مگر اس اولوالعزم او عالی ظرف فاتح نے اب بھی دہلی کے تخت پر بیٹھنا اور تاج شاہی زیب سر کرنا خلاف شیوہ جوانمردی خیال کیا ابدالی نے امرائے ہند کے مشورہ سے شہزادہ عالی گوہر کو جو بنگال میں تھا اس کی غیر حاضری میں ہندوستان کا بادشاہ نامزد کیا جو بادشاہ بننے کے بعد شاہ عالم ثانی کہلایا او امور مملکت کے انصرام کے لئے اس کے بیٹے مرزا جواں بخت کو نائب سلطنت مقرر کیا۔ ایرانی نژاد شیعہ شجاع الدولہ کو فرزند خان اور رستم ہند کا لقب دے کر وزیر اعظم بنایا او سپہ سالاری کے منصب پر نواب نجیب الدولہ کو فائز کیا پشتونوں کی حفاظت کے خیال سے شجاع الدولہ کو اپنے ساتھ افغانستان لے جانا چاہا کہ حافظ رحمت خان نے کہا کہ ہندوستان والے کہیں گے کہ ہمارا ایک آدمی تھا اسے بھی افغان چھین کر لے گئے ۔ مردم شناس ابدالی کی بات اس وقت بالکل صحیح ثابت ہوئی جب لکھنو کے اسی شجاع الدولہ نے انگریزوں کے ذریعے نہ صرف حافظ رحمت خان کو ۱۷۷۴ء میں شہید کیا بلکہ روہیل کھنڈ کی پشتون ریاست کو ختم کر کے ہزاروں روئیلوں کو شہید کیا۔ ابدالی کا خیال تھا کہ ہندوستان کے مسلمان مرہٹوں کا زور ٹوٹ جانے کے بعد اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں گے مگر انحطاط کے مرض میں مبتلا مسلمان کبھی اٹھ نہ سکے اور بدیسی انگریزوں نے آہستہ آہستہ ہندوستان پر اپنے خونی پنجے گاڑے۔ مرہٹوں کی شکست سے پنجاب کے سکھ اس قدر خائف ہوئے کہ آبادیوں کو چھوڑ کر جنگلوں میں چلے گئے۔ ابدالی نے پنجاب سے گزرتے وقت زین خان مہمند کو صوبے کا حاکم مقرر کر دیا

ابدالی کے قندہار پہنچنے پر سکھوں نے غاروں سے نکل کر پھر شورش برپا کر دی اس مرتبہ ان کا سرغنہ بجائے مسلمان

غدار آدینہ بیگ متوفی ۱۷۵۹ء کے جسا سنگھ نامی بھنگیوں کی مثل کا ایک سردار تھا۔ ۱۷۶۲ء میں اس نے لاہور پر چڑھائی کر کے زین خان کو نواں کوٹ کے قصبہ میں محصور کیا۔ سکھ پنجاب او کشمیر میں اپنی حکومت قائم کرنے کے در پے تھے۔ ابدالی یہ سن کر برق رفتاری سے لاہور پہنچا۔ ۱۷۶۳ء جسا سنگھ اپنے سکھوں کو لے کر امرتسر چلا گیا۔ جہاں جنڈیالہ اور کوب کے مواضع میں افغانی سپاہ اور پنجابی مسلمان سکھوں کے محاصرے میں بڑے داد شجاعت دے رہے تھے۔ ابدالی نے جنڈیالہ اور کوب میں سکھوں کو شکست دی۔ بہت سکھ مارے گئے۔ باقی ستلج عبور کر کے سرہند کی طرف بھاگ گئے۔ جہاں ان کی جمعیتیں پہلے ہی شورش برپا کر رہی تھیں۔ ابدالی بجلی کی طرح مارچ کرتا ہوا سرہند پہنچا اس کے لشکر نے دو شب اور روز میں ۱۲۳ میل یلغار کی۔

سکھ بھاری لشکر لے کر آمادہ پیکار ہوئے۔ رجب ۱۱۷۵ھ مطابق ۱۷۶۲ء میں جنگ ہوئی، ستر ہزار سکھ سواروں او پیادوں میں سے پچیس ہزار افغانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ سکھ اس لڑائی کو "گھلو گھارا" یعنی کشتار اعظم کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس کے بعد سکھ مدتوں خاموش رہے۔ احمد شاہ ابدالی نے دہلی سے سپہ سالار نجیب الدولہ کو سرہند بلایا اور اس ولایت کے امن کی ذمہ داری اس کے کندھوں پر ڈال دی۔ اس نے پٹیالہ میں ایک وفادار سکھ سردار امیر سنگھ کو جاگیر بخشی۔ ابدالی نے مزید ایک سال لاہور مین قیام کیا۔ اور ۱۷۶۴ء میں قندھار چلا گیا ۱۷۶۰ء میں ابدالی اپنے وزیر اعظم شاہ ولی خان کو چھ ہزار سوار دے کر بلخ، بدخشاں او قطغن کی طرف روانہ کیا۔ اس نے دریائے جیمون کو عبور کر کے مملکت بخارا پر یلغار کی۔ بخارا کا حکمران صلح کا طالب ہوا۔ دریائے جیمون کو بخارا اور افغانستان کی سرحد قرار دینے پر صلح ہوئی۔ واپسی پر شاہ ولی خان فیض آباد سے حضرت رسول اکرم ﷺ کا خرقہ مبارک اُٹھا لایا جو قندھار کی اسی نام کی درگاہ میں رکھا گیا۔ ۱۷۶۴ء میں ابدالی نے ہرات کے نواح میں ایما قوں کی بغاوت فرو کی سکھوں نے بے شمار افغانوں کو شہید کیا ۔ سرہند۔ قصور اور ماہر کوٹلہ کو لوٹا۔ یہ سن کر احمد شاہ ابدالی ۱۷۶۶ء میں آخری مرتبہ پنجاب آیا مگر اس بار صلح اور دلجوئی کا مظاہرہ کیا۔ لھما سنگھ نامی ایک سکھ کے قد و قامت شخصیت اور بھادری سے متاثر ہو کر اسے سرہند کا حاکم بنایا جو بعد میں ریاست بٹیالہ کا بانی بنا۔ مگر سکھوں کی شورش پھر بھی ختم نہ ہوئی ابدالی کی واپسی پر انہوں نے پہاڑوں سے اُتر کر روہتاس تک کے علاقے کو لوٹا ابدالی پھر پنجاب آنا چاہتا تھا مگر ۱۷۷۰ء میں ایرانی خراسان مین شارخ مرزا کے بیٹے نصر اللہ مرزا نے بغاوت کی جسے

تیمور شاہ اور نصیر خان بلوچ نے فرو کیا۔

سالہا سال کی مہموں فوج کشیوں اوسفروں کے باعث ابدالی کی صحت گرنے لگی تھی۔اس نے اپنے بڑے بیٹے تیمور شاہ کی ولی عہدی کے واعدے تمام امراء اور سرداروں سے لئے۔آخر سالوں میں اس کی ناک کے بانسے مین ایک پھوڑا نکل آیا تھا۔جو دن بہ دن باعث تکلیف بنتا گیا۔وہ آخری دنوں میں توبہ آچکزئی کے پہاڑی علاقے موضع مرغہ میں تبدیلی آب وہوا کے لئے گیا۔مگر ۱۷۶۴ء سے جاری بیماری میں افاقہ نہ ہوا۔اور ۱۱۷۶ھ مطابق ۱۷۷۳ء میں صرف ۴۹ سال کی عمر میں ۲۶ سال کی حکومت کے بعد اسی بیماری سے فوت ہو گیا۔اس کی لاش قندھار لا کر اس کے تعمیر کرائے ہوئے مقبرے میں دفنا دی گئی۔اس کی خرقہ مبارک کے پہلو مین زیارت گاہ ہے۔

احمد شاہ ابدالی بہت بڑا فاتح،دلیر سپاہی،عادل حکمران،شریف النفس اور شاعر وادیب اور بڑی حد تک متقی تھا۔ افغان اسے عقیدتاً ''بابا'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔اس نے تمام پشتون قبائل کو ایک لڑی میں پرویا اور ان میں سے ہو کر ان کے مسائل مربیانہ اور برادرانہ طریقے سے حل کرتا تھا۔

احمد شاہ ابدالی بڑا دور اندیش تھا اس نے ۱۷۶۷ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کو ختم کرنے کا ارادہ کیا اور دہلی تک پہنچ گیا۔مگر ہندوستان کے دیگر مسلمان حکمران اس پر راضی نہ ہوئے اور بنگال تک احمد شاہ کی طوفانی پیش قدمی کا ساتھ نہ دے سکے احمد شاہ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ لوگ اس کے خلاف ہی لڑنا نہ شروع کردیں۔شاید اس میں بھی انگریزوں کی ریشہ دوانی کارفرما تھی جو احمد شاہ ابدالی سے ڈرتے تھے اس لئے دیسی حاکموں کو اس سے ڈرایا۔

احمد شاہ کی کامیابی پشتونوں سے عزیز داری اور قرابت داری کے باعث تھی۔البتہ بعد میں درانی قوم نے ایک امتیازی اور شاہی قوم (Royal Family) کی حیثیت اختیار کرلی اور باقی پشتون قبائل خصوصاً سب سے بڑا قبیلہ غلجی احساس کمتری کا شکار ہو گیا۔اور افغانستان کی بادشاہی درانیوں کا حق سمجھی گئی جس سے درانی احساس برتری میں مبتلا ہو گئے۔

تیمور شاہ ۱۷۷۳ء و ۱۷۹۳ء

احمد شاہ ابدالی نے چار فرزند چھوڑے (۱) تیمور شاہ (۲) سلیمان شاہ (۳) سکندر شاہ (۴) پرویز۔

ولی عہد تیمور شاہ باپ کے مرض الموت میں اس سے ملنے آیا مگر وزیر شاہ ولی خان نے ملنے نہ دیا۔ کیونکہ وہ دوسرے شہزادے اور اپنے داماد سلیمان کو تخت پر بٹھانا چاہتا تھا۔ اس پر تیمور شاہ نے جو ہرات اور خراسان کا گورنر تھا۔ وزیر شاہ ولی خان کو انکو خان بایمزی کے ذریعے مروادیا۔

تیمور شاہ نے اپنے بھائی شہزادہ سلیمان کو معاف کردیا سلیمان کا اتالیق مشہور پشتو شاعر اور عالم پیر محمد کاکڑ تھا تیمور شاہ نے تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی سونے چاندی پر اپنے باپ احمد شاہ ابدالی کی طرح فارسی کا یہ شعر لکھوادیا۔

چرخ می آرد طلا و نقرہ از خورشید و ما تا زند بر سکہ نقش سکہ تیمور شاہ

اور اپنی مہر پر یہ عبارت کندہ کروائی:۔

علم شد از عنایات الٰہی

بہ عالم دولت تیمور شاہی

احمد شاہ ابدالی کے ماموں نے بغاوت کر کے کابل میں تیمور شاہ پر حملہ کیا۔ مگر شکست کھائی اور اس کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں۔ درانیوں سے بدظن ہو کر تیمور شاہ نے مغول اور قزلباش اقوام کو اپنا معتمد بنایا۔ چونکہ وہ بہت سالوں تک ہرات اور خراسان میں رہا تھا۔ اس لئے ایرانی تہذیب اور ایرانی زبان فارسی کا لدادہ تھا۔ اور پشتو کی بجائے فارسی کو ترجیح دیتا تھا۔

تیمور شاہ کے کچھ پشتو اشعار بھی یادگار ہیں اور بقول بعض اس کا پشتو دیوان بھی غیر مطبوعہ موجود ہے۔ وہ گرمیوں میں آٹھ ما کابل، سردیوں میں چار ما پشاور میں رہا کرتا تھا۔ وہ ایک بہت وسیع سلطنت کا مالک بنا۔ وہ عیاش اور رنگین مزاج تھا اس کے حرم میں تین سو عورتیں جمع تھیں۔ اس نے مختلف پشتون قبائل میں شادیاں کیں اور ۲۳ بیٹے چھوڑ مرا۔

پشاور کے ایک رئیس فیض اللہ خان خلیل نے تیمور شاہ کو راہ سے ہٹانے کی سازش کی۔ اس نے پچیس ہزار سوا لادو پیادہ فوج تیار کی اور بظاہر سکھوں سے جنگ کا ارادہ ظاہر کیا۔ مگر وہ اچانک شاہی قلعہ پشاور یعنی بالا حصار میں جا

گھسا تیمور شاہ اس وقت محل سرا میں سو رہا تھا۔ سازشی فوجی شاہی مطبخ انواع و اقسام کے کھانوں پر ٹوٹ پڑے شور سن کر بادشاہ خواب سے بیدار ہوا۔ اور اپنے محافظ دستے کو باغیوں سے لڑنے کا حکم دیا۔ محافظ دستے نے باغیوں کو جو پگڑیاں باندھے ہوئے تھے چن چن کر قتل کیا۔ پشاور اور نواح میں چھ ہزار کے آدمی مع بعض دستار بند علماء مارے گئے۔ فیض اللہ اور اس کے بیٹے کو تیمور شاہ نے بڑی اذیت دے کر قتل کر ڈالا۔ بڑے ولی اور عارف میں شیخ عمر چمکنیؒ کے بیٹے محمدی صاحبزادہ کا گاؤں بھی سازش میں شریک ہونے کی بنا پر تاراج کئے جانے کا حکم صادر ہوا۔ مگر ان کے بعض ہوا خواہاں اور وفاداروں کی سفارش پر بعد میں انہیں معاف کر دیا گیا۔ چونکہ خواجہ یعقوب خان خواجہ سرا نے بادشاہ کی خواب گاہ تک چاول ڈال کر باغیوں کی رہنمائی کی کوشش کی تھی۔ اس لئے اسے بھی بادشاہ نے قتل کرا دیا۔

تیمور شاہ کے عہد میں ساٹھ ہزار خونخوار سکھوں نے دریائے چناب اور دریائے راوی کو عبور کر کے ڈیرہ اسماعیل خان اور ڈیرہ غازی خان پر جو کہ تیمور شاہ کے محروسہ علاقے تھے۔ حملہ کرنا چاہا۔ تیمور شاہ نے زنگی خان کو ان کے مقابلے پر بھیجا۔ وہ تیس ہزار سکھوں کا پر غرور سر کاٹ کر اور اونٹوں پر لاد کر لایا۔ پھر بادشاہ نے اپنے اور زانگی خان کی فوج کو ساتھ لے کر ملتان کا محاصرہ کیا۔ سکھ اپنا مال و اسباب ساتھ لے کر باہر نکل گئے۔ بادشاہ نے ملتان کی صوبیداری شجاع خان سدوزئی کو عطا کی ۱۲۱۳ھ تک شجاع خان کا بیٹا مظفر خان بہادر صفدر جنگ یہاں کا حکمران تھا۔

محمد بہاول خان عباسی نصرت جنگ نے ہندوستان اور ملتان کے بہت سے علاقے پر قبضہ کیا۔ تیمور شاہ اس کے خلاف بڑھا جب وہ ملتان پہنچا تو بہاول خان اپنی اولاد اور قیمتی اموال کو لیکر بہاولپور کے ریگستان پہنچا اور قلعہ میں محصور ہوا۔ تیموری فوج نے ملتان میں لوٹ مار کی اور بڑی عمارات کو آگ لگائی بعد میں بہاول خان سے صلح ہوئی۔

۱۷۸۶ء میں تیمور شاہ نے اپنے سپہ سالار دلاور خان کو سندھ کے تالپور حکمرانوں کی بغاوت فرو کرنے کے لئے بھیجا۔ دلاور خان فتح تالپور سے شکست کھا کر شکار پور بھاگ آیا۔ بعد میں صلح ہوئی۔ سندھی امیروں نے خراج اور تاوان جنگ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ تین سال کے بعد وہ پھر اپنے عہد سے پھر گئے۔ تیمور شاہ نے خراسان پر بھی

حملہ کیا۔ اور وہاں کے باغیوں کو اپنی اطاعت پر مجبور کیا۔

تیمور شاہ نے اپنے بڑے باپ کے تمام قوانین بدلے۔ اس نے شروع ہی میں دار الحکومت قندھار کابل منتقل کر دیا۔ اس نے باپ کے طاقتور امراء کا اس طرح توڑا کہ فارسی بولنے والے عناصر قزلباش وغیرہ کو آگے بڑھایا۔ بارہ ہزار قزلباش فوج پشتون فوج کے شانہ بشانہ ہوتی تھی۔ چنانچہ قزلباشوں نے پشتونوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنا شروع کیا۔

خراسان کی مہم سے کامیاب لوٹنے پر تیمور شاہ کو حاجی کریم خان بامی زئی کے فرزند آزاد خان صوبہ دار کشمیر کی سرکشی کا حال معلوم ہوا۔ بادشاہ نے اس کے دو بھائیوں مرتضیٰ خان اور زمان خان کو تیس ہزار فوج کے ساتھ اپنے چھوٹے بھائی آزاد خان کے خلاف بھیجا۔ سردار پایند خان کو بھی مہم سپرد ہوئی۔ آزاد خان کو شکست ہوئی۔ بادشاہ نے خوش ہو کر اسے شال یعنی کوئٹہ کے مالئے کی وصولی کے لئے بھیجا۔

بخارا کے شاہ مراد کے ابھارنے پر بلخ اور آقچہ میں بغاوت ہوئی۔ تیمور شاہ ۱۷۸۹ء میں فوج لے کر شاہ مراد سے لڑنے کے لئے روانہ ہوا۔ جس نے صلح کی درخواست کی اور افغانی ترکستان کے صوبے برائے نام اس کی سلطنت میں شامل رہے۔ سرہند کے حاکم ارسلا خان مہند نے علانیہ بغاوت کی۔ اس نے کئی خزانے لوٹے اور ڈکہ میں جم گیا۔ تیمور شاہ نے دھوکے کی غرض سے ارسلا خان کو قرآن مجید بھیجا۔ جس کے ایک صفحے پر معافی تحریر تھی۔ اور بادشاہ کی مہر لگی ہوئی تھی۔ ارسلا خان نے پشاور آ کر خود کو تیمور شاہ کے حوالے کر دیا۔ جس نے وعدے اور قسم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اسی وقت اسے قتل کر دیا اور اس کا پشتونوں پر برا اثر ہوا۔

تیمور شاہ پشاور سے کابل جاتے ہوئے بیمار پڑ گیا اور ۲۰ مئی ۱۷۹۳ء کو فوت ہو گیا اس کا مقبرہ چہار باغ میں کابل میں ہے۔

زمان شاہ ۱۷۹۳ء تا ۱۸۳۷ء

تیمور شاہ ۲۳ بیٹے اور ۱۳ لڑکیاں چھوڑ مرا اس کا بڑا لڑکا ہمایوں مرزا تھا۔ جس کی ماں سدوزئی تھی۔ باپ کی وفات کے وقت قندھار میں حکمران تھا۔ اس کے دو اور بیٹے محمود اور حاجی فیروز الدین مرزا جن کی ماں پوپلزئی تھی۔ ہرات میں تھے۔ پشاور میں حکمران اس کا لڑکا عباس مرزا جسمانی لحاظ سے فائق تھا۔ محمد زمان مرزا اور شجاع مرزا کی ماں یوسفزئی تھی۔ انہوں نے بارکزئیوں کے سب سے طاقتور سردار پایندہ خان کو اپنا حامی بنا لیا تھا۔ اور اسی کی بدولت زمان شاہ تیمور کی وفات پر بادشاہ بنا۔ اس نے اپنے سب بھائیوں کو قلعہ بالا حصار میں قید کر دیا۔ جب چند دن صعوبتوں کے بعد انہوں نے زمان شاہ کو بادشاہ مان لیا تو زمان شاہ نے بھائیوں کو رہا کر دیا۔

زمان شاہ نے اپنے مخالف امراء کو راہ سے ہٹانے کے لئے قتل کیا۔ اس کے بعد زمان شاہ نے قندھار کے حاکم ہمایوں مرزا کو قلات غلوئی کے مقام پر شکست دے کر بلوچستان کی طرف بھگایا۔ اور قندھار پر قبضہ کرنے کے بعد ہرات کا رخ کیا۔ مگر محمود سے صلح ہوگئی۔ زمان شاہ نے بڑے بڑے پشتون سرداروں کے اختیارات چھین لئے ان کی تنخواہیں اور مواجب بند کر دئے۔ حتّٰی کہ اپنے محسن پایندہ خان کو بھی بے دست و پا بنا دیا۔

زمان شاہ کے وقت مین پنجاب مین سکھوں نے اپنے قدم مضبوطی سے جما لئے۔ انگریز اور فرانسیسی ہندوستان میں پر پرزے نکال رہے تھے۔ جنوبی ہند میں شیر دل حیدر علی اور شیر میسور ٹیپو سلطان کو انگریز اور مرہٹے دونوں اپنی راہ کا کانٹا سمجھ رہے تھے۔ زمان شاہ نے کئی بار اٹک کو عبور کر کے پنجاب پر دوبارہ بالادستی قائم کی۔ ابھی اس نے سکھوں کی شورش فرو نہیں کی تھی کہ اسے اپنے بھائی محمود کے قندھار پر حملے کی اطلاع ملی۔ وہ بھاگم بھاگ ہرات آیا اور محمود کو شکست دے کر ایران بھگا دیا۔ یہاں اس نے فتح علی شاہ قاچار کے ہاں پناہ لی اور بعد میں شیعہ بن گیا۔

فرانس کے نپولین کو اپنا حلیف بنایا۔ جو انگریزوں سے لڑ رہا تھا۔ ٹیپو سلطان نے زمان شاہ کو مکتوب بھیجا کہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے وہ شمال کی طرف سے ہندوستان چڑھائی کر دے۔ انگریز جو تیس برس قبل ابدالی کے ہاتھوں مرہٹوں کی تباہی اور شکست کا ماجرا دیکھ اور سن چکے تھے۔ افغانوں سے خائف تھے۔ اس لئے انہوں نے جاسوس مہدی علی شاہ کو دربار ایران میں بھیجا اور ایرانیوں کو ہرات پر حملہ کرنے کی ترغیب دی ایرانیوں نے ہرات پر حملہ کیا اور زمان شاہ کی توجہ اس طرف ہوگئی۔ چنانچہ وہ ٹیپو سلطان کی مدد کو نہ جا سکا۔

زمان شاہ کا وزیر رحمت اللہ شیعہ تھا۔ اس لئے رعایا مضطرب رہنے لگی۔ بادشاہ نے وزیر کے بہکاوے میں آکر اپنے باپ دادا کے مؤید قبیلہ بارک زئی کے چیدہ چیدہ اشخاص کو قتل کرا دیا۔ چانچہ بارک زئی اس کے مخالف بن گئے۔ اس کے بھائی ہمایوں نے جب دوسری مرتبہ قندھار پر حملہ کیا تو زمان نے اسے نکال باہر کیا۔ ہمایوں بھاگ کر ملتان پہنچا۔ جہاں کے حاکم نے اسے پکڑ کر زمان شاہ کے پاس بھجوا دیا۔ زمان شاہ نے اس کی دونوں انکھیں نکلوا دیں۔ اس کے بھائی محمود نے ہرات سے چل کر قندھار پر حملے کی تیاری کی۔ زمان شاہ نے اسے راستے میں گرشک کے مقام پر جالیا اور ہلکی سی لڑائی کے بعد بھگا دیا۔ ابالآخر دونوں بھائیوں نے صلح کر لی اور ہرات میں محمود کی حکومت قائم ہوگئی۔ لیکن ہرات میں بغاوت ہوگئی۔ قیصر ابن زمان شاہ ہرات پر حملہ کیا۔ محمود بخارا بھاگ گیا اور وہاں سے ایران جا کر شیعہ بن گیا۔ اس پر فتح علی شاہ قاچار شاہ ایران نے اسے فوجی مدد دی یہی کچھ ایرانیوں نے ہمایوں مغل ابن بابر کے ساتھ بھی کیا تھا۔ اور ہمایوں کے بھی سچے یا جھوٹے شیعہ ہونے کی افواہ اڑی تھی۔ بہر حال ۱۵۵۵ء میں اس نے ایرانی فوجی مدد سے ہی شیر شاہ سوری کی جانشینوں سے اپنی ہندوستان کی حکومت دوبارہ حاصل کی تھی۔ اور پھر جلد مر گیا تھا۔

شاہ ایران کی مدد سے محمود قندھار سے کابل گیا اور زمان شاہ کو شکست دے کر اس کی آنکھوں میں سلائی بھروادی جس کے نظر جاتی رہی اب محمود بادشاہ بن گیا۔ مگر وہ شیعہ تھا۔ اس لئے افغانوں نے بغاوت کر کے محمود کو پکڑا اور قید میں ڈال دیا۔ اس کے بعد شاہ شجاع شاہ افاغنہ بن گیا۔ جب وہ لاہور میں تھا محمود جیل کے چوکیداروں کو قتل کر کے بھاگ گیا۔ خاندانی رسوخ سے کام لیکر فوج جمع کی۔ پہلے قندھار فتح خان بارکزئی کی مدد سے کیا پھر کابل کی طرف بڑھا۔ زمان شاہ نے اس کا مقابلہ کیا مگر غزنی میں شکست کھائی اور محمود تخت پر بیٹھ گیا۔

محمود زمان شاہ کے حالات اکثر گڈ مڈ ہو جاتے ہیں اور محمود ہی کی وجہ سے زمان شاہ کو اپنی آنکھوں سے محروم ہونا پڑا۔ ورنہ وہ بہت بڑا بادشاہ ثابت ہوتا۔ جب اس کی آنکھیں سالم تھیں تو ہمایوں کو اندھا کرنے کے بعد درہ بولان کی راہ سے سندھ کے تالپور حکمرانوں کو سزا دینے روانہ ہوا۔ کیونکہ انہی کے ابھارنے پر اور کمک سے ہمایوں نے قندھار پر حملہ کرنے کی جراءت کی تھی۔ اور کافی عرصے سے خراج بھی نہیں بھیجا تھا۔ زمان شاہ کو سوتیلے بھائی محمود کی تیاری کی خبر ملی۔ اس لئے اس نے میر فتح علی تالپور سے صلع کر لی۔ خراج کا تیسرا حصہ بھی معاف کر دیا۔

اور بقیہ تین لاکھ پونڈ لے کر اسے ہی سندھ کا حکمران رہنے دیا اور خود تیزی سے قندھار آیا۔ اور گرشک کی مقام پر ہرات سے آکر حملہ کرنے والے محمود کو شکست دی اور دوسری بار محمود سے صلح ہوئی اور اسے ہرات سے کا حاکم رہنے دیا گیا۔

محمود اور زمان شاہ کی جنگ کے زمانے میں ازبکوں نے آمودریا کو پار کر کے گڑبڑ پھیلائی تھی۔ جب زمان شاہ نے محمود کو شکست دی تو زبکوں نے بھی آمتو چون سے پار جا کر صلح کر لی۔ انہی دنوں کشمیر کی بغاوت بھی ختم کی گئی اب پھر زمان شاہ کے دل میں پنجاب کی تسخیر کا خیال مچلنے لگا۔ چنانچہ ۱۷۹۵ء میں وہ پنجاب پر حملے کی غرض سے پشاور آیا اور ایک بڑی فوج ساتھ لے کر اٹک سے دریا کو پار کر کے حسن ابدال میں ڈیرے ڈالے یہاں سے قلعہ روہتاس کی بازیافت کے لئے فوج کا یک دستہ بھیجا جس پر سکھوں نے قبضہ کر لیا تھا سکھ شکست کھا کر پہاڑوں میں بھاگے۔ ابھی زمان شاہ آگے نہیں گیا تھا کہ شاہ ایران آغا محمد شاہ قاچار کے ایرانی خراسان پر حملے کی خبر اسے پہنچی۔ وہ جلدی سے مجبوراً کابل گیا اور شاہ ایران کے مقابلے کے لئے ایک بڑی فوج تیار کی۔ مگر جنگ کی نوبت نہیں آئی اور صلح ہوگئی۔

۱۲۱۱ھ میں زمان شاہ نے پھر ہندوستان کی مہم اختیار کی۔ پشاور سے بہت تزک واحتشام سے نکلا۔ شیر محمد خان بہادر اشرف الوزراء کو سپہ سالار بنایا اور دو لاکھ روپے انعام دیا چار ہزار مغرق خلعتیں بعض جان نثاروں میں تقسیم کیں۔ اٹک پر دریائے سندھ کو توکشتیوں کے زریعے عبور کیا۔ پھر جہلم اور چناب سے اتر کر راوی کے کنارے پر پڑاو ڈالا فوج کی تعداد بیس ہزار تھیں۔ سکھ اس فوج کی آمد کا سن کر امرتسر کی طرف بھاگ گئے۔ مختار الدولہ شیر محمد خان نے راوی کو کشتیوں کے پل کے زریعے عبور کر کے قلعہ لاہور کے نیچے پہنچا پھر فوج کو آراستہ کر کے خوش اسلوبی سے ترتیب دی اور شہر میں داخل ہوا بادشاہ کے حکم سے منادی کرادی گئی کہ تمام لوگ تین دن شہر میں روشنی اور چراغا کریں۔ زمان شاہ غرہ رجب ۱۲۱۰ھ میں داخل قلعہ لاہور ہوا۔ اور اردوئے شاہی قلعہ کے نیچے سے کنار شہر اور دریائے راوی کے ساحل تک برابر پھیل گیا۔

لہنا سنگھ قلعہ کی چابیاں میاں شاہ چراغ الدین کو دے کر بھاگ گیا تھا۔ جن ہندو مسلم دکانداروں نے دکانیں بند رکھیں ان پر جرمانہ اور ہندوں پر جزیہ لگا دیا گیا۔ اس پر بہت سے ہندوؤں نے خودکشیاں کیں ۱۲۱۱ھ محمود کی سرکشی

اور فوج جمع کرنے کی خبر وحشت اثر سن کر زمان شاہ فوراً لاہور سے پشاور اور کابل پہنچا۔ معلوم ہوا کہ محمود قندھار سے ہرات چلا گیا ہے۔ اسے شاہ ایران نے برانگیختہ کیا تھا۔ محمود کی ماں نے بیٹے کو بہت نصیحتیں کیں اور زمان شاہ کو اس کی وفاداری کی یقین دھانی کرائی۔

ہندوستان کی مہم سے پہلے مختار الدولہ شیر محمد خان کو بادشاہ نے افواج عظیم کے ساتھ بلوچستان کی طرف روانہ کیا۔ تاکہ نصیر خان بلوچ کے بھتیجے کے شر و فساد کو دفع کرے۔ جس نے میر نصیر خان کے بیٹے محمود خان کو معزول کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا تھا۔ افغانوں اور بلوچوں کی جنگ میں بہت سے بلوچ اور درانی تہہ تیغ ہوئے۔ شیر محمد خان بلوچستان کے مستقر حکومت میں داخل ہو گیا۔ اور محمود کو اسیر بنایا۔ پھر اسے ساتھ لیکر زمان شاہ کی قدم بوسی کے لئے لے گیا۔ بادشاہ نے بلوچوں کے خان کو چند روز تک اپنے ہاں مہمان رکھا اور اسے عنایات خسروانہ اور الطاف شاہانہ سے سرفراز کر کے شان و شوکت اور عزت و توقیر کے ساتھ بلوچستان کی طرف رخصت کیا۔

۱۷۹۹ء (۱۲۱۲ھ) میں لاہور سے پشاور واپس جاتے وقت زمان شاہ کی کچھ توپیں دریائے جہلم میں ڈوب گئی تھیں۔ جو سکھوں کے سردار رنجیت سنگھ نے کچھ دنوں کے بعد نکلوا کر زمان شاہ کو بھیجیں۔ اس پر زمان شاہ نے خوش ہو کر رنجیت سنگھ کو پنجاب کا گورنر مقرر کر دیا۔ اور وہ لاہور میں رہنے لگا۔ یہ اس کی حکومت کی پہلی سیڑھی تھی۔ مگر انگریزوں کی دلی مراد بر آئی۔ مگر اس کے بعد زمان شاہ کو ایسے موانعات پیش آئے کہ وہ ہندوستان کا رخ نہ کر سکا۔ اپنے بدطینت اور کینہ پرور سوتیلے بھائی محمود کے چار چار مرتبہ بغاوت کرنے کے باعث زمان شاہ پنجاب کی مہم ادھوری چھوڑ کر عجلت میں افغانستان کا رخ کرتا رہا، اور آخر میں آنکھوں ہی سے بدبخت بھائی نے زمان شاہ کو محروم کیا۔ ورنہ وہ تیمور شاہ سے بھی بڑا اور احمد شاہ ابدالی جیسا فاتح ثابت ہوتا اور ٹیپو سلطان کی مدد کو بھی آتا۔

۱۷۹۹ء کے آخر میں چھ بڑے بارکزئی سرداروں نے زمان شاہ کو تخت سے اتارنے اور اس کے سگے بھائی شجاع کو بادشاہ بنانے کی سازش کی۔ اس کے وزیر رحمت اللہ مخاطب بہ وفادار خان نے بادشاہ کو اس کی اطلاع دی۔ جس نے ان سب کو دربار میں بلا کر بمعہ پایندہ خان قتل کر دیا۔ جس سے اس کا بھائی فتح خان محمود سے مل گیا۔ اور اسی وجہ سے محمود نے زمان خان کی آنکھیں نکلوا دیں۔ اور مسلسل بیس پچیس برس تک زمان شاہ کے لئے دردسر بنا رہا۔ محمود نے فتح خان بارکزئی کی مدد سے اور مشورے سے سراپٹ کے مقام پر جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی زمان شاہ کو

کابل بھاگنے پر مجبور کردیا۔ فتح خان نے تین ہزار سپاہیوں کے ہمراہ اسے گرفتار کرنا چاہا مگر وہ اپنے وزیر وفادار خان کے ہمراہ شینواریوں کے علاقے میں ملا عاشق کے قلعے میں پناگزین ہوا۔ جس نے پشتون روایات کے خلاف زمان شاہ کو گرفتار کر کے ۱۸۰۰ء میں محمود کو اطلاع دی۔

زمان شاہ نے مشہور زمانہ کوہ نور ہیرا اور دوسرے جواہرات ملا عاشق شنواری کے قلعے کی دیوار میں چھپا دئے تھے ۔ جو بعد میں شاہ شجاع کو ملے۔ محمود ایک جراح کے ہمراہ ملا عاشق کے قلعے میں پہنچا۔ اس نے اپنے بھائی ہمایوں کے بدلے میں شاہ زمان کو نابینا کیا۔ اور یوں طاقتور بادشاہ کو ایک قیدی کی حیثیت سے کابل سے بالا حصار میں قید کردیا گیا۔ اس کے وزیر وفادار خان رحمت اللہ سدوزئی اور اس کے دو بھائیوں کو کابل مین قتل کردیا گیا۔ ۱۸۰۳ء میں شاہ شجاع کے محمود پر فتح پانے کے بعد زمان شاہ کو قید سے رہائی ملی۔ مگر محمود کے ہاتھوں شاہ شجاع کی شکست کے بعد دونوں بھائی ملک سے نکل کر لدھیانہ میں مقیم ہوئے اور زمان شاہ نے باقی عمر انگریزوں کے وظیفہ خوار کی حیثیت سے گزاری۔

زمان شاہ کے زوال کی وجہ محمود کی بار بار بغاوت اس کا شیعہ وزیر اور بادشاہ کا پشتونوں کے سربراہوں کو نظر انداز کرنا اور ان پر جاسوس مقرر کرنا تھا۔ زمان شاہ نے ۱۸۴۳ء میں وفات پائی جب شاہ شجاع نے کئی شکستوں کے بعد محمود کو گرفتار کر کے زمان شاہ کی خدمت مین پیش کیا اور اس کی آنکھیں نکالنے کی خواہش ظاہر کی تو نابینا زمان شاہ نے پھر بڑائی دکھائی اور اپنے بھائی شاہ شجاع کو ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا کہ اس نے اپنے بھائی ہمایوں کی قصاص میں مجھے نابینا کیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ سلسلہ آگے کو چلے اور تمام سلاطین درانیہ کور و نابینا ہو جائیں۔

محمود سدوزئی (پہلا دور) (۱۸۰۰ء۔۱۸۰۵ء)

سات سال کی تگ و دود کے بعد محمود ۱۸۰۰ء میں کابل کے تخت پر بیٹھا۔ سردار فتح خان بارکزئی کو "شاہ دولت" کا خطاب دیا۔ اور علیزئیوں کے سردار اکرم خان کو اپنا وزیر اعظم بنایا۔ وہ حکومت کے تمام اختیارات اپنے ان سرداروں کے حوالے کر کے عیش و عشرت میں پڑ گیا۔ ادھر شاہ شجاع نے اپنے بھائی زمان شاہ کے نابینا اور قید ہونے پر پشاور میں اپنی بادشاہی کا اعلان کیا۔ اور آفریدی اور دوسرے پشتون قبائل پر مشتمل دس ہزار فوج جمع کر کے کابل پر چڑھائی کی۔ محمود سدوزئی نے اپنے وزیر فتح خان بارکزئی کی زیرِ کمان تین ہزار فوج مقابلے کے

لئے بھیجی ۔ایک تنگ میدان میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔شروع میں شاہ شجاع کے قبائلی لشکر نے کامیابی حاصل کی ۔اور قبائل لوٹ مار میں مشغول ہو گئے ۔فتح خان نے موقع پا کر ان پر دوبارہ حملہ کیا جس سے یہ لشکر تتر بتر ہو گیا۔شاہ شجاع بھاگ کر آفریدی علاقے میں آیا اور پشاور پر بھی محمود کا قبضہ ہو گیا۔

درانیوں کی باہمی چپقلشوں کو دیکھ کر غلجی اقوام بھی اپنی حکومت کے حصول کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے۔ محمود حکومت کمزوری دیکھ کر غلجی عبدالرحیم ہوتک کی سربراہی میں متحرک ہوئے ۔انہوں نے لشکر کو قندہار کے درانیوں کا قابوں میں لانے اور دوسرا لشکر غزنی بھیجا۔غزنی کا گورنر شکست کھا کر قلعہ بند ہوا۔غلجیوں نے تھوڑا سا لشکر یہاں چھوڑ کر شلگر اور زومل کی راہ سے لوگر کا ارادہ کیا۔یہاں سے غلجی لشکر کابل آیا۔اس وقت محمود کے پاس تھوڑی سی فوج تھی اس موقعہ پر درانیوں نے اپنے اختلافات ختم کئے اور اس وقت درانیوں میں سب سے اہم شخصیت شیر محمد خان کی تھی ۔جو احمد شاہ ابدالی کے وزیر اعظم شاہ ولی خان کا بیٹا مگر محمود کی قید میں پڑا تھا۔محمود نے اسے جیل سے نکال کر اپنی فوج کی کمان اس کی حوالے کر دی۔غلجیوں اور درانیوں کا پہلا مقابلہ ''سجاون'' کے مقام پر ہوا۔درانیوں نے اپنی فوج کے تین حصے کئے ۔غلجیوں میں نظم وضبط نہ تھا۔اسلحہ بھی اکثر کے پاس نہیں تھا۔ درانیوں نے گردش کرنے والی توپیں اپنے سامنے نصب کیں۔غلجلیوں نے بے ترتیبی سے حملہ کر کے شاہی فوج کو پیچھے دھکیلا۔مگر درانیوں کے دائیں بائیں حصے نے ان کو گھیر کر خوب مارا۔غلجی شکست کھا کر بھاگے اور اپنی قوم کے ایک قلعہ میں محصور ہوئے رات کو انہیں مزید کمک ملی۔

صبح وہ ایک راستے سے کابل کی طرف چلے اور شام کو ایک شاہی قلعے تک پہنچے۔اگر وہ اسی وقت حملہ کرتے تو شہر کو فتح کر سکتے تھے۔مگر انہیں نے تمام رات گاؤں میں لوٹ مار کی ۔جب صبح ہوئی تو درانی ان کے مقابلے کے لئے دوبارہ آئے ۔جب جنگ شروع ہوئی تو غلجیوں کے ہر قبیلہ نے بغیر کسی نظم ترتیب الگ لاگ درانیون پر حملہ کیا ۔اس بار بھی درانیوں نے انہیں شکست دی۔غلجیوں کے تین ہزار آدمی میدان جنگ میں کام آئے۔

۱۸۰۲ء میں پھر غلجیوں نے بغاوت کی اس بار وہ پچاس ہزار فوج لے کر ترتیب وسلیقے سے لڑے۔اس بار درانیوں اور غلجیوں کے درمیان تین معرکے ہوئے اور ہر جنگ میں غلجی بھاگے۔اخری معرکہ ۱۱ مئی ۱۸۰۲ء کو ملا شاہی کے مقام پر ہوا۔اس بڑے معرکے میں بھی غلجیوں نے شکست فاش کھائی اور اسن کے دل ودماغ سے بادشاہی کا نشہ

جاتا رہا۔ اور انہوں نے درانیوں کو نہیں للکارا۔ یہ دیکھ کر اوزبکوں نے جیحون کو پار کر کے شورش پیدا کی۔ فتح خان نے ان کے مقابلے کے لئے فوج بھیجی اوزبک بھاگ گئے۔ ایرانیوں نے بھی موقع سے فائدہ اٹھا کر مشہد اور نیشاپور کو اپنی سلطنت میں پھر شامل کیا۔ بلوچستان نے بھی درانیوں کی سلطنت سے خود کو الگ کر لیا۔

ادھر شاہ شجاع نے آفریدیوں کا دس ہزار لشکر جمع کر کے پشاور پر حملہ کیا۔ مگر بری طرح شکست کھائی۔ بہت سے آفریدی اس جنگ میں مارے گئے۔ شجاع خود بڑی مشکل سے بچ کر آفریدیوں کے علاقے چورہ میں پہنچ گیا۔ اس وقت اس کی حالت بہت ہی خراب تھی اور جواہرات بیچ بیچ کر گزارہ کرتا رہا۔

فتح خان بارکزئی اور اکرم خان علیزئی گو دونوں باوقار پشتون تھے۔ مگر ان کی آپس میں نہ بنتی تھی۔ چنانچہ بادشاہ محمود نے اکرم خان کو کابل میں رکھا اور فتح خان کو مشرقی اور جنوبی صوبوں کا مالیہ اکٹھا کرنے کے لئے بھیجا۔ اس نے کوہاٹ، بنوں، پشاور، علاقہ وزیر اور قندھار کا مالیہ اکٹھا کیا اور قندھار آ گیا۔ فتح خان کا قندھار پہنچنے پر شجاع کے لئے آفریدی علاقے میں ٹھہرنا مشکل ہو گیا۔ وہ یہاں سے کاکڑوں کے علاقے میں گیا۔ اس وقت وہ اور اس کے ساتھی بہت تنگدستی کا شکار رہے۔ انہوں نے کوئٹہ کے علاقے میں پڑے ہوئے ایک تجارتی قافلے کو لوٹنے کا ارادہ کیا۔ شاہ شجاع نے نہایت مجبوری کے عالم میں یہ قافلہ لوٹا۔ مگر سوداگروں کو اپنی اپنی رقم کی رسیدیں دیں اور کہا کہ بادشاہ بننے کے بعد یہ رقمیں واپس کر دوں گا اور بعد میں بادشاہ بننے پر یہ وعدہ پورا بھی کیا۔ اور ان سوداگروں کی پیش کی ہوئی رسیدوں سے زیادہ رقم ان سوداگروں کو دی گئی۔

قافلے والوں کے سرمائے سے شاہ شجاع نے ایک فوج تیار کی اور قندھار پر حملہ کیا۔ مگر یہ حملہ ناکام رہا۔ اور شاہ شجاع پھر افریدی علاقے میں چلا آیا۔ انہی دنوں محمود کا وزیر اکبر خان علیزئی فوت ہو گیا۔ اور گو وزارت کا حقدار شیر محمد خان ولد شاہ ولی خان تھا۔ جس نے غلجی بغاوت کو فرو کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ مگر محمود نے فتح خان کو اپنا وزیر اعظم بنایا۔ پھر انہی دنوں کابل کے سنیوں اور شیعہ قزلباشوں کے درمیان خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ قزلباش ہی شاہ محمود کی محافظ فوج اور دارلسلطنت میں امن و امان کے ذمہ دار تھے۔ شاہ محمود پشتونوں کے اوصاف سے بالکل ہتی تھا۔ اور اس کی نشست برخاست اور تمام تعلقات قزلباشوں کے ساتھ تھے۔ کیونکہ وہ خود بھی ایران جا کر شیعہ بن گیا تھا۔ لہذا قزلباشوں کے بہت زیادہ اثر و رسوخ کے باعث محمود کے پشتون درباری بھی پشتونوں کے

عمدہ اوصاف سے محروم ہو گئے تھے۔ محمود کی حد سے زیادہ شراب نوشی اور عیاشی بھی انہی قزلباشوں کی صحبت کے باعث تھی۔ یہ قزلباش بادشاہ کی بے جا نوازشوں کے باعث اتنے بدمست ہوئے کہ نشے میں عام لوگوں کی عزت وناموس پر بھی ہاتھ ڈالنے لگے۔ لوگوں نے بادشاہ کو شکایتیں کیں مگر چونکہ محمود کو اپنی حفاظت کے لئے ان کا مرہون منت تھا۔ اس لئے اس کے کان پر جوں تک نہ رینگتی۔ آخر یہ باتیں عام ہو گئیں کہ بادشاہ بے دینوں کا پشت پناہ ہے۔ ان باتوں میں بادشاہ کے اپنے سرداروں اور خصوصاً شیر محمد خان کا بڑا ہاتھ تھا۔

کابل میں سید احمد نامی ایک عالم جو ''میر واعظ'' کے لقب سے مشہور تھا۔ لوگوں میں احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ میر واعظ نے بادشاہ کو قزلباشوں کی بدتمیزیوں اور غلط باتوں سے باخبر کیا۔ لیکن بے سود۔ انہی دنوں ایک سنّی نے ایک شیعہ کو مار ڈالا جس کی پاداش میں سنّی کو حکومت نے پھانسی دی۔ لوگوں نے جنازے کو ایک بڑے جلوس کی شکل روانہ کیا۔ جس پر قزلباشوں نے فائرنگ کی اور میر واعظ کا گھر لوٹ لیا۔ اب تو سنّیوں کا صبر و تحمل بھی جواب دے گیا۔ انہوں نے قزلباشوں پر حملے کئے۔ اور ان کے گھر لوٹے۔ کئی قزلباشوں کو قتل کیا۔ اب سنّی شیعہ فساد شروع ہو گیا۔ اگلے روز آس پاس کے قصبات کے لوگ بھی سنّیوں کی مدد کو پہنچے اور حالت نے خطرناک صورت اختیار کر لی۔ انہی حالات میں شیر محمد خان نے شاہ شجاع کو کابل آنے کی دعوت دی۔ جب محمود کو علم ہوا تو شیر محمد خان پہلے ہی نکل کر بھاگ گیا تھا۔

میر واعظ نے لوگون سے کہا کہ قزلباشوں کی یہ ساری شورہ پشتی محمود کی سرپرستی کا نتیجہ ہے۔ جب حالات زیادہ خراب ہوئے تو کابل کے لوگوں نے تمام راستوں پر قبضہ کر لیا۔ فتح خان قندھار میں تھا۔ آخر شاہ شجاع ۱۲ جولائی ۱۸۰۳ء کو شیر محمد خان کی معیت میں کابل پہنچا۔ تین دن کے بعد فتح خان بھی پہنچا۔ عین لڑائی کے وقت فتح خان کے سردار شاہ شجاع سے مل گئے اور فتح خان میدان میں اکیلا رہ کر قندھار کی طرف بھاگا۔ دوسرے دن شاہ شجاع کروفر سے کابل میں داخل ہو کر ''شاہ شجاع الملک'' کے نام سے تخت نشین ہوا۔ اپنے بھائی زمان شاہ کو قید سے چھڑایا۔ اور اس کے بدلے میں محمود کی آنکھیں نکلوانے کا ارادہ کیا مگر زمان شاہ نے منع کیا۔ شاہ شجاع نے ملا عاشق شنواری کو زمان شاہ کو دھوکے سے گرفتار کرانے کے جرم میں قتل کرا دیا۔ اس نے شیر محمد خان کو اپنا وزیر بنا لیا۔ مگر اس کے زبردست رسوخ کو برداشت نہ کر سکا۔

شاہ شجاع سدوزئی (۱۸۰۳ء ۱۸۰۹ء)

شاہ شجاع نے قندہار پر حملہ کیا کیونکہ وہاں فتح خان کے ساتھ محمود کا بیٹا کامران بھی موجود تھا۔ فتح خان شاہ شجاع کے دربار میں حاضر ہوا مگر شاہ شجاع نے اس کے شایان شان اس کے ساتھ سلوک نہ کیا۔ اس لئے وہ ناراض ہو کر اپنے قلعہ گریشک چلا گیا۔ اور بعد میں شاہ شجاع کے لئے اس نے بڑی مشکلات پیدا کیں شاہ شجاع نے اپنے بھتیجے اور زمان شاہ کے لڑکے قیصر مرزا کو قندھار کا حاکم مقرر کیا۔ اور احمد خان نورزئی کو اس کا وزیر بنایا۔ جو اس سے پہلے زمان شاہ کو چھوڑ کر محمود سے جاملا تھا۔ شاہ شجاع نے اپنی آمد پر اس کی کمک کے باعث اسے معاف کر دیا۔

اس کے بعد شاہ شجاع تیس ہزار فوج لے کر پشاور آیا تا کہ کشمیر اور سندھ کو فتح کرے۔ اس کے پیچھے اس کے بھتیجے قیصر مرزا نے فتح خان کے جھانسے میں آ کر بغاوت کر دی۔ اور دونوں نے کابل کی فتح کا اعلان کیا۔ احمد خان وزیر کو قید سے نکال کر قندھار اس کے حوالے کیا۔ مگر احمد خان نے اپنی بے عزتی کے بدلے میں قیصر مرزا کے کابل جاتے ہی کامران کو بلایا اور چپکے سے قندھار اس کے حوالے کر دیا۔ شاہ شجاع تیزی سے کابل کی طرف بڑھا اور قیصر مرزا کو شکست دے کر پھر پشاور کی طرف گیا۔ مگر قیصر مرزا قندھار پر حملے کا سن کر فوراً آیا اسے شکست دے کر فتح خان کو ہرات کی طرف بھگایا۔ قیصر نے معافی مانگی شاہ شجاع نے اسے معاف کر کے قندھا اس کے حوالے کیا۔ اب اسے بھی اپنے بھائی زمان شاہ جیسے حالات کا سامنا تھا۔ بہر حال شاہ شجاع نے سند پر حملہ کیا۔ سندھ کے تالپور کے حکمرانوں نے گزشتہ سالوں کے خرج کے طور پر ساڑھے تین لاکھ پونڈ (اشرفی) اس کے حوالے کیئے۔

اب شجاع کشمیر کے حملے کا ارادہ کر رہا تھا۔ کہ قیصر مرزا نے پھر فتح خان کے بہکاوے میں آ کر بغاوت کا ارادہ کیا مگر اس نے فتح خان کو قید کر لیا۔ مگر فتح خان جیسے زیرک شخص نے جلد ہی اسے شیشے میں اُتارا اور کابل پر حملے کے ضروری انتظامات کے لئے اسے اپنے قلعہ گرشک بھیج دیا۔ ادھر فتح خان نے کامران کو قندھار پر حملہ کے لئے اُبھارا۔ اس نے قندھار فتح کیا۔ قیصر مرزا بھاگ کر کابل پہنچا۔ شاہ شجاع نے قندھار میں کامران کو شکست دے کر بھگایا۔ اور ایک دفعہ پھر سندھ کے تالپور کے امیروں کی سرزنش کے لئے سندھ پر حملہ آور ہوا۔ سندھ پہنچنے کے بعد اسے قیصر مرزا اور شیر خان کے ساز بازی کی خبر ملی۔ شاہ شجاع نے سندھ سے آ کر دونوں کو شکست دی۔ شیر محمد

خان شاہ شجاع کو گرفتار کرنے کی کوشش مین ایک گولی لگنے سے مرگیا۔اس پر قیصر مرزا کی فوج تتر بتر ہو کر بھاگ گئی۔وہ شاہ شجاع کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔مگر شاہ شجاع مصیبتوں کا زمانہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔فتح خان کو محمود کو سرنگ کھودنے اسے ہتھیا بھجوانے اور قزلباش سپاہیوں کو ساتھ ملانے پر محمود نے قید خانے کی دیوار توڑ کر اس وقت راہ فرار اختیار کیا۔جب شاہ شجاع کشمیر کے لئے لام بندی میں مصروف تھا۔وہ کچھ دن ایک قبر میں چھپا بیٹھا رہا۔جب اس کی تلاش کا کام سست پڑ گیا۔تو فتح خان کی مدد سے وہ بارکزئیوں کے قلعہ گرشک پہنچا دیا گیا۔محمود نے بارکزئیوں کی ایک بڑی فوج فتح خان کے چھوٹے بھائی دوست محمد کی سربراہی میں تیار کر کے قندھار پر حملہ کیا اور اس پر قبضہ کیا۔شجاع نے آکر اسے شکست دی اور قندھار سے کابل کی راہ پشاور آیا تاکہ انگریزوں کے ایک بڑے وفد سے ملاقات اور بات چیت کرے۔

۱۸۰۹ء میں انگریزوں اور سکھوں کے درمیان ایک معاہدے کی رو سے انگریزی سلطنت کی سرحد دریائے ستلج تک پہنچ گئی تھی۔اور لدھیانہ ان کی سرحدی چھاؤنی بن گیا۔ان دنوں روس اور فرانس سے انگریزوں کو خطرہ تھا۔لہٰذا انہوں نے ایران، سندھ، پنجاب اور افغانستان میں گفت وشنید اور معاہدات کے لئے اپنے وفود بھیجے۔اور ماونٹ اسٹوارٹ الفنسٹن کی سبراہی میں ایک وفد شاہ شجاع سے مائدہ کرنے کی غرض سے پشاور آیا۔یہ جرگہ راجپوتانہ، سندھ، ڈیرہ غازی خان اور ڈیرہ اسماعیل خان سے ہوتا ہوا کوہاٹ پہنچا۔الفنسٹن کوہاٹ کے قدرتی مناظر، خوشگوار آب وہوا، باغوں اور چمنوں سے بہت متاثر ہوا، پھر درہ آدم خیل کی راہ سے یہ جرگہ فروری ۱۸۰۹ء میں پشاور پہنچا۔اس وقت شاہ شجاع سدوزئی ۱۰ جنوری ۱۸۰۹ء کو پشاور پہلے ہی پہنچ گیا تھا۔اس کے وزیر اکرم خان نے مندرجہ ذیل عہد و پیمان انگریزوں کے ساتھ کیا۔

۱:۔اگر کسی بیرونی طاقت نے افغانستان کی راہ سے ہندوستان پر حملہ کیا تو انگریز اپنی فوجیں حملہ آور کے مقابلے کے لئے افغانستان میں داخل کر سکیں گے۔

۲:۔شاہ افغانستان کوشش کرے گا کہ کسی یورپی یا دوسری طاقت کی فوجوں کو اپنے ملک میں نہ چھوڑے جو ہندوستان پر حملہ کی نیت سے آئی ہوں۔

۳:۔شاہ شجاع انگریزی علاقے پر تجاوز نہ کرے گا۔

مونٹ اسٹوارٹ الفنسٹن جو بعد میں گورنر بمبئی بنا۔اور افغانستان پر دو کتابوں کا مصنف بھی ہے۔شاہ شجاع سے ملاقات کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

''بادشاہ محل کی درمیانی محراب میں ایک چمکدار زرین تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔اس کے خدوخال شاہانہ اور بارعب تھے۔اس کے تاج اور لباس میں جواہرات چمک دمک رہے تھے۔اس کے سارے امیر تخت کے آس پاس دم سادھے کھڑے تھے۔جب ہم بادشاہ کے سامنے پہنچے تو ہم نے اپنی ٹوپیاں سروں سے اتار کر احتراماً سر جھکا دئے۔اور دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے۔پھر ہم ایک خیمے کی طرف بڑھے اس وقت چوبدار نے ہمارے سب کے نام بغیر کسی القاب وآداب کے ایک دفعہ پھر پکارے اور اخر مین کہا کہ میں صدقے جاوں یہ لوگ سب یورپ سے عالی جاہ کی خدمت مین حاضر ہونے کے لئے آئے ہےں۔اس پر بادشاہ نے صاف آواز میں ہمیں خوش آمدید کہا ہم نے پھر دعا کی اور پہلے کی طرح سر جھکائے وہ مزید کہتا ہے کہ شاہ کابل بہت خوبصورت ،شکل وشباہت کے لحاظ سے شاہانہ وضع قطع کے لحاظ سے بہت باوقار اور خوش مزاج دکھائی دیتا تھا۔اس کی باتیں بالکل شاہانہ تھیں۔''

ابھی شاہ شجاع ہشاور میں ہی تھا۔کہ اس نے ایک دفعہ پھر محمود سدوزئی کے قندھار پر حملہ کی خبر سنی۔اس وقت اس کے پاس فوج بہت کم تھی کشمیر کی مہم پر بڑی فوج گئی تھی۔جو واپس نہیں آئی تھی۔جہاں شیر خان کے بیٹے عطاء محمد خان نے جو کہ شجاع کا بدترین مخالف تھا۔بغاوت کی تھی۔وزیر اکرم خان کے پاس دولت تو بہت تھی مگر خرچ کرنے میں اس کی ہمت وجرات نہیں تھی۔اتنے میں اکرم خان کشمیر سے ناکام واپس لوٹا تو اس کی اکثر فوج تبا ہو گئی تھی۔صرف آفریدیوں اور غلجیوں کی تھوڑی سی فوج کے ساتھ پشاور پہنچا۔بڑی مشکل کے بعد شجاع نے آدھی فوج تیار کی اور کابل کی طرف روانہ ہوا۔اس وقت انگریزی وفد چلا گیا تھا۔

کوہاٹ کی طرح الفنسٹن پشاور کے مناظر ،چمنوں اور باغوں سے بھی متاثر ہوا تھا۔اس نے پشاور شہر اس کی تجارتی رونق۔بازاروں میں لوگوں کے ہجوم۔لوگوں کے خوراک ،روزمرہ زندگی اور قدیم پشاور کی تہذیب وتمدن کا بڑے شاندار الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے۔تیسرے روز یہ وفد وہا پہنچا جہاں آج کل نوشہرہ کی چھاؤنی واقع ہے۔یہاں بھی قدرتی نظاروں سے الفنسٹن اور اس کے ساتھی بہت متاثر ہوئے۔چند دن کے بعد وفد حسن ابدال پہنچا جو مغل دور میں کشمیر جانے کے لئے بادشاہوں کی ایک منزل ہوتی تھی۔یہاں وفد نے کافی آرام کیا۔ابھی وہ حسن بدال سے

روانہ نہیں ہوئے تھے کہ انہیں شاہ شجاع کی ناکامی کی خبر پہنچی۔

جب شجاع محمود کے مقابلے کے لئے روانہ ہوا تو اس ننگ افغانیت نے پہلے ہی کابل پر قبضہ کیا ہوا تھا۔ اور پشاور کی طرف بڑھ رہا تھا۔ شجاع نے نیملے کے مقام پر پڑاو ڈالا۔ دونوں بھائیوں میں لڑائی ہوئی۔ محمود نے سامنے اور فتح خان بارکزئی نے بائیں طرف سے شجاع کی فوج پر حملہ کیا جو شکست کھا کر بھاگ نکلی۔ شاہ شجاع ایک دفعہ پھر آفریدیوں کے علاقے میں آ کر پناہ گزیں ہوا۔ اس کے پاس اب صرف کوہ نور ہیرا ہی باقی رہ گیا تھا۔ اس کا نابینا بھائی اور سابق شاہ افغانستان زمان شاہ اور شاہ شجاع کا حرم پناہ کی خاطر کشمیر جاتے ہوئے راولپنڈی پہنچا۔ انہی دنوں انگریزی وفد بھی پشاور سے راولپنڈی پہنچا اور الفنسٹن نے زمان شاہ سے ملاقات کی۔ اور اس ملاقات کا ذکر اس طرح کرتا ہے۔

''ہم جب پشاور سے راولپنڈی پہنچے تو شاہ شجاع کے حرم بیگمات اور اس کا بھائی زمان شاہ بھی انہی دنوں راولپنڈی پہنچا۔ زمان شاہ کی شہرت کسی زمانے میں ہند سے ایران تک پھیلی ہوئی تھی اسی لئے ہمیں اس سے ملنے کا اشتیاق تھا۔ چنانچہ ۱۰ جولائی کو ہم اس کی ملاقات کے لئے گئے۔ جب ہم اس سے ملنے پہنچے تو وہ ایک خیمہ میں ایک چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ کمرے میں قالین اور غالیچے بچھے ہوئے تھے۔ ہم اس وقت تک اس کے سامنے کھڑے رہے جب تک اس نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ نہیں کیا۔ اس کا لباس تو سادہ تھا لیکن شکل وشباہت شاہانہ تھی۔ اس کی شخصیت بہت جاذب اور بارعب تھی۔ اس کی آواز اور اوضاع واطوار بعینہ شاہ شجاع کی طرح تھی۔ مگر شاہ شجاع کی نسبت اس کا قد کچھ لمبا اور چہرہ لمبا اور باقاعدہ تھا اس کی داڑھی بہت خوبصورت تھی۔ بظاہر تو وہ نابینا تھا اور آنکھیں زخمی زخمی سی تھیں مگر اتنا نور ان میں باقی تھا کہ اس کا چہرہ پر نور معلوم ہوتا تھا۔ وہ جس سے باتیں کرتا تو بات کرتے وقت اس کی طرف آنکھیں اُٹھاتا تھا۔ وہ کچھ غمگین سا معلوم ہوتا تھا۔ ہمارے بیٹھنے کے بعد کچھ وقفے تک خاموشی رہی۔ پھر زمان شاہ نے شاہ شجاع اور اس کی شکست کی بات چھیڑ دی۔ اور کہا کہ ایسی بدبختی اور زوال بادشاہوں کی قسمت میں لکھا ہوتا ہے۔ اور اس کے ثبوت میں حیران کن تاریخی انقلابات کا ذکر کیا۔ لیکن اگر وہ تمام ایشیا کی تاریخ بھی بیان کرتا تو قسمت کی ناموافقت کے لحاظ سے اپنے آپ سے بہتر مثال اُسے کوئی نہ ملتی۔ کیونکہ وہ نابینا اور تخت سے معزول کیا گیا تھا۔ اور ایک ایسے ملک میں پناہ گزیں کی حیثیت سے آیا ہوا تھا۔ جو اس

کے دادا نے فتح کیا تھا۔اور دوبارہ اس نے خود بھی فتح کیا تھا۔"

اب شاہ محمود پھر کابل کا حکمران تھا۔۱۸۰۹ء میں محمود سے شکست کھانے کے بعد جب شاہ شجاع نے دریائے سندھ کو عبور کیا تو چاہا کہ انگریزوں کے ساتھ اپنی سلطنت دوبارہ حصول کی بات کرے۔اس وقت پنجاب کا سکھ راجہ رنجیت سنگھ وزیرآباد میں بیٹھ کر اس ضلع کو ہتھیانے کی تدابیر کر رہا تھا۔شجاع کی آمد کا سن کر وہ اس سے ملاقات کے لئے روانہ ہو گیا۔اور ساہیوال کے مقام پر دونوں کی ملاقات ہوئی۔رنجیت نے ملتان اور کشمیر کے حصول کے لئے شاہ شجاع کو بہت آسرے اور تسلیاں دیں مگر کوئی باقاعدہ معاہدہ دونوں کے درمیان نہ ہوا۔کیونکہ معزول شجاع کو پشاور کے قبائل کی طرف اس سے کمک کی خبریں ملی تھیں۔ویسے بھی رنجیت کا خلوص شجاع کو مشکوک دکھائی دیا۔رنجیت سنگھ سے ملاقات کے بعد شاہ شجاع پھر اٹک آیا۔اس نے قبائل کی کچھ فوج اکٹھی کی۔کچھ مدد کشمیر سے ملی۔گو گورنر کشمیر عطاء محمد کا مخالف تھا۔مگر وہ محمود اور فتح خان کو بھی نہیں مانتا تھا۔شجاع نے اس نئی فوج کی مدد سے ۱۸۱۰ء میں پشاور پر قبضہ کیا۔مگر فتح خان کے بھائی محمد عظیم خان نے اسے شکست دے کر بھگایا۔شجاع ڈیرہ جات کی راہ سے ملتان پہنچا مگر وہاں کے گورنر نے شہر کے دروازے بند کر دئے۔یہاں سے شجاع پھر آفریدی علاقے میں آیا۔آفریدیوں کے ایک لشکر کی مدد سے اس نے ۱۸۱۱ء پھر پشاور پر قبضہ کیا مگر ۱۸۱۲ء میں اٹک کے گورنر جہاندار خان شاہ شجاع کو گرفتار کر کے اٹک میں قید کیا اور اس سے کوہ نور ہیرا چھیننے کے لئے ناقابل بیان مظالم اس پر کئے۔مگر جب ہیرا اُسے نہ ملا تو شاہ شجاع کو کشمیر بھیج دیا اور وہ سال بھر سے زیادہ عطا محمد خان کے پاس نظر بند رہا۔ جو اس کا اور محمود دونوں کا مخالف تھا۔شجاع کے حرم اور زمان شاہ نے پہلے رنجیت سنگھ کے پاس پناہ لی تھی۔

انہی دنوں محمود اور فتح خان کے کشمیر پر حملے کی افواہ مشہور ہوئی۔رنجیت سنگھ بھی جو بڑا موقعہ شناس اور خود غرض شخص تھا کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھا کہ اول تو کوہ نور ہیرا اس کے ہاتھ آئے اور دوسرے کشمیر پر قبضہ جمائے۔اس کے لڑکے کھڑک سنگھ نے پہلے جموں کے پہاڑی علاقے پر قبضہ کر لیا۔تھا رنجیت سنگھ نے شاہ شجاع کی بیوی کو کہلا بھیجا کہ اگر وہ کوہ نور میرے حوالے کر دے تو میں کشمیر اس کے لئے فتح کرلوں گا مگر شاہ شجاع کے حرم نے خاوند کو ایسا کرنے سے منع کیا۔جب فتح خان نے کشمیر پر قبضہ کر لیا تو شاہ شجاع نے سکھ کماندار محکم چند کے مشورے سے شاہ محمود کی قید کی نسبت رنجیت سنگھ کی پناہ کو ترجیح دی۔

چنانچہ ۱۸۱۳ء میں وہ رنجیت سنگھ کے ایک معزز مہمان کی حیثیت سے لاہور آیا۔ مگر درا صل وہ رنجیت سنگھ کا قیدی تھا ۔رنجیت سنگھ شاہ شجاع سے بہت کام لینا چاہتا تھا۔۔وہ شاہ شجاع کے پردے میں کشمیر کا حاصل کرنا اور پشاور پر اس کے پردے میں حکومت کرنا چاہتا تھا۔ نیز کوہ نور کا حصول بھی اس کا مطمع نظر تھا۔ چنانچہ رنجیت نے طرح طرح کے ناروا مظالم ڈھا کر اور شاہ شجاع کو قید کر کے بے پناہ اذیتیں دے کر کوہ نور ہیرا اس سے چھین لیا۔ یہ ۱۸۱۵ء کا واقعہ ہے۔ ۱۸۱۴ء میں شاہ شجاع کی بیگم کسی طرح رنجیت سنگھ کی نظر بندی سے فرار ہو کر لدھیانا پہنچی اور انگریزوں کی پناہ طلب کی۔ چند ماہ بعد شجاع بھی اپنی محل کی قابلیت کی باعث رنجیت کی قید سے فرار ہو کر لدھیانا پہنچا۔ اس سے پہلے اس نے کشمیر کے حصول کی کوشش کی مگر فتح خان کے بھائی محمد عظیم خان گورنر کشمیر سے شکست کھائی۔ اور ۱۸۱۶ء میں لدھیانہ پہنچ کر اپنے اہل وعیال اور بھائی کے ساتھ یکجا ہوا اور انگریزوں کا وظیفہ خوار بنا رہا تا آنکہ انگریزوں نے ۱۸۳۹ء میں پھر اسے اپنے مقصد کے حصول کے لئے کابل پہنچایا۔

شاہ محمود (دوسری بار) ۱۸۰۹ء

دوسری بار بادشاہ بننے پر شاہ محمود نے تسخیر کشمیر کے ارادے سے دریائے سند کو پار کیا رنجیت سنگھ خود اس وقت بھمبر اا ور پیر پنجال کے سرداروں سے نبرد آزما تھا۔ تیزی سے محمود کی ملاقات کے لئے راولپنڈی گیا۔ اور اپنا پگڑی بدل بھائی بنا کر اسے حملے سے باز رکھا۔ محمود بدستور بداخلاقی اور عیاشی میں پڑ گیا۔ اس نے فتح خان وزیر تمام کو اختیارات سونپے جس نے بغاوتوں اور لڑائیوں سے تباہ شدہ مملکت کی تعمیر کے لئے دن رات ایک کیا۔

اٹک کے گورنر جہاندار خان نے ساز باز کر کے سکھ فوج کو قلعہ اٹک میں داخلہ دیا۔ فتح خان نے اپنے بھائی دوست محمد خان کو دو ہزار فوج کے ساتھ بھیجا۔ بانسر کی جنگ میں دوست محمد خان نے سکھ کماندار محکم سنگھ سے شکست کھائی یہ سن کر فتح خان نے اٹک کے اوپر ہی دریائے سند کو عبور کیا اور کشمیر چلا گیا وہاں اس نے اپنے بھائی محمد عظیم کو گورنر مقرر کیا۔ دوست محمد خان کسی طرح اپنے سپاہیوں کا دریائے سندھ پار کرا کے کابل لے گیا۔ ۱۸۱۶ء میں ایران نے ہرات پر حملہ کا ارادہ کیا۔ محمود کے بھائی فیروز الدین نے بھائی کی مدد طلب کی۔ فتح خان اس تیزی سے ہرات پہنچا کہ ایرانی سرحد پر بھی نہیں پہنچے تھے۔ فتح خان نے فیروز الدین کے مرضی کے خلاف ہرات پر قبضہ کیا اور فیروز الدین کو ایک بندے کے دساتھ کابل اس خیال سے بھیجا کہ وہ بہت سالوں کا حساب کتاب دے فتح

خان نے فیروز الدین کا مال و اسباب ضبط کیا۔ اس کی محلسرا میں فتح خان کے بھائی دوست محمد خان نے سختی کر کے ہوئے شاہی خواتین کی جامہ تلاشی بھی اٹاری کے رہنے والے ایک سکھ سنگھ کی مدد سے کی حتیٰ کہ کامران کی بہن اور محمود کی لڑکی کا دو لاکھ روپے کا ازار اس کے اس شلوار سے کھینچ کر لوٹا جو اس کے جسم کو چھپائے ہوئے تھا۔ پشتون خواتین کی اس بے حرمتی پر فتح خان نے دوست محمد خان کو برا بھلا کہا اور وہ کشمیر بھاگ نکلا۔ ہرات پر قبضہ کے بعد فتح خان ایرانیوں کے خلاف بڑھا۔ کافر قلعہ کے مقام پر سخت جنگ ہوئی۔ صبح سے شام تک کی لڑائی میں افغانوں کو فتح حاصل ہوئی دس ہزار ایرانی سپاہی مارے گئے۔ باقی بھاگ نکلے۔ پشتونوں نے ان کا تعاقب کیا۔ مگر فتح خان ایک گولی لگنے سے بے ہوش ہو گیا۔ جو بعد میں اچھا ہو گیا۔ کامران نے زمان شاہ کے لڑکے قیصر مرزا کو قتل کر دیا تھا۔ اس لئے فتح خان نے اسے صوبہ داری کے لئے نا اہل قرار دیا تھا۔ اس پر اور اپنی بہن اور فیروز الدین کی بہو کی بے عزتی کی واقعے پر کامران فتح خان کا دشمن بن گیا۔

اس سے پہلے فتح خان نے جو وزیر کے پردے میں بادشاہ گر تھا اور پردے میں تمام اختیارات کا کلی مالک تھا۔ ملک کے صوبوں، غزنی کندہار، بلوچستان، کشمیر، بامیان اور پشاور میں اٹھارہ بھائیوں میں سے بعض کو گورنر بنایا تھا۔ یوں افغانستان کی حکومت برائے نام سدوزئیوں کے پاس تھی۔ مگر در اصل اس کے مالک اٹھارہ بارکزئی بھائی تھے۔ جن میں سب سے بڑا اور دور اندیش نیز باوقار و بااختیار فتح خان تھا۔ مگر فتح خان نے بڑی غلطی کی کہ کشمیر کی حکومت عطا محمد خان سے چھیننے اور اپنے بھائی محمد عظیم خان کو دلانے میں رنجیت سنگھ کی دس ہزار فوج کی کمک بھی طلب کی تھی۔ جس سے رنجیت جیسے لالچی اور دغا باز سکھ کا اثر نفوذ کشمیر میں بڑھ گیا۔ جس پر وہ پہلے سے دانت گاڑے ہوئے اور نظر جمائے تھا۔ فتح خان کے اس غلط اقدام کے باعث آخر کار کشمیر سکھوں کے ہاتھ میں چلا گیا

۔

فتح خان کے مشہور بھائی سلطان محمد خان، دوست محمد خان، پردل خان۔ کہندل خان، شیر دل خان، عظیم خان ،عبد الجبار خان، اور نواب اسد خان تھے۔ جب محمود کے نالائق بیٹے کامران نے کابل جا کر باپ کو اپنی بہن اور گھر کی دوسری خواتین کے فتح خان کے بھائی دوست محمد خان کے ہاتھوں توہین کی بات شد و مد سے پہنچائی تو محمود نے فتح خان وزیر کی آنکھیں نکالنے کا حکم جاری کیا، کامران جو فتح خان کا اس کی ناموری اور ابدالی سلطنت کا وقار

وسط ایشیاء میں دوبارہ بحال کرنے جیسے کارناموں کے باعث حاسد تھا۔ یہ حکم خوشی خوشی ہرات پہنچایا اور شاہی باغ میں مقیم ہوا۔ فتح خان نے شہزادے کا احترام کیا اور ہر روز اس کے سلام کے لئے جاتا تھا۔ کامران موقعہ کی تلاش میں تھا ایک دن جب فتح خان تھوڑے آدمیوں کے ساتھ سلام کے لئے گیا تو کامران نے فوراً اسے قید کر کے اس کی آنکھیں نکلوادیں اور یوں سدوزئیوں کی حکومت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔

فتح خان کے تین بھائی پردل خان، شیر دل خان، اور کہندل خان ہرات میں موجود تھے، یہ سن کر شیر دل خان اور کہندل خان کامران کی گرفتاری کے خوف سے بھاگ گئے۔ اور پردل خان بیماری کے سبب کامران کے ہاتھ آیا۔ شیر دل اور کہندل خان نے گرشک سے ۲۲ میل دور نادعلی کے قلعہ میں پناہ لی۔ پردل بھی جلد ان سے آملا اب بارکزئی قبیلہ ان کے گرد جمع ہوگیا۔ اب اس نیام میں سدوزئی اود بارکزئی میں سے ایک تلوار آسکتی تھی، چنانچہ فتح خان کے بھائی گورنر عظیم خان ابدالی اطاعت کا جوا اُتار پھینکا اور اپنے بھائی دوست محمد خان کو یک فوج دے کر کابل بھیجا۔

بزدل عیاش کامران جو مرد کا زردانہ تھا کابل سے غزنی بھگ نکلا۔ جاتے ہوئے اپنے پوتے جہانگیر کو کابل میں چھوڑا دوست محمد خان نے جہانگیر کو شہر سے بھگا دیا۔ اور عظیم خان کو اطلاع دی۔ ادھر سے محمد عظیم خان اپنی جگہ عبدالجبار خان جو کشمیر میں چھوڑ کر ایک فوج کے ساتھ کابل کی طرف بڑھا۔ دوسری طرف سے نااہل محمود کا حاسد بیٹا بارہ ہزار فوج لے کر بارکزئی بھائیوں کے مقابلے کے لئے بڑھا۔ کامرن اور دوست محمد خا کا مقابلہ کال اور غزنی کے درمیان ہوا۔ مگر راتوں رات تمام بارکزئی کامران کو چھوڑ کر دوست محمد خان سے آملے کامران یکہ وتنہا رہ کر غزنی بھاگا۔ وہاں سے اپنے والد محمود سدوزئی اور نابینا قیدی فتح خان کو اور جو ہرات کے ساتھ چند نوکروں کو لے کر بھاگا۔ ایک دو منزل جانے کے بعد احسان فراموش محمود نے فتح خان کو بلا کر کہا کہ اپنے بھائیوں کو سمجھا دے کہ بغاوت چھوڑ کر محمود کی اطاعت کریں۔ فتح خان نے دوٹوک جواب دیا۔ کہ جس دن سے میری آنکھیں نکال دی گئی ہیں۔ اس دن سے میرے بھائی بھی میرے ہاتھ سے نکل گئے ہیں۔ اب نہ تو میرا ان پر کوئی اختیار رہے نہ ہی میں انہیں دھوکہ دوں گا۔ اب میرا دنیاوی معاملات سے کوئی تعلق نہیں رہا۔

اس پر احسان فراموش اور بزدل محمود نے فتح خان کو جان سے مارنے کا ارادہ کیا۔ پہلا وار بزدل کامران نے کیا

اور بعد میں فتح خان کے حاسد ابدالی سرداروں نے اس بیچارے کو وحشت و بربریت سے قتل کیا کہ انسانیت نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ پہلے نابینا اور مظلوم فتح خان کی کھال کھینچی گئی اور پھر اس کا ہر حصہ جسم سے الگ کر کے نہایت شقاوت و درندگی سے اسے شہید کیا اور گوشت کے اس ڈھیر کو کسی بوری میں ڈال ساتھ پھراتے رہے۔ ساتویں روز اسے غزنی میں دفن کرادیا۔ فتح خان غیر معمولی جرات اور استقلال کا مالک تھا۔ بقول فریئر فرانسیسی جو غیر معمولی جرائت اور استقامت اس نے اس موقع پر دکھائی اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس تمام وقفے کے دوران ان کی ہولناک دردوں اور عذابوں کے درمیان سردار فتح خان کے منہ سے اُف کی آواز بھی نہ نکلی نہ وہ رویا چیخا بلکہ اس کے ضمیر کی پاکی نے اسے غیر معمولی تسکین اور اس کی جرات نے اسے غیر معمولی استقلال بخشا تھا۔ یہ ہولناک واقعہ ۱۸۱۷ء میں پیش آیا۔

فتح خان کی شہادت کے بعد محمود اور کامران غزنی میں بھی نہ ٹک سکے اور ہرات کی طرف بھاگے۔ نوکروں چاکروں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا۔ باپ بیٹے میں بھی اختلاف پیدا ہوا۔ ہرات میں محمود اور کامران کے بھائی حاجی فیروالدین میں ہرات کی حکومت پر جھگڑا ہوا۔ محمود خود کو بادشاہ سمجھتا تھا۔ جبکہ فیروز الدین نے سولہ سال ہرات میں حکومت کی تھی۔ اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر شاہ ایران نے ہرات پر حملہ کیا۔ محمود اور کامران نے ایرانیوں کا خراج دینے پر آمادگی ظاہر کردی۔ یہ اس وقت ہوا جب فیروز الدین نے باپ بیٹے کے روز روز کے جھگڑے سے تنگ آکر مشہد میں پناہ لی۔ یہ جھگڑے ۱۸۲۹ء تک جاری رہے جبکہ ایک دن کامران کی سازش سے اس کا باپ محمود غسل خانے میں مردہ پایا گیا۔ کامران کچھ عرصہ ہرات کا حاکم رہا بارکزئی بھائی سکھوں سے مصروف جنگ رہے۔

بادشاہ گردی

۱۸۱۸ء میں فتح خان بارکزئی کی موت سے افغانستان میں بادشاہ گردی میں جو تیمور کی موت یعنی ۱۷۹۳ء سے شروع ہوئی تھی مزید تیزی آگئی۔ اور سدوزئیوں اور محمد زئیوں کے درمیان تخت افغانستان کی کشمکش نے زور پکڑا۔ ہرات حکومت افغانستان سے الگ صوبہ بن گیا۔ سرحدی قبائل نے بھی سدوزئیوں کی بجائے نئے شاہی خاندان کی اطاعت قبول نہ کی۔ ۱۸۲۶ء میں محمد عظیم خان کی موت پر دوست محمد خان نے کابل پر قبضہ کیا اور غزنی

پر بھی قبضہ جمالیا۔ پشاور اور قندھار میں دوست محمد خان کے دوسرے بھائیوں کی حکومت تھی۔ اور ہرات میں سدوزئی محمود حکمران تھا۔ یہ بھائی آپس میں یک دل و یک زبان نہ تھے۔ نہ ایک دوسرے پر اعتماد کرتے تھے۔ مگر اس وقت تک ان کا ارادہ سدوزئیوں کی بادشاہی لینے کا نہ تھا۔

قندھار کے پردل خان کے خیال میں شاہ شجاع اپنے وقار کے باعث بادشاہی کے قابل تھا۔ لہذا اس نے اپنے بھائی کہندل خان کو شاہ شجاع کے پاس شکار پور بھیجا جو وہاں ان دنوں مقیم تھا مگر شاہ شجاع نے اپنے کلی اختیارات سے دستبرداری پر آمادگی ظاہر نہ کی۔ وہ پشاور آیا جہاں محمد عظیم خان کشمیر سے اس مشاورت میں آکر شریک ہوا مگر شاہ شجاع نے بارکزئی برادران کی غیر مشروط امداد و حمایت پر کوئی پابندی لگانی پسند نہ کی۔ شجاع میں خود حصول افغانستان کی طاقت نہ تھی لہذا واپس شکار پور چلا گیا۔

اس کے بعد بارکزئی بھائیوں نے تیمور شاہ کے ایک اور بیٹے ایوب شاہ سے بات کر کے اسے برائے نام بادشاہ بنایا اور تمام اختیارات خود سنبھالے مگر ایوب سازشی نکلا۔ محمد عظیم خان اس کا وزیر تھا۔ اس کے سازشی خطوط پکڑے جانے پر ایوب شاہ کو معزول کر دیا گیا۔ اس کے دو بھائیوں سلطان علی اور مراد علی۔ نے قندھار سے شاہ شجاع اور محمود کو خطوط لکھے تھے۔ یہ خطوط پکڑے جانے پر انہیں قتل کیا گیا۔ اب بارکزئی بھائی سدوزئیوں سے مایوس ہو گئے۔ محمد عظیم خان نے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لئے۔ مگر وہ متفقہ حکمران نہیں تھا۔ ہرات کا صوبہ افغانستان کی مرکزی حکموت سے کٹ گیا۔ بلخ اور بدخشاں بھی الگ ہوئے دریائے سندھ کے مشرق میں تمام علاقے پر سکھوں نے قبضہ کر لیا۔ حتٰی کہ جمرود تک کے علاقے پر ان کا اقتدار قائم ہو گیا۔ پشتونوں پر سکھوں کا یہ مختصر دور حکومت سیاہ ترین دور تھا۔

فتح خان کی موت کے بعد پشاور یار محمد خان کے قبضے میں آ گیا۔ اور جب عظیم خان پشاور کی طرف بڑھا یار محمد بھاگ گیا۔ رنجیت سنگھ نے پشاور کو لوٹا اور جلد واپس چلا گیا۔ خیر آباد میں ایک قلعہ بنا کر اس میں سکھ فوج رکھ دی لاہور پہنچ کر رنجیت سنگھ نے فتح کشمیر کے منصوبے باندھے۔ اس نے ۱۸۱۵ء میں کشمیر پر حملہ کر کے محمد عظیم خان کی ہاتھوں ذلت آمیز شکست کھائی تھی۔ مگر ۱۸۱۹ء میں اس نے ڈوگرہ راجہ گلاب سنگھ کی معیت میں دوبارہ حملہ کر کے کشمیر پر قبضہ کیا جو اس کی دیرینہ خواہش تھی۔ جو بارکزئیوں کی باہمی چپقلش کے باعث پوری ہوئی اور ایک اسلامی

خطہ چھ سو سال کے بعد کفار کے قبضے میں چلا گیا۔

بارکزئیوں کا دور حکومت

جس طرح پوپلزئیوں میں سدوزئی صاحب عزت وحکومت بنے اسی طرح بارکزئی قبیلے میں محمد زئی شاخ نے شہرت پائی ان کی ایک شاخ پائندہ خیل تھی۔ جس کے جدامجد حاجی جمال خان نے احمد شاہ ابدالی کی بادشاہی کے موقع پر اپنا حق چھوڑ دیا تھا۔ جب رنجیت سنگھ پشاور آیا اس کے ساتھ رنجیت سنگھ کا کٹر مخالف جے سنگھ اٹاری والا بھی تھا۔ اس نے خیر آباد پر حملہ کا ارادہ کیا تھا کابل کے واقعات کے باعث اسے واپس جانا پڑا رنجیت سنگھ نے دلیر ہو کر پشاور کا رخ کیا اور یار محمد خان کو خراج ادا کرنے پر راضی کیا۔ تاکہ اس کے پردے میں پشتونوں پر حکومت بھی کرے اور بارکزئی بھائیوں میں پھوٹ بھی پڑے تاکہ عظیم خان کی طاقت نہ بڑھے۔ جس سے یار محمد بھی خوفزدہ تھا۔ اس نے رنجیت کو چند عمدہ نسل کے گھوڑے دینے کا خراج مان لیا تھا۔

رنجیت کو لاہور جانے کے چند ہی روز بعد معلوم ہوا کہ محمد عظیم یار محمد کے خراج پر سخت ناراض ہو کر خود مقابلے کے لئے آ رہا ہے۔ جب عظیم خان پشاور پہنچا تو رنجیت سنگھ بھی ایک بڑی فوج ساتھ ھنڈ کے گھاٹ سے اترا۔ یار محمد خان محمد عظیم خان کے آنے سے پہلے اس کے ڈر سے بھاگ کر سوات کے یوسفزئیوں میں پہنچا۔ مگر عظیم خان کی فوج سکھ فوج سے لڑنے کے قابل شاید نہ تھی۔ اس لئے عظیم خان نے مقامی پشتونوں سے مدد مانگی۔ چنانچہ یوسفزئی، خٹک، اور پشاور کے دیگر پشتونوں نے عظیم خان کی دعوت جہاد کے جواب میں پیر بابا کے پوتے سید اکبر شاہ کی سربراہی میں نوشہرہ کے مقام پر جہاں عظیم خان لشکر لئے پڑا تھا۔ اس قبائلی لشکر نے پیر سباک ضلع نوشہرہ کے مقام پر سکھوں کے خلاف مورچہ قائم کیا۔ پشتونوں کا ایک اور لشکر ترکی کی پہاڑی (نوشہرہ) پر مقیم تھا۔ عظیم خان اپنی فوج کے ہمراہ موجودہ نوشہرہ چھاؤنی کے مقام پر دریا کے جنوبی کنارے پر خیمہ زن تھا

۱۴ مارچ ۱۸۲۳ء کو پشتونوں اور سکھوں کی لڑائی شروع ہوئی رنجیت سنگھ نے اپنی فوج کا تھوڑا حصہ عظیم خان کی فوج کے مقابلے کے لئے چھوڑا۔ اور خود فوج کے بڑے حصے کو لے کر پشتون غازیوں کے مقابلے کے لئے دریا کے پار اُترے۔ جو پیر مبارک اور ترکئی غونڈئی کے اوپر مجمع تھے۔

دست بدست جنگ شروع ہوئی۔ یوسفزئی اور خٹک غازیوں نے زبردست شجاعت سے سکھوں کو مار مار کر ہٹایا۔

قواعد دان سکھ فوج کے چار حملے قبائلیوں نے پسپا کئے۔ صرف پانچوں حملے میں رنجیت سنگھ نے اپنے محافظ دستے کے باعث غازیوں سے پیر سباک پہاڑی کا مورچہ بڑی مشکل سے چھینا۔ اس وقت جبکہ یہ خونریز جنگ جاری تھی عظیم خان اپنی فوج کے ساتھ خاموش تماشائی بنا کھڑا تھا۔ اس نے نہ تو دریا کو پار کر کے غازیوں کو کمک دی اور نہ ہی سکھ توپخانے پر حملہ کیا جو اس کے قریب سے پشتون غازیوں پر گولہ باری کر رہا تھا۔

گو پشتون غازیوں کو شدید جانی نقصان پہنچا تھا مگر دوسرے روز علی الصباح انہوں نے پھر جہاد کی تیاری کی۔ عظیم خان خاموشی سے راتوں رات سے رفو چکر ہو چکا تھا۔ دوپہر کو انہیں عظیم خان کے فرار کا حال معلوم ہوا تو انہیں مایوسی ہوئی اور میدان سکھوں کے ہاتھ رہا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ عظیم خان کے بھائیوں یار محمد خان اور سلطان محمد خان نے رنجیت سنگھ سے رشوت لی تھی کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ عظیم خان ملت کا نامور فرزند بن جائے۔ دوسری طرف عظیم خان ڈرتا تھا کہ اگر اسے شکست ہوگئی تو اس کے خزانوں اور حرم کا کیا ہوگا۔ مگر اسے بھی زیادہ جینا نصیب نہ ہوا اور کابل جاتے ہوئے راستے میں مر گیا۔

۱۸۲۶ء اس جنگ میں ہزاروں غازی شہید ہوئے جو پہاڑی والے بڑے قبرستان میں مدفون ہیں۔

اس جنگ نے پشتونوں پر بہت بُرا اثر ڈالا۔ دریائے سندھ کے مغربی کنارے کا سارا علاقہ سکھوں کے قبضے میں چلا گیا۔ اور سکھوں کے دل سے پشتونوں کا خوف رہا۔ رنجیت سنگھ نے پشاور جاتے ہوئے راستے میں کیا انسان کیا حیوان ہر چیز کو تباہ و برباد کر دیا۔ پشاور کی خوبصورت عمارت، باغات اور وغیرہ سکھ دور میں تباہ ہوئے۔ بالا حصار کے شاہی محل کو اُس نے توپوں سے اُڑا دیا۔ مگر سکھ پشتونوں پر آرام سے حکومت نہ کر سکے۔ اور پچیس سال کے اس عرصے میں پشتون برابران سے لڑتے رہے ۱۸۲۴ء میں یوسفزئی کے ایک اور لشکر نے سکھوں کا سخت مقابلہ کیا اور ان بہادر اور سفارک جرنیل ہری سنگھ نلوہ کو زخمی کر چھوڑا۔ انہی دنوں سید احمد شہید بریلویؒ اور ان کے ساتھ مجاہدین ہندوستان سے چل کر افغانستان آئے اور وہاں سے ہوتے ہوئے سکھیوں سے لڑنے کے لئے وادئی پشاور میں آئے۔

سید احمد شہید بریلویؒ اور تحریک مجاہدین

سید احمد شہیدؒ بریلی میں ۱۷۸۶ء میں تولد ہوئے۔ واجبی سی دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اور شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے روحانی فیض کے بعد ٹونک میں فوجی خدمات انجام دیں کیونکہ آپ کو شروع ہی سے سپاہیانہ زندگی اور جہاد کا شوق تھا۔ حسن اخلاق اور حسن کردار کے باعث ٹونک کی اسلامی ریاست کے فوجی آپ کے معتقد ہوئے زمانے کے غلط رسوم اور وجہ بدعات کی اصلاح کی کوشش۔ نکاح بیوہ گان پر زور دیا آپ نے ہندوستان کے طول و عرض میں اصلاحی سفر کئے۔ ہزاروں لوگ آپ کے گرویدہ ہوئے۔ اور غلط رسوم اور بدعات سے آپ نے توبہ کی۔ ۱۸۲۲ء میں آپ اپنے چارسو تقلدین کے ہمراہ حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ۱۸۲۶ء میں ہندوستان واپس آئے۔ انگریزوں اور سکھوں کے عروج کو دیکھ کر وہ کڑھتے تھے۔ خصوصاً پنجاب اور سرحد سکھ راج کے بے پناہ مظالم سے تڑپ اُٹھے۔ انہوں نے اپنے پانچ سو مریدان باصفا کے ساتھ جہاد کی خاطر سندھ اور بلوچستان کی راہ سے قندھار میں قدم رکھا۔ جہاں پر دل خان بارکزئی کی حکومت تھی۔ لیکن سید صاحب کی توقع کے برعکس ان سرداروں نے مدد نہ کی البتہ قندھار سے تین چار سو آدمی باہر آ کر ان کے ساتھ شامل ہوئے۔ کابل کے سرداروں نے ان کا زبردست استقبال کیا۔ بعض نے ان کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت بھی کی چنانچہ ڈیڑھ ماہ کے قیام کابل کے بعد سید صاحب ان سرداروں کی خودغرضیوں کوتاہ اندیشیوں وغیرہ کے باعث ان سے مایوس ہو کر پشاور چلے آئے۔ وہ بارکزئی سرداروں کو ایک پرچم تلے متحد نہ کر سکے۔

پشاور میں تین دن قیام کے بعد النڈئے دریاب (دریائے کابل) کو عبور کر کے چارسدہ کے علاقے ہشت نگر میں آئے۔ یہاں سب سے چھوٹا بارکزئی سردار محمد خان ایک بڑے مجمعے کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیعت کی۔ ابھی سید صاحب نے مجاہدین اور اسباب جنگ کا انتظام بھی پورا نہیں کیا تھا کہ آپ سکھ ۹۶ سکھ رجمنٹ افسر بدھ سنگھ کی اکوڑہ کی جانب پیشقدمی کی خبر ملی۔ سرحد کے سردار اس خبر سے سراسیمہ تھے۔ اب وقت آ گیا تھا کہ سید صاحب جہاد فی سبیل اللہ کی اس مہم کا آغاز کرتے جس کے لئے انہوں نے ہجرت کی تھی۔ اور ہزاروں میل کا سفر کر کے غریب الوطنی اختیار کی۔

سید صاحب مجاہدین کے ساتھ نوشہرہ آ گئے۔ یہاں سے آپ نے رنجیت سنگھ کو تاریخی مکتوب روانہ کیا کہ۔ اسلام

قبول کرلو ہمارے برابر ہو جاؤ گے۔ مگر اس میں کوئی جبر نہیں۔ ۲۔ یا ہماری اطاعت اختیار کر کے جزیہ دینا قبول کرلو ہم تمہارے جان و مال کی حفاظت کریں گے۔ ۳۔ اگر تمہیں ان باتوں میں کوئی فرق بھی منظور نہیں تو لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ مگر یاد رکھو تمہیں شراب سے اتنی محبت نہیں ہوگی جیسی ہمیں شہادت سے ہے۔ ۱۵ جمادی الاولی ۱۲۴۲ھ ۱۸ دسمبر ۱۸۲۶ء۔

اگلے دن بدھ سنگھ کا لشکر جو تیزی سے منزلیں مارتا ہوا آرہا تھا۔ اکوڑہ میں داخل ہو گیا۔ سید صاحب کو اطلاع ملی تو شب خون مارنے کے لئے ایک دستہ تیار کر کے روانہ فرمایا۔ اس میں ڈیڑھ سو کے قریب ہندوستانی، اسّی کے قریب قندھاری مجاہدین جبکہ باقی سرحدی جانباز تھے۔ اس دستے نے دریائے کابل عبور کر کے اکوڑہ میں پڑاو ڈالے ہوئے سکھ لشکر پر آخر شب کے وقت حملہ کیا، سکھوں نے تو پہلے مقابلہ کیا۔ مگر ان میں ہڑ بونگ مچی کہ کسی کو سر پیر کا ہوش نہ رہا۔ تقریباً سات سو کے قریب سکھ جہنم رسید ہوئے۔ جبکہ مجاہدین میں سے اسّی کے قریب شہید ہوئے۔ اس سے دربار لاہور میں ہل چل مچ گئی۔ شہداء میں نصف تعداد قندھاریوں کی تھی۔

چند دن بعد سید صاحب نے دریائے سندھ کے پار پر حملے کا منصوبہ بنایا۔ جو سکھوں کا ایک مضبوط مورچہ تھا۔ اس حملے میں سید صاحب نے اپنے لشکر کے صرف قندھاری مجاہدین کو مقامی افراد کے ساتھ بھیجنے کے لئے چنا۔ یہ معرکہ بھی مجاہدین نے جیتا۔ اور سکھوں کو غیر معمولی نقصان پہنچا کر مال غنیمت کے ساتھ واپس لوٹے۔ ان دو فتوحات کے بعد سید صاحب کی مقبولیت مزید بڑھتی چلی گئی۔ سرحد کے اہم تین حریف سرداروں شادی خان، اشرف خان اور فتح خان پنجتاوری نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے بھرپور ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ شادی خان نے آپ کو اپنے جنگی مرکز ہنڈ کے قلعے میں لا ٹھہرایا۔ ۱۲ جمادی الثانیہ ۱۲۴۲ھ (۱۰ جنوری ۱۸۲۷ء) کو یہاں علماء و مشائخ اور مقامی سرداروں سمیت عوام کی بڑی تعداد کی موجودگی مین سید صاحب کو باقاعدہ شرعی امام اور خلیفہ تسلیم کیا گیا۔ آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی گئی اور علاقے کی مساجد مین خطبہ جمعہ میں آپ کا نام شامل کر لیا گیا۔

شیدو کے میدان میں جنگ شروع ہوئی تو مجاہدین نے ابتدا ہی میں سکھوں پر زبردست دباؤ ڈال دیا شیدو کا یک مقامی سردار گودڑی شہزادہ سب سے زیادہ جانثاری کے ساتھ لڑا اور سکھوں کے مورچوں میں جا گھسا۔ ادھر سید صاحب پر زہر خورانی کا اثر بدستور باقی تھا۔ وہ اس دوران میں ہوش میں آتے کبھی بے ہوش ہو جاتے۔ میدان

میں مجاہدین کی کامیابی سامنے نظر آ رہی تھی۔ سکھ پسپا ہو رہے تھے۔ کہ کسی نے آ کر سید صاحب کو فتح کی خوش خبری بھی دے دی۔ اب تک یار محمد خان نے جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا۔ وہ اپنے سپاہیوں سمیت ایک طرف کھڑا تھا۔ سکھوں کی طرف سے ایک گولہ اس کی طرف آ گرا اس کے ساتھ ہی یار محمد اپنے سپاہیوں سمیت میدن جنگ میں واپس ہو گیا۔

سکھوں نے مسلمانوں کی صفوں کو ٹوٹتا دیکھ کر منصوبے کے مطابق اس طرف حملہ کر کے مجاہدین کو روندنا شروع کیا ۔سید صاحب بھی ان کے نرغے میں آنے والے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر گوڈڑی شہزادہ ایک چٹان کی طرح اپنے جانبازوں سمیت اس کے راستے میں جم گیا۔ اور آخری سانس تک پروانہ وار لڑتا رہا شاہ اسماعیل شہید کو جو لشکر کے ایک حصے کی کمان کر رہے تھے معلوم ہوا کہ یار محمد خان کے بھاگنے سے سکھوں نے غلبہ پالیا ہے اور سید صاحب کی جان خطرے میں ہے تو وہ فوراً پلٹے اور سید صاحب کو اپنی حفاظت میں لے کر میدان جنگ سے نکلتے چلے گئے۔ سید صاحب کو ہاتھی کی بجائے گھوڑے پر سوار کیا اور خود ہاتھی پر سوار ہو کر سکھوں کو جل دیتے ہوئے دور نکل گئے۔ شیدو کی جنگ میں مجاہدین کی شکست تاریخ افغانستان میں دردناک باب ہے۔ اس جنگ میں یوسفزئی قبائل کے اسی ہزار اور افغانستان کے بیس ہزار سپاہیوں کو جمع کر کے ایک لاکھ افراد جمع ہوئے تھے۔ مگر یار محمد خان کی غداری نے سید صاحب کی سالہا سال کی محنت پر پانی پھیر دیا۔ رنجیت سنگھ جو سباک شکست کی خبر سے گھبرا رہا تھا فتح کی خوشخبری سے بے حال ہو گیا۔ اور لاہور میں جشن منایا چراغاں کیا۔

اب سید صاحب نے پنجتار کو اپنا مرکز بنایا۔ اور ارد گرد کے علاقوں میں شریعت اسلامیہ کے احکام جاری کئے۔ تو لوگوں کو غیر شرعی ظالمانہ طریقوں اور رواجوں سے نجات دلائی۔ شروع میں لوگوں نے مخالفت کی مگر بعد میں ان کے عقائد واعمال اور رہن سہن کی اصلاح ہو گئی۔ یار محمد خان نے اب کھلم کھلا دشمنی کا اظہار کرتے ہوئے پشاور سے ہند پر چڑھائی کی اس نے توپوں سے گولہ باری کر کے لوگوں کو مرعوب کیا۔ کچھ لوگ اس سے مل گئے۔ باقی سید صاحب کے تعاون سے رُک گئے۔ سید صاحب نے یار محمد خان سے کہا کہ مسلمانوں کا ایک دوسرے پر کشت وخون ناجائز ہے۔ مگر وہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ سید صاحب کے مجاہدین نے اس کے لشکر پر شب خون مارا۔ اور چند مجاہدین نے اس کے لشکر جرار کو تتر بتر کر دیا۔ یار محمد زخمی ہو کر پشاور کی طرف بھاگا۔ مگر راستے میں ہریانا اور وہ ڈھیر

کے درمیان مرگیا۔اب بارکزئی خاندان نے یارمحمد کے قصور سے صرف نظر کرتے ہوئے سید صاحب کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھا انہی دنوں ہندوستان ک ء چند مذہبی علماء نے مخالفانہ فتوے ان حکمرانوں کو پہنچائے جن میں سید صاحب کو انبیاؑ واولیاءؒ کا گستاخ اور اہل سنت الجماعت کے عقائد سے برگشتہ ظاہر کیا گیا۔

کچھ عرصہ بعد سلطان محمد خان اپنے بھائیوں پیر محمد خان، سید محمد خان اور بھتیجے حبیب اللہ خان کے ساتھ ایک بڑا لشکر لے کر چارسدہ آ پہنچا۔سید صاحب نے بارکزئیوں کو زبانی پیغام بھجوایا کہ تم نے اور تمہارے بھائی پیر محمد خان نے ہمارے ہاتھ جہاد کی بیعت کی۔تمہارے بھائی دوست محمد خان حاکم کابل نے ہمیں کہا تھا۔میرے بھائی منافق اور دغاباز ہیں۔یہ کبھی آپ سے وفانہیں کریں گے۔مگر ہم نے اس کے کہنے کا کچھ خیال نہ کیا مگر جب بدھ سنگھ سے مقابلہ ہوا تو تمہارے بھائی یار محمد خان نے سکھوں سے مل کر ہمیں زہر دیا۔اور مقابلہ کے وقت دھوکہ دے کر بھگ گیا۔پھر دنوں کے بعد خود ہم پر حملہ آور ہوا۔مگر شامت نفس سے مارا گیا۔اس میں ہماری کیا خطا ہے۔ہم نے تو اسے بہت سمجھایا ہم تو کفار سے لڑنے کے لئے آئے ہیں۔تم خدا سے ڈرو اور ناحق اصرار نہ کرو برائی کا انجام برا ہوتا ہے۔

سلطان محمد خان نے سید صاحب کے اس پیغام اور تحریر شدہ خط کو کوئی اہمیت نہ دی اور کہا کہ ہم نے اس پر کمر ہمت باندھ لی ہے کہ تم جیسے لوگوں کو ختم کر کے اس سرزمین کو پاک کردیں گے۔اب سید صاحب کو پھر ان لوگوں کے مقابلہ پر آنا پڑا جو کفار کے مقابلے سے گریزاں مگر مجاہدین کے خون میں ہاتھ رنگنے کے لئے بے چین تھے۔لڑائی سے قبل سلطان محمد خان پیر محمد خان۔سید محمد خان اور حبیب اللہ خان نے قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی تھی کہ سید صاحب کے مقابلے سے پیٹھ پھر کر نہیں بھاگیں گے۔یہی قسم تمام افسروں اور سپاہیوں سے لی گئی تھی۔میدان جنگ کی راہ میں نیزے گاڑ کر ان کے بیچ میں قرآن مجید لٹکایا گیا تھا۔لشکر کا ہر سپاہی ان نیزوں کے درمیان گزر کر میدان کو روانہ ہوا۔بارکزئیوں نے اپنے لشکر کے چار حصے کئے تھے۔تین حصے گھڑسواروں کے اور ایک پیدل سپاہ کا تھا۔پیدل حصے کا کمانڈر ایک انگریز تھا۔جس کے پاس دو توپیں تھیں۔

مایار کے میدان میں جنگ ہوئی۔سید صاحب کے ساتھ قومی پختون سرداروں کے قبائلی افراد تھے۔جب حریف کی طرف سے توپوں سے گولے لشکر مجاہدین کے آس پاس پھٹنے لگے تو قبائلی افراد تتر بتر ہو کر ادھر اُدھر چھپ

گئے۔اب سید صاحب کے ساتھ دو ہزار مجاہدین رہ گئے۔اتنے میں بارکزئی لشکر کا ایک گھڑ سوار طوفانی دستہ آیا۔وہ ننگی تلواریں سونتے چلا رہے تھے۔،،سید کجاست،،۔سید صاحب اگلی صف میں موجود تھے۔اور انہیں نزدیک آنے دیا۔جب چالیس پچاس قدم کا فاصلہ رہ گیا تو سید صاحب نے رائفل سنبھال کر نعرہ تکبیر بلند کر کے ان پر فائر کیا۔ساتھ ہی دیگر مجاہدین نے بھی بندوقیں چلائیں اس کے باوجود دشمن کا طوفانی دستہ نہ رُکا اور مجاہدین کی صفوں میں آن گھسا۔کچھ دیر دست بدست لڑائی ہوتی رہی۔

سید صاحب کے آس پاس پانچ سو کے لگ بھگ افراد تھے۔سید صاحب ایک دو بندوقیں سنبھالے دائیں اور بائیں کندھے پر رکھ کر پے درپے فائر کر رہے تھے۔چند ہی لمحوں میں دشمن کا دستہ پسپا ہو گیا۔کئی ایسے دستے آئے مگر مجاہدین نے پسپا کیے۔اور پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ کی ٹولیوں میں بٹ کر ان کے تعاقب میں دوڑے۔جب ایک نوعمر مجاہد کا گنڈاسہ ایک سوار کی زرہ میں پھنسا اور وہ بھاگ کر لڑکے کو کھینچتا چلا گیا تو وہ پکارہ،،زما کافر چیٹ ئے یووڑ،،میرا گنڈاسہ لے گیا،بعد میں دوسرے مجاہدین نے اس کی مدد کر کے سوار کو مار ڈالا اور گنڈاسہ چھڑا کر نو عمر مجاہد کو دے دیا۔یوں مٹھی بھر مجاہدین نے افغانستان کی منظم فوج کو شکست دی۔سید صاحب نے آگے بڑھ کر پشاور کا رُوخ کیا۔جہاں سلطان محمد خان بھاگ کر وہشت زدہ موجود تھا۔اس نے سید صاحب سے معافی مانگی جو سید صاحب نے دے دی مگر بڑھ کر پشاور میں داخل ہوئے۔لوگوں نے استقبال کیا مگر مجاہدین نے نہ کوئی دوکان لوٹی نہ کسی کا گھر جلایا۔حتٰی کہ تین دن بھوکے رہ کر کسی باغ سے پھل تک نہ توڑا۔آخر تیسرے دن ارباب بہرام خان نے اناج کی بڑی دوکانوں سے اناج خرید کر مجاہدین کے لئے روٹیاں پکوائیں اور یوں تین دن مجاہدین کے حلق میں روٹی اُتری۔

چند دن پشاور میں قیام کے بعد سلطان محمد خان کے اطاعت کے وعدہ اور معافی پر اعتبار کرتے ہوئے پشاور اس کے احوالے کرنے کا ارادہ کیا گو ان کے ساتھی اس سے متفق نہ تھے۔چند دن کے بعد سید صاحب پنجتار گئے۔اور اپنی علمداری میں شرعی احکام کے اجراء جاہلانہ رسوم کے خاتمے اور سنتوں کے اجراء کا کام پوری سرگرمی سے کرنے لگے۔یہ تحریک کامیابی کی راہ پر بڑھ رہی تھی۔ان کا خالص توحید کا پیغام بہت سے دنیا پرستوں کو ناگوار گزر رہا تھا۔ادھر ہندوستان کے علمائے سوء کا اعلامیہ بھی بہت سے افراد کو ان خلاف بھڑکا رہا تھا۔اس اعلامئے

میں تحریر تھا کہ علماء سرداروں اور خوانین کو اطلاعاً لکھا جاتا ہے کہ سید احمد نامی ایک آدمی چند علمائے ہند کو متفق کر کے اس قدر جمعیت کے ساتھ تمہارے ملک میں گیا ہے۔ وہ بظاہر تو جہاد فی سبیل اللہ کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ مگر یہ ان کا مکروفریب ہے وہ ہمارے اور تمہارے دین اور مذہب کا مخالف ہے اس نے ایک نیا دین و مذہب نکالا ہوا ہے۔ وہ کسی بزرگ ولی کو نہیں مانتا سب کو برا کہتا ہے۔ انگریزوں کا بھیجا ہوا ہیں۔ تمہارے ملک کا حال معلوم کرنے گیا ہوا ہے۔

اس فتوے پر ہندوستان کے بہت سے وہم پرست علماء اور بنیاد پرست پیروں کی مہریں ثبت تھی۔ مخالفین نے اس فتوے کو زیادہ سے زیادہ مشتہر کر کے سید صاحب کو سرداروں اور علماء کی نظر میں مشکوک کر دیا۔ بہت سے سردار اس وجہ سے بھی سید صاحب سے ناراض تھے کہ پہلے وہ عوام کے مال و دولت اور کھیتوں کی پیداوار میں سے اپنی مرضی کے مطابق جو چاہتے لے لیتے تھے۔

مگر اب شرعی احکام کے نفاذ کے بعد عشر اور زکوٰۃ کا فریضہ ادا ہو رہا تھا۔ اس سے غریب طبقہ بے حد خوش تھا۔ مگر سرداروں اور امراء کی ناجائز آمدنی کی راہیں بند ہوگئی تھیں۔ وہ محض نام کی مسلمانی پر جینا چاہتے تھے۔ ایک مقامی سردار عنایت اللہ خان کے شاہ اسماعیل شہیدؒ کو لکھے گئے ایک خط کی درج ذیل سطور بڑے لوگوں کی ذہنیت کو خوب واضح کرتی ہیں۔ ''قرآن وسنت اور علماء سب تمہاری طرف ہیں لیکن وہی احکام جو کتاب وسنت سے ثابت ہیں ہمارے اوپر شاق اور بار ہیں اس سلسلے میں ہم جنگ کے لئے تیار ہیں پھر جو فیصلہ ہو۔ اگر ہم غالب آگئے تو اپنی رسوم پر قائم رہیں گے اور اگر تم غالب آئے تو اور ملک میں تمہارا عمل دخل ہوا تو ہم اس ملک کو چھوڑ کر کسی کافر ملک کی عملداری میں چلے جائیں گے تا کہ وہاں اطمینان سے اپنے باپ دادا کے طریقے پر عمل کر سکیں۔

اسی فضا میں سید صاحب کی تحریک کے خلاف ایک خفیہ سازش تیار کی گئی جس کے مطابق دور دراز علاقوں میں پھیلے ہوئے مجاہدین کے اہلکاروں اور علماء کو بیک وقت کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ سازشیوں نے حملے کے دن کی علامت طے کی تھی کہ اس دن بستیوں میں نقارے بجائیں گے جن کا مقصد مجاہدین کو قتل کرنا ہوگا۔ مقررہ دن نقارے بجانے کی وجہ جب مجاہدین نے پوچھی تو مقامی لوگوں نے بتایا کہ یہ جوار کی کٹائی کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ اس دن رات پھیلتے ہی مجاہدین کا قتل عام شروع ہوگیا۔ زیادہ تر کو رہائش گاہوں پر گھیر کر شہید کر دیا گیا۔ بہت

سے نماز عشاء کے لئے وضو کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ایسے بھی تھے جنہیں نماز پڑھتے ہوئے شہید کیا گیا۔ مساجد سے انہیں گھیر گھار کر نکالا گیا اور پھر بے دردی سے شہید کیا گیا سید صاحب کے ایک معتمد ساتھی حاجی بہادر شاہ رامپوری بڑے نسبت بزرگ تھے۔وہ سید صاحب کی طرف سے گڑھی امان زئی جارہے تھے۔راستے میں ایک گاؤں کے لوگوں نے انہیں پہچان کر خوب اعزاز واکرام کیا اور عشاء کی امامت کے لئے کہا۔چنانچہ نماز کی پہلی رکعت کے سجدے میں بستی کے خان اسماعیل خان نے تلوار کا یا سازوردار وار کیا کہ حاجی صاحب کا سر کٹ کر الگ ہو گیا۔

خدا رحمت کہند ایں عاشقان پاک طینت را

سلطان محمد کے بھائی پیر محمد درانی نے سید صاحب کے مرید ارباب فیض اللہ خان اور مولانا علیل کو دعوت پر بلایا اور شہید کر دیا۔ککرم کے مبین خان نے مسلم مجاہدین سے دھوکے سے ہتھیار لئے اور یہ کہ انہیں پنجتار پہنچائے گا اور پھر ان سب کو چھریوں سے جانوروں کی طرح ذبح کر دیا۔

پشاور میں اسی رات سلطان محمد خان کے شارے سے ارباب فیض اللہ اور سید صاحب کے مقرر کردہ قاضی ومفتی بھی شہید کر دئے گئے۔اور پشتونوں کے امن پر یہ سیاداغ قیامت تک کے لئے پڑ گیا۔بقول سید بہادر شاہ ظفر کا کا خیل مرحوم سید صاحب نے ذرا عجلت سے کام لیا اور پشتونوں کے سینکڑوں برس رسوم ورواج کو نظر انداز کر دیا ۔اگر وہ عشر اور زکوٰۃ مقامی خوانین کے ذریعے وصول کرتے تو بہتر تھا۔اور رسوم وروج میں تبدیلی بتدریج لائی جا سکتی تھی۔سید صاحب کو پنجتار میں جب اپنے مریدین باصفا اور مجاہدین باخدا کی اس مظلومانہ شہادت کی اطلاع ملی تو انہوں نے فوراً اپنے سات سو ساتھیوں کے ساتھ پشتونوں کے علاقے کو چھوڑنے اور مظفر آباد کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا۔وہ ضلع ہزارہ پہنچے اور پشاور جانا چاہتے تھے۔کہ ایک بڑی سکھ فوج کے نرغے میں آگئے۔شاید یہ اطلاع بھی ننگ اسلام سلطان محمد خان بارکزئی اور مقامی سرداروں نے سکھوں کو دی تھی۔سید صاحب بالاکوٹ پہنچے تو سکھوں کی ایک بڑی فوج نے رنبیر سنگھ کی سرکردگی میں آپ کا راستہ روکا۔بیچ میں دریائے کہنار بہہ رہا تھا لہذا مظفر آباد جانے کے لئے دریا پر پل کی ضرورت تھی جو سکھوں نے نہ بنانے دیا۔آخر سید صاحب اپنے سات سو مجاہدین کے ساتھ جہاد کے لئے تیار ہو گئے۔چنانچہ ۲۴ ذی قعد ۱۲۴۶ھ کا بروز جمعہ ۱۸ مارچ ۱۸۳۰ء کو نہایت

بے جگری سے اور دلیری سے لڑتے ہوئے سید احمد رحمہ اللہ اپنے سینکڑوں ساتھیوں اور شاہ اسماعیلؒ کے ساتھ ست بنے نالے کے کنارے شہید ہوئے سینکڑوں سکھ بھی واصل جہنم ہوئے

عجب رسمے بنا کردند بخاک وخون غلطیدن

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

محمد زئی خاندان

امیر دوست محمد خان ۱۸۳۴ء ۱۸۶۳ء

عظیم خان کی موت پر اس کا بیٹا حبیب اللہ خان اس کا جانشین بنا مگر باپ سے کئے گئے وعدے کے برعکس کہ وہ سکھوں کو ملک سے باہر نکالے گا۔ اس نے عیاشی اور شرابنوشی شروع کر دی اس کا چچا دوست محمد خان جو غزنی میں تھا کابل پر حملہ آور ہوا۔ حبیب اللہ خان نے قندھار کے چچاؤں سے طلب کی شیر دل خان نے آ کر دوست محمد خان کو شکست دی۔ وہ جلال آباد بھاگا۔ شیر دل خان نے کابل پر قبضہ کر کے حبیب اللہ خان کو معزول کر دیا۔ پشاور کے بھائیوں نے دوست محمد خان کو ساتھ ملا کر شیر دل خان پر حملہ کیا۔ لیکن جنگ سے فیصلہ ہوا۔ آخر بھائیوں کے درمیان ایک عہدے نامے کی رو سے قندھار تو بدستور شیر دل اور پر دل کے قبضے میں رہا۔ کابل سلطان محمد خان کو دیا گیا۔ اور غزنی اور کوہستان دوست محمد خان کو ملے۔ لیکن اس نے کابل پر حملہ کر کے سلطان محمد خان کو پشاور کی طرف بھگا دیا۔ فتح کابل میں دوست محمد خان کے قزلباش ماموں سردار محمد خان بیات نے اس کے ساتھ بہت مدد کی تھی۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے جلال آباد پر قبضہ کر لیا۔ دوست محمد خان عمر میں بھائیوں سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے سیاست و شجاعت اور معاملہ فہمی میں ان سے بڑھ کر تھا۔

شاہ شجاع دوست محمد خان کی قوت و اقتدار کو تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ اسے خود موقعہ کی تلاش تھی امیران سندھ نے جو انگریزوں سے بدگمان تھے شاہ شجاع کا کابل پر حملہ کرنے کی صورت میں خراج کی ادائیگی کا وعدہ کیا۔ اس لئے شاہ شجاع کو حملہ کابل کا شوق مزید چڑھا۔ اس نے کابل پر حملے کے لئے رنجیت سنگھ سے بھی مدد طلب کی جس نے اسے محض سبز باغ ۱۸۳۲ء تک دکھائے۔ پھر اس نے ذلت بھرا معاہدہ سکھوں سے کیا۔ جس کی رو سے وہ کشمیر، سرحد، ملتان وغیرہ سے رنجیت کے حق میں دستبردار ہو گیا۔ رنجیت سنگھ نے اسے تھوڑی سی فوج

دی۔ انگریزون نے چار ماہ کا وظیفہ پیشگی دیا۔ اس سے شاہ شجاع نے کچھ ہندوستانی فوج تیار کر کے شکار پور کا رخ کیا۔ اور امیران سندھ سے خراج کی رقم کا مطالبہ کیا جس سے وہ مکر گئے۔ روہڑی کے مقام پر جنگ میں شجاع نے امیران سندھ کو شکست دی اور انہوں نے خراج کی رقم ادا کی جس سے شجاع نے مزید فوج بھرتی کی۔ اور قندھار پر حملہ کیا۔ دوست محمد خان نے انگریزوں کے شجاع کی مدد نہ کرنے کی اطلاع پر اپنے سوتیلے قندھاری بھائیوں شیر دل اور پر دل کی حمایت میں شجاع سے جنگ کی شجاع کی فوج کا انگریز افسر کیمل بہت بہادری سے لڑتا ہوا زخمی ہوا۔ اور دوست محمد خان کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ شجاع بری طرح شکست کھا کر بھاگا اور خالی ہاتھوں پھر لدھیانہ ۱۸۳۳ء میں آیا۔ بارکزئی بھائیوں کی باہمی چپقلش کے زمانے میں رنجیت سنگھ نے اپنے جرنیل ہری سنگھ نلوہ کو ایک بڑی فوج کے ساتھ بھیجا۔ جس نے مئی ۱۸۳۴ء میں پشاور پر قبضہ کرلیا۔ سلطان محمد خان اور اس کا بھائی پشاور سے نکل کر جلال آباد پہنچے۔ رنجیت سنگھ نے اپنے جرنیل ہری سنگھ نلوہ کو پشاور کا گورنر مقرر کیا۔ پھر باہمی بدنیتی اور حسد کے باوجود قندھار کی جنگ مین دوست محمد خان کی فتح پر ان کے بھائیوں نے کابل جا کر اسے مبارک باد دی جس سے بھائیوں کے ارادوں کو بھانپنے کے باوجود بظاہر ان کی آو بھگت کی۔ اور یہ سب بھائی کمزور ہونے کی وجہ سے دوست محمد خان کے عروج کو برداشت کر رہے تھے۔ مگر تیمور شاہ اور شاہ شجاع کے سرمائی دارلحکومت پشاور پر سکھوں کا قبضہ پشتونوں کی غیرت وشجاعت اور قوت کے لئے ایک تازیانہ تھ۔ مگر اس کے لئے قوت اور تمام بھائیوں کے اتحاد کی ضرورت تھی۔ ۱۸۳۴ء میں دوست محمد خان نے اپنے امراء اور علماء کے مشورے سے اپنے لئے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔

دوست محمد خان نے اپنے ایک بھتیجے کو انگریزوں کے پاس کمک کے لئے روانہ کیا تا کہ پشاور کو سکھوں سے دوبارہ حاصل کیا جا سکے۔ مگر انگریز رنجیت سنگھ کو دوست محمد خان کی خاطر ناراض کرنے پر تیار نہیں تھے۔ کیونکہ اس وقت تک افغانستان کے معاملات میں براہ راست ملوث ہونے کا ارادہ نہیں تھا۔ انہوں نے دوست محمد خان کو رنجیت سنگھ کے ساتھ خود معاملات کے طے کرنے کا مشورہ دیا۔ اب دوست محمد خان نے اپنے بھائی سلطان محمد خان کو دس ہزار فوج دے کر پشاور فتح کرنے کے لئے بھیجا اور خود بھی پیچھے روانہ ہوا۔ ادھر رنجیت سنگھ نے اپنی فطری عیاری و چالاکی کو بروئے کار لاتے ہوئے فقیر عزیز الدین اور جنرل ہارلال کو سلطان محمد خان کے پاس بھیجا۔

دوست محمد خان کو شک گزرا اور رنجیت کے قاصدوں کو گرفتار کرنا چاہا۔ تو وہ اپنا کام کر کے بھاگ گئے تھے۔ وہ رشوت اور پشاور کی حکومت کا سلطان محمد خان کو لالچ دے کر اسے اپنے بھائی سے روگردان کر گئے تھے۔ مگر سلطان محمد نے دوست محمد خان کو دھوکہ دیتے ہوئے قرآن پر قسم کھا کر کہا کہ میرا ارادہ پشاور کو باعزت طریقے سے سکھوں سے واپس لینا تھا۔ مگر رات کو خفیہ طریقے سے بھائی کے کیمپ سے نکل کر سکھوں کے کیمپ میں چلا گیا۔ اس پر فوج بکھر گئی اور دوست محمد خان دلگیر ہو کر کابل کو مئی ۱۸۳۵ء میں بغیر لڑے ہوئے واپس چلا گیا۔

مگر سلطان محمد خان کو غداری کے باوجود کچھ ہاتھ نہ آیا۔ سکھوں نے کچھ عرصہ اسے روہتاس کا حاکم بنایا۔ پھر پشاور اور بنوں میں کچھ جاگیر اسے دی۔ اور پشتونوں کے صوبے کا حاکم بدستور ہری سنگھ نلوہ ہی رہا۔ دوست محمد خان کے حملے سے کافی حد تک پرامن اور مطمئین ہو کر سکھوں نے پشتونوں پر وہ مظلم ڈھائے کہ پشتون مائیں اپنے بچوں کو ہری سنگھ کی بلا سے ڈراتی تھی۔ دوست محمد خان کے قندھار اور پشاور کے سوتیلے بھائی اس کی بالادستی کو قبول کرنے کے لئے ہرگز تیار نہ تھے۔

انگریز سیاح اور جاسوس الیگزینڈر برنس جو ۱۸۳۲ء میں پشاور میں سلطان محمد خان کا ایک ماہ مہمان رہا تھا۔ اس کی خوش دلی، تعلیم یافتہ ہونے اور وسیع دسترخوان کی تعریف کرتا ہے۔ مگر کہتا ہے کہ اس میں قوت فیصلہ نہ تھی۔ وہ دراز قد اور سیارنگ کا ۳۵ سالہ جوان تھا۔ اس کی حکومت پشاور کی میدانی علاقے اور کوہاٹ کے پہاڑی علاقے تک محدود ہے۔ خٹک اسے دس ہزار پاؤنڈ مالیہ اور یوسفزئی کچھ تھوڑا مالیہ ادا کرت ہیں۔ حقیقت ہشت نغر میں اس کا بھائی سید محمد خان رہتا ہے۔ اور کوہاٹ میں دوسرا بھائی پیر محمد خان رہتا ہے اس وقت سلطان محمد سکھوں کا باجگذار تھا۔

پشاور پر سکھوں کا قبضہ دوست محمد خان کے دل میں کانٹے کی طرح چبھتا رہتا تھا۔ ہری سنگھ نے جمرود مین ایک قلعہ بنا کر کابل پر حملے کا منصوبہ بنایا۔ تھا۔ اس پر دوست محمد خان نے اپنے بیٹے سردار محمد اکبر خان کو ایک فوج دے کر پشاور پر حملے کے لئے بھیجا۔ اس نے یکم مئی ۱۸۳۷ء میں جمرود کے مقام پر سکھوں پر حملہ کیا۔ ہری سنگھ بھی تیزی سے اپنی فوج کی مدد کے لئے پہنچا۔ افغان قلعہ جمرود کو نہ توڑ سکے۔ مگر ہری سنگھ کی کمان میں آنے والی سکھ فوج کو شکست دے کر بھگایا۔ اور موجودہ اسلامیہ کالج پشاور کے مقام پر برج ہری سنگھ پر ہری سنگھ سخت زخمی ہوا اور اسی

کے باعث واصل جہنم ہوا۔ محمد اکبر خان نے تعاقب کر کے سکھوں سے دو توپیں چھین لیں۔ مگر سکھوں کی شدید مزاحمت کے باعث وہ پشاور یا جمرود پر قابض نہ ہو سکا۔ اور محمد اکبر خان واپس جلال آباد چلا گیا۔

رنجیت سنگھ ہری سنگھ کی موت پر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا اس نے اپنے دوسرے جرنیل دھیان سنگھ کی ماتحتی میں ایک اور فوج پشاور بھیج دی۔ یہ شخص گلاب سنگھ کا بھائی تھا۔ جس کے ہاتھ بعد میں سکھوں نے جموں و کشمیر ۷۵ لاکھ پاؤنڈ میں فروخت کیا۔ دھیان سنگھ نے قلعہ جمرود کی مدافعت میں خود بھی حصہ لیا۔ اس کے بعد ایک سفاک اور ترین اطالوی جنرل بواو بیٹاٹل (ابوطبیلہ) پشاور کا گورنر مقرر رہا جو بغیر کسی دلیل کے معمولی مجرموں کو مہابت خان مسجد کے بلند مینار سے سر کے بل گرانے کا سزا دیتا تھا۔ ۱۸۳۷ء میں ایرانیوں نے پھر ہرات کا محاصرہ کیا۔ انہی دنوں لارڈ آک لینڈ برطانوی ہند کا گورنر بن کر آیا۔ جسے ہندوستان پر افغان حملے کا خطرہ تھا۔ اور جو دوست محمد خان کو سخت ناپسند کرتا تھا۔ دوست محمد خان کے خط کے جواب میں کہ وہ سکھوں سے پشاور اسے دلا دے۔ آک لینڈ نے لکھا کہ ہماری پالیسی ملک کی صنعتی ترقی اور تجارتی ترقی ہے اور بیرونی ملکوں کے معاملات میں ہم دخل نہیں دیتے ۔ اس پر قندھار کے اس سوتیلے بھائیوں نے روس اور ایران سے گفت و شنید کی روسی سفیر لیفٹیننٹ وڈ اور ڈاکٹر لارڈ پر مستمل وفد کابل گیا مگر انگریز اُسے سکھوں سے پشاور واگزار کرانے پر تیار نہ تھے۔ البتہ سلطان محمد خان کو کھوں کے باجگذار کی حیثیت سے پشاور کا حاکم بنوانے پر تیار تھے۔ محمد اکبر خان نے جلال آباد مین اس وفد کا خیر مقدم کیا تھا۔ روسی سفیر قندھار سے کابل کے حاکم کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے شاہ روس سے کابل کی سفارت کی اسناد منگوائیں اور کابل پہنچ گیا۔ ابھی دوست محمد خان انگریزوں سے قطعی مایوس نہیں ہوا تھا۔ لہذا روسی سفیر سے سرد مہری سے پیش آیا۔ مگر انگریزوں کی خود غرضی اور خود مطلبی دیکھ کر دوست محمد خان نے روسی سفیر سے گرمجوشی کا سلوک کیا۔ جس نے روس سے مالی امداد اور پشاور کے حصول کی مدد کا وعدہ کیا۔ ساتھ ہی بارکزئی بھائیوں اور حکومت ایران کے درمیان بھی باہمی تعاون کا معاہدہ طے پایا۔

برنس کی سفارت کی ناکامی اور ویکووچ کی کامیابی پر انگریز سیخ پا ہوئے اور سکھوں سے معاہدی کر کے افغانوں کا ایک بڑے حصہ ملک پر ان کا قبضہ تسلیم کیا تا کہ روس اور ایران کی افغانوں کی مدد کی صورت میں سکھوں کو افغانوں کے مقابلے کے لئے تیار کیا جائے۔ اب انگریز کے دل میں ہند پر روسی حملے کا خطرہ پیدا ہوا۔ مگر یہ حقیقت سے

زیادہ ایک واہمہ تھا۔ادھر ایرانیوں نے جو ۲۳ نومبر ۱۸۳۷ء کو پانی چالیس ہزار فوج اور روسی، فرانسیسی اور اطالوی افسران کے ساتھ ہرات کا محاصرہ کیا تھا۔ وہ نو ماہ تک جاری رہا۔ نااہل کامران حاکم ہرات کا وزیر یار محمد خان بہت صاحب حوصلہ شخص تھا۔ اہل شہر نے کسی بھی حال میں ایران کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا تھا۔ فیرئیر فرانسیسی مورخ کے مطابق جو کام تین ہفتے کا تھا۔ وہ ایرانی فوج نے نو ماہ میں نہ کر سکی۔ ایک وجہ تو ایرانی افسروں کا انگریزوں سے رشوت لینا تھا۔ مگر اصل وجہ افغانوں کی اپنی بے نظیر شجاعت اور جذبہ مزاحمت تھا بقول فیرئیر پشتونوں کا ایک معمولی دستہ ایرانیوں کی ایک بڑی فوج کو تتر بتر کر کے رکھ دیتا تھا۔

روس کی شہ پر ایرانیوں کے اس حملہ اور محاصرے کے دوران ایک انگریز کپتان پالیگیو (Polleugee) نے افغانوں کی بڑی مدد کی اور سکھ اور ہندو تاجروں کے ذریعے ہند سے پہنچنے والے روپے سے اس نے کامران کی مالی معاونت کی آخر انگریزوں نے ایرانیوں پر ہرات کا محاصرہ اُٹھانے کے لئے دباؤ ڈالا۔ مگر ایرانیوں نے اپنی پوری قوت سے ۲۴ جولائی ۱۸۳۸ء کو ایک زوردار حملہ کیا۔ اس حملے کا افغانوں نے جس بے مثال بے جگری اور مستقل مزاجی سے مقابلہ کیا اس کی مثال ایشیاء کی جنگوں کی تاریخ میں کم ہی ملتی ہے ادھر انگریزوں نے ایرانی سمندر میں حملہ کر کے ایرانی بندرگاہ محمر پر قبضہ کر لیا۔ اس پر مجبور ہو کر ایرانیوں نے اپنا نو ماہ کا ناکام اور طویل محاصرہ ۸ ستمبر ۱۸۳۸ء کو اُٹھا لیا

افغانستان کی پہلی جنگ

روسی حملے کے خطرے سے نمٹنے کے لئے انگریزوں نے ایک ایسے شخص کو کابل کے تخت پر بٹھانا چاہا جو سکھوں اور انگریزوں سے بیک وقت اچھے تعلقات رکھتا ہو۔ چنانچہ لارڈ داک لینڈ نے دوست محمد خان کی جگہ شاہ شجاع کو کابل کے تخت پر بٹھانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ شاہ شجاع کے ساتھ معاہدہ ہوا جس میں انگریز اور رنجیت سنگھ بھی شامل تھے۔ ساڑھے اکیس ہزار فوج شاہ شجاع کے لئے تیار کی گئی۔ چونکہ رنجیت سنگھ نے اس فوج کو اپنے علاقے سے گزرنے کی اجازت نہ دی۔ اس لئے یہ فوج سندھ اور بلوچستان سے گزری اور قندھار کی طرف بڑھی اور شجاع کی جو فوج رنجیت سنگھ کی فوج پر مشتمل تھی اس کے بیٹے شہزادہ تیمور کی سربراہی میں خیبر کی طرف سے بڑھی۔ ایک انگریز کرنل ویڈ شہزادہ کے سرپرست کی حیثیت سے فوج کے ہمراہ تھا۔ شجاع درہ کوژک سے گزر کر ۵ اپریل

۱۸۳۹ء کو قندھار کے اندر داخل ہوا قندھار کے بارکزئی سردار ایران بھاگ گئے۔لوگوں نے مجبوراً شاہ شجاع کی اطاعت قبول کی۔شاہ شجاع ۱۷ جون ۱۸۳۹ء تک قندھار میں رُکا جبکہ دوسری انگریزی فوج بھی اس سے آملی۔ انہی دنوں مہاراجہ پنجاب رنجیت سنگھ مر گیا۔قندھار سے شاہ شجاع کی فوج اور انگریزی فوج غزنی پہنچی جہاں دوست محمد خان کا بیٹا غلام حیدر ساڑھے تین ہزار فوج کے ساتھ مقیم اور شہر کا حاکم تھا۔انگریزوں نے غزنی کا مضبوط قلعہ تو رشوت کے ذریعے اور کچھ دروازے کو بارود لگا کر اسے اڑانے کے باعث فتح کیا۔غلام حیدر خان قیدی بن گیا۔تین سو کے قریب علماء اور سپاہیوں نے کئی کئی انگریزوں کو واصل جہنم کرنے کے بعد شہادت پائی۔ انگریزوں کا جانی نقصان بھی تین سو سے زیادہ تھا۔

غزنی کے اس قدر جلد سقوط سے دوست محمد خان حواس باختہ ہوا۔اس کے بہت سے ساتھی انگریزوں کے ہاتھ بک گئے۔لہذا وہ میدان میں تنہا رہ جانے کے باعث کابل سے نکلا۔انگریزی فوج ۱۶ اگست ۱۸۳۹ء کو کابل میں داخل ہوئی۔اب شاہ شجاع پھر افغانستان کا بادشاہ بن گیا۔اور بالا حصار میں رہنے لگا۔دوست محمد خان بامیان چلا گیا۔انگریزون نے اس کی گرفتاری کے لئے کپتان اوٹرا کی ماتحتی اور حاجی خان کاکڑ کی رہنمائی میں ایک فوجی دستہ بھیجا جس نے اسے اس وقت طویل راستے سے بامیان پہنچایا۔جب دوست محمد خان وہاں سے تیس میل آگے جا چکا تھا۔دوست محمد خان یہاں سے بخارا چلا گیا۔لہذا انگریزوں کے ہاتھ نہ آیا۔امیر بخارا نے بظاہر دوست محمد کو خوش آمدید کہا مگر درحقیقت اسے اور اس کے دو بیٹوں محمد اکبر خان اور محمد افضل خان کو معزز قیدی بنائے رکھا۔

ادھر کرنل ویڈ اور شہزادہ تیمور کی کی ماتحتی میں آنے والی سکھ فوج رنجیت سنگھ کی موت کا سن کر دیر سے روانہ ہوائی قبائلیوں نے شہزادہ کے وعدوں پر اعتبار کر کے سکھ فوج کو گزرنے دیا۔محمد اکبر خان نے ڈکہ کے مقام پر تیار ہونے کے باوجود اس فوج کا مقابلہ نہ کیا۔اور یہ ستمبر میں شجاع کی تخت نشینی کے تین ہفتے بعد پہنچی۔شاہ شجاع برائے نام بادشاہ تھا سارے اختیارات سفیر میکناٹن کے پاس تھے۔قبائلی جنہوں نے ماضی میں کئی بار شجاع کو پناہ دی تھی اب انگریزوں کے وعدوں پر اعتبار نہیں کیا اور اپنے مواجب کی رقوم کے بارے میں سر جان کین کی کمان میں واپس جانے والی فوج کو لوٹ لیا۔کیونکہ بظاہر ملک میں امن قائم ہو گیا تھا۔مگر یہ طوفان سے پہلے کا سکون تھا۔کوئٹہ اور

باجوڑ میں بغاوت ہوئی غلجیوں کی بغاوت تیس ہزار روپے مواجب پر صلح کے باعث ختم ہوئی۔ اکثر مقامات انگریزی فوجوں کے تقرر سے لوگوں کو اندیشہ پیدا ہوا کہ شاہ شجاع کے پردے میں انگریز ملک پر اپنا قبضہ مستحکم کر رہے ہیں۔

ادھر دوست محمد خان امیر بخارا کی قید سے فرار ہوگیا۔ اوزبک اس کی مدد پر کمر بستہ ہوگئے ہرات کا بدنام زمانہ کامران بھی انگریزی سفیر ماڈ سے تنگ آکر شجاع کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شجاع کے حامی بھی انگریزوں کے اثر ورسوخ سے نالاں تھے۔ امیر دوست محمد خان اور اس کے دو بیٹے بخارا سے فرار ہونے کے بعد "خلم" پہنچے۔ جلد ہی اس کے پاس پانچ ہزار فوج جمع ہوگئی۔ انگریزوں سے کئی چھوٹی چھوٹی جنگیں ہوئیں۔ شاہ سنگان کی جنگ میں دوست محمد خان کو فتح حاصل ہوئی اور انگریزی فوجیں سمٹ کر بامیان میں آگئیں۔ اگلی جنگ میں امیر دوست محمد خان شکست کھا کر کوہستان گیا نیز کابل سے اس کی مدد کے لئے پیغامات آنے لگے۔ انگریزی سفیر میکناٹن نے جنرل سیل کو اس کے تعاقب میں بھیجا۔ جو ایک لڑائی میں لنگڑا ہوگیا۔ امیر دوست محمد خان کبھی تو درہ غور بند میں دکھائی دیتا۔ کبھی بخارا کی طرف جا نکلتا اور کبھی کابل آدھمکتا۔

آخر پروان درے میں آکر اس نے ۲ نومبر ۱۸۴۱ء میں انگریز کو شکست دی۔ اس پر مجبوراً الیگزینڈر برنز نے جو فوج کے ہمراہ تھا۔ میکناٹن کو چٹھی لکھی کہ کابل کے بغیر فوج کے لئے دوسری جائے پناہ نہیں ہے۔ پس تمام انگریزی فوجیں کابل میں مجتمع ہو کر دوست محمد خان کے حملے کے دفاع کی تیاری کرنے لگیں۔ مگر دوست محمد خان نے اپنی اس فتح سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا اور فتح کے تیسرے روز خاموشی سے اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ کابل آکر اپنے آپ کو میکناٹن کے حوالے کر دیا۔ بقول سرجان کین اسے پشتونوں کی حمایت پر بھروسہ نہیں تھا۔ اور بجائے ایک شکست خوردہ قیدی کے اس نے ایک فاتح قیدی کی حیثیت سے گرفتاری دی۔ چند دن بعد اسے ایک مضبوط حفاظتی دستے کے ہمراہ شاہی قیدی کی حیثیت سے ہندوستان بھیج دیا گیا۔ اس کے ملک سے نکل جانے پر انگریز سفیر میکناٹن اور کٹھ پتلی شاہ شجاع دونوں نے قدرے اطمینان کا سانس لیا۔

افغانستان کے لوگ روز اول ہی سے انگریزوں سے متنفر تھے۔ دور اندیش انگریز اہل منصب بھی حالات کی نزاکت سے آگاہ تھے۔ لیکن میکناٹن اپنی ناک سے آگے کچھ بھی دیکھنے سے قاصر تھا۔ اس نے ۱۲ اگست ۱۸۴۱ء کو

یہ رائے ظاہر کی کہ موجود ساز و سامان جنگ امن کے قیام کے لئے بالکل کافی ہے اور تمام تجاویز اُمیدوں کے مطابق پوری ہونے والی ہیں۔ حالانکہ غلجیوں کی بغاوت اور زمینداروں کی بغاوت جاری تھی۔ مئی ۱۸۴۱ء میں میکناٹن نے قبائل کے سرداروں کو بلا کر ان کے مواجب یا رشوت میں کمی کا بتایا۔ جس سے وہ پھر گئے اور انگریزوں کے وعدوں پر انہیں بھروسہ نہیں رہا۔ لہذا انہوں نے افغانستان اور ہندوستان کے درمیان آمد و رفت کے راستے بند کر دئے جسے سیاسی افسر الیگزینڈر برنز نے محض ایک مذاق سمجھا۔ انہی دنوں دوست محمد خان کا بڑا بیٹا محمد اکبر خان بھی حمایتیوں کے درمیان پہنچ کر مقیم تھا۔ اور ملک بھر میں انگریزی تسلط کے خلاف بلوے اور بغاوت کا لاوا پکنے لگا۔

الیگزینڈر برنز کی اخلاقی حالت بہت گری ہوئی تھی۔ انگریز پشتونوں کے ناموس پر بھی حملہ سے باز نہیں آتے تھے۔ چنانچہ اہل کابل نے الیگزینڈر کے بنگلہ پر حملہ کر کے اسے نومبر ۱۸۴۱ء میں جہنم رسید کر دیا۔ ۲۲ نومبر ۱۸۴۱ء میں اکبر خان بھی غازیوں سے مل گیا۔ اس وقت انگریز افسروں میں بھی پھوٹ پڑی ہوئی تھی۔ کابل کی انگریزی فوج چار ہزار سواروں اور بارہ ہزار پیادوں پر مشتمل تھی۔ مختلف جھڑپوں اور جنگوں کے بعد شکست خوردہ انگریزی فوج نے ہتھیار ڈالنے اور جلال آباد کے راستے ہندوستان جانے کا فیصلہ کیا۔ اکبر خان کے فیصلہ کے مطابق یہ فوج ۶ جنوری ۱۸۴۲ء کو جلال آباد روانہ ہوئی۔ مگر سخت سردی اور برفباری نیز آس پاس کی پہاڑیوں پر سے مجاہدین کی مسلسل فائرنگ کے باعث چھ سات دن کے دوران ماری گئی۔ اور صرف ایک شخص ڈاکٹر برائیڈن جلال آباد زندہ پہنچا۔ جس نے داستانِ غم انگریز افسروں کو سنائی۔ یہ افتاد سولہ ہزار انگریزی فوج پر اس لئے پڑی کہ انہوں نے معائدے کے باوجود کابل کو خالی نہ کیا۔ ان کے بڑے بڑے افسر جنرل بریگیڈیئر شلٹن اور کئی دوسرے معہ لیڈی سیل و لیڈی میکناٹن کے جنرل اکبر خان ابن دوست محمد خان کے ہاتھوں محبوس ہوئے۔ اس فوج کا سامان اور توپیں سب مجاہدین کے ہاتھ لگیں۔ کٹھ پتلی شاہ شجاع اپنے ایک ہمنام شجاع بارکزئی کے ہاتھوں ۱۴ اپریل ۱۸۴۲ء کو مارا گیا۔ اس بغاوت عام میں امین اللہ لوگری، عبداللہ خان اچکزئی اور حاجی خان کاکڑ نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

اس رسوا کن شکست پر انگریز بلبلا اُٹھے۔ لارڈ آک لینڈ کو واپس انگلستان بلا لیا گیا۔ اور لارڈ ایلن برا یا گورنر

جنرل ہند بن کر آیا۔ جو افغانستان میں مداخلت کی پالیسی کا علمبردار تھا۔ شاہ شجاع کے قتل سے افغانوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور قندھار، غزنی اور جلال آباد میں مقیم انگریزی فوجوں نے سکھ کا سانس لیا بہر حال وہ محصور تھیں۔ چنانچہ ایلن برایا نے دو بڑی فوجیں سندھ اور درہ خیبر کی راستے سے افغانستان بھیجیں۔ جنرل سیل جلال آباد سے بڑھا۔ جنرل پالک نے خیبر کے راستے بڑھ کر کابل پر قبضہ کیا۔ اور اواخر ستمبر ۱۸۴۲ء میں کابل کے خوبصورت مسقف بازار بالا حصار کو توپوں اور بارود سے انتقاماً اڑایا۔ انگریزوں کی توپیں اور قتل و غارت گری کے بدلے میں ہزاروں مردوں، عوتوں اور بچوں کو قتل کیا۔ اپنے انگریز قیدی چھڑا لئے اور تیزی سے نکل کر ہندوستان چلا گیا۔ شاہ شجاع کے قتل پر اس کا دوسرا بیٹا فتح جنگ انگریزوں کی طرف سے شاہ کابل بنایا گیا تھا۔ باپ کے قتل کے بعد یہ کابل سے بھاگ گیا تھا۔ اور جنرل پالک کے ہمراہ کابل آیا مگر انگریزی فوج کی واپسی کے بعد اسے بھی لوگوں نے قتل کر دیا۔ اس جنگ میں بدنامی کے ساتھ ساتھ انگریزوں کو بہت نقصان پہنچا۔ ان کے بیس ہزار سپاہی اس خونریز جنگ میں مارے گئے۔ اور ڈیڑھ کروڑ پاؤنڈ خرچ آیا۔ مگر ہاتھ کچھ نہ آیا۔ دوست محمد خان کو شروع میں کلکتہ میں نظر بند کیا گیا تھا۔ مگر وہاں آب وہوا موافق نہ آئی تو اسے مسوری میں رکھا گیا۔ انگریزوں نے اسے مرعوب کرنے کی خاطر جنگی ساز و سامان، لشکروں اور کارخانوں کی نمائش دکھائی۔ مگر اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر گورنر جنرل ایلن نے ۲۵ اکتوبر ۱۸۴۲ء کو اسے کابل رخصت کیا۔ جہاں وہ خالی تخت پر رونق افروز ہوا افغانوں نے اس کا فقید المثال استقبال کیا۔ اس وقت قندھار میں اس کے دو سوتیلے بھائی رحمدل اور پردل اور ہرات میں محمود سدوزئی کا بیٹا کامران سدوزئی حکمران تھا۔ شاہ شجاع نے انگریزی کمک سے بادشاہ بننے کے بعد سفیر میکناٹن سے پشاور اسے دلانے کو کہا تھا۔ اور سفیر نے مان لیا تھا۔ مگر میکناٹن اور الیگزینڈر کی مدد سے کھیل بگڑ گیا۔ جلد ہی انگریزوں اور سکھوں کے درمیان بدنظمی پیدا ہوئی۔ ۱۸۴۳ء میں سر چارلس نیپر بغیر کسی قانونی جواز کے امیران سندھ کو ''ہند بو'' اور ''میانی'' کے مقامات پر شکست دے کر تالپوروں کے سندھ کا انگریزی سلطنت ہند سے الحاق کر دیا۔ ۱۸۳۹ء میں رنجیت سنگھ کی وفات پر اس کا ناجائز جانا جانے والا لڑکا کھڑک سنگھ گدی پر بیٹھا مگر ایک سال کے بعد مر گیا۔ اس کا جانشین اپنے باپ کی آخری رسومات کے واپسی پر قلعے کے دروازے میں گزر رہا تھا کہ وہ گر گیا یا گرایا گیا اور وہ بھی مر گیا اس کے بعد کھڑک سنگھ کی بیوہ کے زیر سرپرستی رنجیت سنگھ کا ایک اور بیٹا شیر سنگھ راجہ بنایا

گیا۔ سکھوں کی باہمی مناقشت اور قتل و غارت گری کے باعث ۱۸۴۳ء میں شیر سنگھ مارا گیا اور رنجیت سنگھ کا نابالغ بیٹا دلیپ سنگھ گدی نشین ہوا اور رنجیت کی سب سے چھوٹی رانی ''جندال'' اور اس کی ماں اس کی سرپرست بنی۔ دوسرا بہت با اثر گروہ خونخوار راجہ جموں و کشمیر گلاب سنگھ کا تھا۔ تیسرا فریق سکھ فوج تھی جس کی تربیت رنجیت سنگھ نے فرانسیسی اور امریکی افسروں سے کروائی تھی۔ فوج درباری سازشوں کی باعث بہت خوفزدہ ہوگئی تھی۔ لال سنگھ وزیر اور تیج سنگھ سپہ سالار افواج تھا۔ ستلج کے مشرقی کنارے کے چھوٹے چھوٹے سکھ سرداروں نے انگریزوں کی سرپرستی قبول کر لی تھی۔

چنانچہ سکھ دربار کے امراء نے اپنی جاگیروں کی حفاظت اور سکھ فوج کی خودسری کو دبانے کے لئے اسے ستلج پار کر کے انگریزی علاقے پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ رانی جندان نے ۱۱۲ اکتوبر ۱۸۴۵ء کو انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کیا اور بہت بہادری سے لڑی۔ مگر نااہل افسروں کے باعث شکست کھائی۔ انگریز سر ھیوگف نے جو انگریزی سپہ سالار تھا ''مدوکی'' کے مقام پر سکھوں کو شکست دی۔

۲۸ جنوری ۱۸۴۶ء کو سکھوں نے پھر علی وال کے مقام پر شکست کھائی اور بھاگی۔ آخری جنگ فیروز پور کے مشرق میں سوبھراؤں کے مقام پر ہوئی جس میں سکھوں نے شکست کھائی۔ دس ہزار سکھ مارے گئے اور کچھ گرفتار ہوئے۔ اس شکست کے بعد ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کو سکھوں اور انگریزوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا۔ جس کی رو سے ستلج اور بیاس کا درمیانی علاقہ انگریزوں نے لے لیا۔ دلیپ سنگھ راجہ اور رانی جنداں اس کی بدستور سرپرست رہی۔ ڈیڑھ کروڑ روپیہ سکھ ریاست پر تاوان جنگ عائد کیا گیا۔ پچاس لاکھ روپے تو سکھ خزانے سے ملے۔ بقیہ ایک کروڑ کے لئے دوآبہ جالندھر انگریزوں لے لیا۔ اور پچھتر لاکھ نانکشاہی روپے عوض کشمیر کا صوبہ گلاب سنگھ کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا۔ بقول مؤرخ سید بھادر شاہ ظفر کاکاخیل یہ معاہدہ الحاق سندھ سے بھی زیادہ شرمناک تھا۔ لاکھوں انسانوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کیا گیا۔ انگریزون کی طرف سے سر منٹگمری ھنری لارنس سکھوں کے دربار میں ریزیڈنٹ مقرر ہوا۔ گورنر جنرل لارڈ ھارڈنگ نے دلیپ سنگھ کی حفاظت کے لئے ایک انگریز دستہ بھیجا۔ سر ھنری لارنس نے اپنے دو بھائیوں جان لارنس اور جارج لارنس کی مدد سے سول افسروں کا ایک گروپ تیار کیا۔ جنہوں نے ریاست میں امن و امان قائم کر دیا۔ رانی جنداں کی ریاستی امور میں مداخلت ختم کر دی گئی تھی

۔ستی کی رسم بچوں کی اموات اور مجرموں کے ہاتھ پاؤں کاٹنے کی سزا ختم کردی گئی۔ پنجاب میں واقع شاہراہ اعظم کی مرمت کرادی گئی سرحد میں جان نکلسن اور بربرٹ ایڈورڈ ڈیرہ جات میں اور بنوں میں جارج لارنس اور اینل ٹیلر پشاور میں ایبٹ ہزارہ میں اور مسٹر ہربرٹ اٹک میں مقرر کئے گئے۔ ۱۸۴۱ء میں لارڈ ھانگ کی جگہ لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل بن کر آیا۔ جو ایک محدود سکھ ریاست اور ایک مضبوط سکھ فوج کی حمایت میں تھا۔ مگر بااثر سکھ سردار ہنری لارنس کی خوانتظامی اور خوش تدبیری سے ناخوش اور خود کو غلام سمجھ رہے تھے۔ اتنے میں ملتان کے دیوان مولراج کو معزول کرنے کے لئے ایک دستہ سکھ ھنری لارنس نے بھیجا۔ اس نے بغاوت کی اور دو انگریز مارے گئے۔ سکھ دستہ بھی مولراج سے مل گیا اور سکھستان کا جھنڈا بلند کیا۔ بہت جلد سکھ فوج میں بغاوت پھیل گئی۔ انگریزی فوج نے چلیانوالہ کے مقام پر ایک خونریز جنگ میں سکھوں کو شکست دی اور پھر گجرات کی جنگ نے سکھوں کا دم خم ختم کر دیا۔

ادھر دوست محمد خان اپنی دوبارہ تخت نشینی کے پانچ برس بعد فوج لے کر پشاور پہنچا اور شہر پر قبضہ کیا۔ یہاں اپنے پوتے کو گورنر بنا کر خیر آباد گیا اسے فتح کیا۔ سکھ جو انگریزوں سے لڑتے لڑتے تھک گئے تھے۔ انہوں نے اپنے پرانے دشمن دوست محمد خان سے جنرل چتر سنگھ کے زریعے صلح کر لی۔ سکھ پشاور کے علاقے سے دستبردار ہو گئے۔ دوست محمد خان نے سکھون کی انگریزوں کے خلاف جنگ میں مدد کے لئے دو ہزار سوار اپنے بیٹے کی ماتحتی میں روانہ کرائے۔ اور جنگ کے نتیجے کے لئے پشاور میں مقیم ہو گیا۔ مگر گجرات میں سکھوں کی شکست کے بعد افغان رسالہ بھی واپس ہوا۔ انگریزی رسالے نے سر جان گلبرٹ کی کمان میں اس وقت تک افغان رسالے کا تعاقب کیا جب تک وہ درہ خیبر میں داخل نہ ہوئے۔ اور وادی پشاور میں یہ بارکزئیوں کی آخری فوج تھی۔ جو دیکھی گئی۔ ۱۱ اپریل ۱۸۴۹ء کو لارڈ ڈلہوزی نے سکھ ریاست کا برطانوی ہند سے الحاق کیا۔ اور انگریزی سلطنت پشاور تک پھیل گئی۔ دلیپ سنگھ کو معقول پنشن دے کر انگلستان بھیج دیا گیا۔ جہاں اس نے عیسائی مذہب اختیار کیا اب درانی ہمیشہ کے لئے پشاور سے مایوس ہو گئے۔

۱۸۳۴ء تا ۱۸۴۹ء کے پندرہ سالہ سکھ دور حکومت میں جو ایک قہر آسمانی تھا۔ سرحد کے پشتونوں کو بے پناہ مظالم توہین اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ سر لیپل گریفن کے بقول سرحد کے پشتونوں پر قابو پانا سکھوں کی بس کی بات

نہ تھی۔اس لئے وہ ہمیشہ اخلاقی شکست کا مظاہرہ کرتے تھے۔وہ اپنے انتقامی جذبات اور قتل وغارت،لوٹ مار اور آگ لگانے سے پورا کرتے تھے۔وہ مالیہ فوج کی طاقت سے وصول کرتے تھے۔جس کی کوئی شرح متعین نہ تھی۔سکھوں کی فوج کسی گاؤں پر حملہ کرتی اور قحط کے زمانے کی ٹڈیوں کی طرح گھروں میں گھس جاتی اور سب کچھ چٹ کرلیتی حتٰی کہ گھروں کے دروازے چوکھٹ اور ستون بھی چوری کر کے لے جاتے تھے۔ان کے آے پر عوتیں،بچے اور بوڑھے گاؤں سے بھاگ جاتے اور جوان ان سے مقابلہ سروع کردیتے جب لوٹ مار کے بعد سکھ چلے جاتے تو یوں لگتا کہ ایک زلزلے نے سب کچھ تباہ کر دیا ہے۔بعض لوگ شہید پڑے ہوتے اور کچھ لوگ گھر چھوڑ کر جا چکے ہوتے۔گھر اور مسجدیں ان کے ہاتھوں برباد اور تباہ ہوتیں فصلیں برباد ہو چکی ہوتیں۔

پشاور پر سکھوں کے مستقل قبضے کے بعد سلطان محمد خان اپنے سگے بھائیوں پیر محمد خان اور سید محمد خان کے ساتھ بطور جاگیردار رہتا تھا۔جب انگریز شاہ شجاع کو کابل لے جارہے تھے تو سلطان محمد خان کو بطور نظر بند لاہور لے جایا گیا۔ہنری لارنس نے اسے آزاد کیا۔اور سات سال کی نظر بندی کے بعد سکھ فوج کی بغاوت پر پشاور کی فوج بھی باغی ہوگئی۔یہ دن انگریز افسروں کے لئے بڑی سختی اور مصیبت کے تھے۔جارج لارنس نے سلطان محمد سے اپنے بال بچوں کو بحفاظت ہندوستان پہنچانے کے لئے سکھوں سے بات کرنے کو کہا۔مگر اس نے اسے اور ائل وعیال کو سکھوں کے ہاتھوں قید کرادیا۔اور فتح کی صورت میں سکھوں سے پشاور دینے کا وعدہ کیا۔مگر سکھون کی شکست اور پشاور دوبارہ انگریزوں کے قبضے میں جانے کے بعد سلطان محمد پشاور میں نہ ٹک سکا اور کابل چلا گیا۔

۱۸۵۶ء میں دوست محمد خان نے کہندل خان کے مرنے پر قندھار پر قبضہ جمایا۔

۱۸۵۵ء میں دوست محمد خان نے بلخ اور افگانی ترکستان کے علاقے فتح کئے۔مگر ہرات اور قندھار اس کے تصرّف سے اب آزاد تھے،ہرات پر ایرانیون کے دانت تیز تھے۔۱۸۵۵ء میں انگریزوں اور دوست محمد خان کے بیٹے غلام حیدر خان کے درمیان بمقام پشاور عہد نامہ ہوا کہ امیر کابل اور اس کے وارسوں کے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ دوستانہ تعلقات رہیں گے۔اور کمپنی دوستوں کا میر کابل دوست اور دشمنوں کو دشمن سمجھے گا۔۱۸۵۶ء میں ایران نے ہرات پر قبضہ کیا۔جو انگریزوں کو بھی ناپسند تھا۔لہذا پشاور میں دوست محمد خان سے انگریزوں کا دوسرا معائدہ ہوا۔جس کی رو سے انہوں نے امیر کابل کا دس ہزار پونڈ وظیفہ مقرر کیا۔ایران کے خلاف امیر کی مدد

کرنے کا وعدہ کیا گیا۔ اور ایک انگریز افسر کابل میں مقرر کیا جانا طے ہوا جو ایرانیوں کے خلاف جانے والی افغان فوج اور امدادی فوج کی نگرانی کرے گا۔ انگریزوں نے خلیج فارس میں فوج داخل کر کے ایرانیوں کو شکست دی۔ اس پر ایرانیوں نے ہرات کا قبضہ چھوڑ دیا۔ اور دوست محمد خان نے اپنے بھتیجے احمد خان کو گورنر بنایا۔ جو ایران کی طرف مائل تھا۔ اس لئے دوست محمد خان نے دوبارہ ہرات پر قبضہ کیا۔ اس فتح کے نویں روز ۶ جون ۱۸۶۳ء کو دوست محمد خان فوت ہو گیا۔ اور ہرات میں دفن ہوا۔ سردار پائندہ خان کے بیٹوں اور سردار فتح خان کے بھائیوں میں دوست محمد خان سب سے قابل اور بادشاہی کا مستحق تھا۔ وہ بہترین جرنیل تھا۔ جس نے کئی دفعہ انگریزوں کو بھی شکست دی تھی۔ پشاور کو وہ ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اور ایک دفعہ تو اسے بزور شمشیر خود جا کر فتح بھی کیا۔ مگر انگریز کی بے پناہ قوت صنعتی و حربی ترقی اور ابنائے وطن کی خود غرضی و رشوت ستانی کے باعث وہ ان کا ڈٹ کر مقابلہ نہ کر سکا۔ ۱۸۵۴ء میں اس نے توخی اور ہوتک بغاوت کو فرو کیا۔

اس کا بڑا بیٹا وزیر اکبر خان جس نے سولہ ہزار انگریزی فوج کو ۱۸۴۲ء میں تباہ کیا تھا اور ہری سنگھ نلوہ کو جمرود کی لڑائی میں میدان جنگ میں قتل کیا تھا۔ مشکوک حالات مین جان بحق ہوا۔ بقول بعض ایک ہندو نے زہریلی دوا پلائی۔ عوام میں یہ بات مشہور تھی کہ خود دوست محمد خان نے اسے اپنی راہ سے ہٹایا۔ یہ ۱۸۴۸ء کی بات ہے اس کی موت یا شہادت کے بعد ہی دوست محمد خان نے اپنے دوسرے بیٹے غلام حیدر خان کو اپنا ولی عہد بنایا۔ غازی محمد اکبر خان کی ولی عہدی کا اعلان دوست محمد خان نے انگریزوں کی ناراضگی کے پیش نظر نہیں کیا تھا۔ ۱۸۵۸ء میں انگریزوں کا وظیفہ قبول کرنا دوست محمد خان کی بزدلی اور کم ہمتی کو ظاہر کرتا تھا۔ مولانا محمد اسماعیل ریحان نے اپنے "تاریخ افغانستان عہد بہ عہد" میں دوست محمد خان کو بزدل کوتا اندیش اور تنگ نظر بتایا ہے۔ عوام کے ہیرو غازی محمد اکبر خان کے نام پر کابل میں اب تک ایک مسجد اور محلہ اکبر خان کے نام پر ہے۔

امیر شیر علی خان ۱۸۶۳ء تا ۱۸۷۹ء

امیر دوست محمد خان کے بیس بیٹے تھے اس کے دو قابل بیٹے محمد اکبر خان اور غلام حیدر خان بالترتیب ۱۸۴۷ء اور ۱۸۵۸ء میں باپ کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے۔ باقی بیٹوں میں محمد افضل خان اور محمد اعظم خان ایک ماں سے جبکہ شیر علی خان اور محمد شریف خان اور محمد امین خان دوسری ماں سے تھے۔ دوست محمد خان کی وفات پر شیر علی خان

امیر افغانستان بنا مگر افضل خان اور اعظم خان نے اس کی بادشاہی تسلیم نہیں کی ۔ یوں افغانستان میں تخت نشینی کی جنگ بھڑک اٹھی ۔ شیر علی خان نے انگریزوں کو اپنی امرات میں اطلاع دی اور اپنے والد کے وقت کے معاہدوں کی تجدید کی خواہش کی ۔ وائسرائے ہند لارڈ ایلین خاموش رہا جس کو شیر علی خان نے اپنی مخالف سمجھا ۱۸۶۳ء میں لارڈ ایلین کے مرنے پر لارڈ لارنس وائسرائے بنا اس نے شیر علی خان کو امیر اور اس کے بیٹے محمد علی کو ولی عہد تسلیم کیا ۔ باپ کی وفات کے وقت محمد افضل خان بلخ محمد اعظم خان خوست اور کرمہ، شریف خان فراہ اور گرشک اور محمد امین خان قندھار کا حاکم تھا ۔ ۱۸۶۴ء میں محمد اعظمؔ اور محمد افضل نے بغاوت کی ۔ شیر علی خان نے انگریزوں سے کمک طلب کی انہوں نے جواب دیا کہ جو بزور شمشیر تخت کابل کو حاصل کرے گا ۔ اسی کی حکومت ہمیں قابل قبول ہوگی ۔ امیر شیر علی خان نے افضل خان اور اعظم خان دونوں کو شکستیں دیں ۔ اعظم خان ہندوستان بھاگ کر انگریزوں کے پاس پناہ گزین ہوا ۔ افضل خان نے شکس کے بعد بھائی سے معافی مانگی جو جو اسے مل گئی اور بلخ کا پھر سے حاکم بنا دیا گیا ۔ گر کچھ عرصہ بعد دونوں بھائیوں میں غلط فہمی پیدا ہوئی ۔ جس کے نتیجے میں محمد افضل خان کو گرفتار کر کے غزنی میں قید کر دیا گیا ۔ اس پر اس کا لڑکا عبد الرحان بخارا بھگ گیا ۔ کرمہ میں اعظم خان کی انگخیت پر بغاوت ہوئی جسے وزیر محمد رفیق خان نے فرو کیا ۔ اس کے فوراً بعد شیر علی خان کے سگے بھائی محمد امین خان نے قندھار میں بغاوت کی محمد رفیق خان اس کی طرف گیا ۔ قلات غزنی کے قریب کجباز کے مقام پر لڑائی میں شیر علی خان کو فتح حاصل ہوئی ۔ لیکن اس کا ولی عہد محمد علی اپنے چچا محمد امین خان کے ہاتھوں مارا گیا ۔ اس پر شیر علی خان پر سکوت مرگ طاری ہو گیا اور قندھار میں گوشہ نشینی اختیار کی ۔

جب عبد الرحمان کو بخارا میں اپنے امیر چچا کی حکومت کے امور میں لاپرواہی کی اطلاع ملی تو بخارا سے کمک لے کر دریائے جیحوں کو پار کیا اور شیر علی خان کے وزراء وغیرہ کو رزوت دے کر اپنے ساتھ ملایا وزیر محمد رفیق خان ان دنوں شیر علی خان سے ناراض تھا اور انگریزی علاقے میں بھاگ کر محمد افضل خان سے مل گیا تھا ۔ جس وقت ان دونوں کو عبد الرحمان کے شمالی علاقوں پر قبضے کی اطلاع ملی تو ہندوستان سے روانہ ہوئے ۔ اعظم خان اور عبد الرحمان نے ایک متحدہ فوج تیار کر کے کابل پر حملہ کیا ۔

امیر شیر علی خان کے بیٹے حاکم کابل نے ان کا مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور قندھار کی طرف بھاگ گیا ۔ اور

عبدالرحمان اور اس کا چچا اعظم خان ۱۸۶۵ء میں کابل کے اندر داخل ہوگئے۔ چند دن کے بعد انہوں نے جلال آباد پر قبضہ کرلیا۔ یہ سن کر امیر شیر علی خان نے تمام دیوانگی اور لاتعلقی چھوڑ کر فوراً فوج تیار کی اور عبدالرحمان کے مقابلے کے لئے روانہ ہوگیا۔ شیخ آباد کے مقام پر شیر علی نے سخت جنگ کی مگر اس کے ساتھی باغیوں سے جاملے اور مجبوراً کی طرف فرار ہوگیا۔ اس کے بعد عبدالرحمان اور اعظم خان نے غزنی پر حملہ کر کے اسے فتح کیا۔ اور افضل خان کو قید سے چھڑایا اور اسے امیر افغانستان مقرر کر کے کابل کی طرف بڑھے۔ افضل خان نے تخت پر بیٹھ کر انگریزوں سے اپنی حکومت تسلیم کرنے کی درخواست کی مگر انگریزوں کے وائسرائے نے جواب دیا کہ اگر تم اپنی حکومت کو افغانستان میں مضبوط کرو اور خلوص سے ہماری دوستی چاہو تو میں خوشی سے تم کو اس بلند مرتبے کے قابل سمجھوں گا۔ فی الحال میں نے شیر علی خان سے وعدہ کر رکھا ہے اور اسے افغانستان کے اس حصے کا بادشاہ سمجھتا ہوں جس پر اس کا قبضہ ہے اور یہ بات میں تمہیں صاف صاف بتائے دیتا ہوں''

اس کے کچھ عرصے بعد اعظم خان نے قندھار پر حملہ کر کے اسے بھی فتح کیا۔ امیر شیر علی خان ہرات گیا اور وہاں سے ۱۸۶۷ء میں کابل پر حملہ کر دیا۔ مگر عبدالرحمان نے اسے شکست دی اور وہ پھر ہرات گیا۔ اس جنگ کے دو ہفتے بعد محمد افضل خان کابل میں فوت ہوگیا۔ اور اس کی جگہ اس کا سگا بھائی محمد اعظم خان بادشاہ بنا مگر وہ محمد افضل خان کی طرح نیک دل نہیں تھا۔

انہیں دنوں انگریز بھی شیر علی خان کی طرف سے دوبارہ حکومت حاصل کرنے سے مایوس ہوگئے تھے اور اعظم خان کو امیر تسلیم کرلیا۔ مگر جلد ہی امیر شیر علی خان نے ہرات سے قندھار پر حملہ کیا اسے فتح کر کے کابل کا رخ کیا۔ اعظم خان کو شکست دے کر ہندوستان کی طرف بھگایا۔ جہاں سے وہ ایران گیا اور وہاں نیشاپور میں مر گیا۔ افضل خان کا لڑکا عبدالرحمان سمرقند بھاگ گیا، یوں جنوری ۱۸۶۹ء میں امیر شیر علی خان بلاشرکت غیرے افغانستان کا بادشاہ بن گیا۔ جن دنوں میں امیر شیر علی خان اپنے بھائیوں سے جنگوں میں مصروف تھا۔ روس نے موقع غنیمت جان کر اپنی سرحد شمال کی طرف دریائے جیحون کے قریب تک بڑھا دی تھی۔ روس سے انگریزوں کو خطرہ پیدا ہوا۔ اور پھر افغانستان کی طرف توجہ مرکوز کردی۔ امیر شیر علی خان روسی خطرے سے آگاہ تھا اور انگریزوں کی دوستی کا خواہش مند تھا۔ اگر چہ بھائیوں کے ساتھ جنگ میں انگریزوں کا رویہ اس کی طرف غیر

دوستانہ رہا تھا۔ اور اس کی مدد کرنے کے بجائے اس کے بھائیوں کی چند روزہ حکومت کو تسلیم کیا تھا۔ اب حالات بدل گئے تھے۔ اور جب لارڈ میو نے ۱۸۶۹ء مین شیر علی خانؒ کو ملاقات کی دعوت دی تو اس نے بخوشی قبول کرلی ۔۱۸۶۹ء میں شیر علی خان اور لارڈ میو وائسرائے ہند کے درمیان ملاقات ہوئی جس میں اگرچہ اول الذکر کی خواہش کی مطابق کو معائدہ تو نہ ہوا۔ مگر بہر حال انگریزوں نے امیر کا وظیفہ بڑھا دیا۔ اور طرفین کے دلوں سے خدشے اور غلط فہمیاں نکل گئیں ۔ بقول سید بہادر شاہ ظفر اول جنگ افغانستان میں روسی خطرہ حقیقی نہ تھا۔ اب روس کی سرحد افغانستان سے مل گئی تھی ۔ اگر انگریز امیر شیر علی خان کی ان شرائط کو جو بعد میں پشاور میں تسلیم کرلی گئیں پہلے ہی مان لیتے تو افغانستان کی دوسری خونریز جنگ کی نوبت نہ آتی۔

لارڈ میو کے ہندوستان آنے کے بعد اس کی قدامت پسند پارٹی کی وزارت کی بجائے لبرل پارٹی کی وزارت بنی جس نے اسے امیر افغانستان کے ساتھ معاہدے سے منع کیا۔ ۱۸۷۳ء میں روس کے خیوا پر قبضہ کرنے سے امیر شیر علی خان کو اپنی سلطنت کے لئے خطرہ پیدا ہوا۔ اس نے برطانوی حکومت سے دوستانہ معاہدے کی خاطر اپنے ایک سفیر کو لارڈ بارتھ بروک وائسرائے کے پاس بھیجا۔ مگر خاطر خوا جواب نہ پا کر امیر نے مجبوراً اپنی حفاظت کی خاطر روس کے قریب ہو گیا۔ ۱۸۷۴ء میں دوبارہ قدامت پسند پارٹی کی وزارت بننے سے لارڈ لٹن وائسرائے ہند بن کر آیا۔ اسی سال روس نے خوقند کی باقی آدھی ریاست پر بھی قبضہ کرلیا۔ اب انگریز کو بھی روسی بلا کا خطرہ واضح نظر آنے لگا۔ نئی برطانوی وزارت نے لارڈ ڈلٹن کو امیر شیر علی خان کی وہ تمام شرائط ماننے کی ہدایت کی جو اس سے پہلے بارتھ براک نے بے نیازی سے مسترد کر دی تھیں ۔ مگر شیر علی خان نے قدیم قدیم تلخ واقعات کو ذہین میں رکھتے ہوئے کابل میں برطانوی سفیر کے قیام کی شرط نہیں مانی دوسری طرف سخت گیر لارڈ ڈلٹن اسی شرط پر اڑا رہا۔ کیونکہ امیر دوست محمد خان نے کابل، قندھار بلخ وغیرہ میں انگریزی سفیروں کے قیام پر رضامندی ظاہر کردی تھی ۔ شیر علی خان کو انگریزوں کے ارادے اور بھی مشکوک نظر آئے ، جب انہوں نے ۱۸۷۶ء میں کوئٹہ کا شہر خان قلات سے اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اسی زمانے میں گلگت میں انگریزی ایجنسی قائم ہوئی تھی۔

انہی دنوں ایک روسی سفارت کابل پہنچی جس کا شیر علی خان نے خیر مقدم کیا۔ اس پر لارڈ ڈلٹن نے سرنیول چیمبر لین کی سرکردگی میں خیبر کی راہ سے ایک مشن کابل بھیجا۔ جسے قبول کرنے کے لئے شیر علی خان تیار نہ تھا۔ کیونکہ وہ

انگریزوں سے مایوس ہوکر اپنی حفاظت کے لئے روس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جس سے انگریز بھی ہچکچاتے تھے۔ چنانچہ اس نے انگریزی سفارت کو آنے کی اجازت نہیں دی اس پر انگریز سیخ پا ہوئے۔ لارڈلٹن نے امیر کابل کو انگریزوں کی توہین پر معافی مانگنے اور اپنے ملک میں انگریزی سفیر رکھنے کے لئے ایک ہفتے کا الٹی میٹم دیا۔ اور جب ایک ہفتے کے اندر کچھ نہ ہوا تو لارڈلٹن نے شیر علی خان کے خلاف اعلان جنگ کیا۔

افغانستان کی دوسری جنگ

یوانگریزوں نے دوسری جنگ افغانستان ھمی بلاوجہ افغانوں پر مسلط کی۔ چنانچہ ستمبر ۸ ۱۸۷ء میں انگریزی فوجیں تین طرف سے افغانوں پر حملہ آور ہوئیں۔ ایک فوج درہ بولان کے راستے قندھار پر جنرل اسٹوارٹ کے تحت حملہ آور ہوئی۔ دوسری فوج کرم کے درے سے جنرل رابرٹس کے زیر کمان افغانستان میں گھسی اور تیسری فوج درہ خیبر کی راہ سے جنرل براؤن اور جنرل میڈ کے زیر کمان افغانستان میں داخل ہوئی۔ ان فوجوں کا قابل ذکر مقابلہ نہ ہوا امیر شیر علی خان کابل سے بھگ کر ترکستان کی طرف جارہا تاھ کہ راستے میں بلخ میں اس نے ۲۱ فروری ۹ ۱۸۷ء میں وفات پائی۔

روسیون نے شیر علی خان کو انگریزوں سے صلح کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ انگریزون کابل پر قبضہ کرلیا۔ امیر سیر علی کی وفات پر اس کا بڑا بیٹا یعقوب خان امیر کابل بنا مئی ۹ ۱۸۷ء میں انگریزوں اور یعقوب خان کے درمیان گنڈمک کے مقام پر ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے کابل میں ایک انگریزی سفیر مقرر کیا گاي۔ اس کے علاوہ لورالائی، پشین، ژوب شوراروداور کرم پر انگریزوں کا قبضہ تسلیم کیا گیا۔ لہذا میجر لوئی کیوگناری برطانوی حکومت کے سفیر کے طور پر کابل پہنچا اس کے ہمراکئی سفارتی ماہرین اور انگریزی فوج کا ایک دستہ تھا۔

مولانا محمد اسماعیل ریحان کہتے ہیں کہ سات سالہ قید تنہائی نے یعقوب خان کو بزدل بنا کر شیر بچہ گیدڑ بچہ بنا تھا ۔۲ مئی ۹ ۱۸۷ء کو اس نے خود انگریزوں سے مذاکرات کئے ۔ یعقوب علی خان اتنا کمزور دل اور بے حوصلہ تھا کہ اس نے مذاکرات کے آغاز ہی میں تمام شرائط کو من وعن قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کردی ۲۶ مئی ۹ ۱۸۷ء کو معاہدہ گنڈمک پر دستخط ہوئے۔ اس میں افغان حکومت اپنی تمام خارجہ پالیسی برطانوی حکام کے مشورے سے طے کرنے کی پابند ہوگئی۔ پشاور جلال آباد کے درمیانی قبائل انگریزوں کی عملداری میں آگئے ۔ حکومت افغانستان

سابقہ یا موجودہ دور میں انگریزوں کے لئے کام کرنے والے تمام غداروں کی سزائیں معاف کرنے کی پابند ہوگئی ۔اس معاہدے پر لندن میں جشن منایا گیا ۔وزیر اعظم انگلستان ڈسرائیلی نے پارلیمنٹ مین اعلان کیا کہ افغانستان کی تینوں شاہرہیں اب ہماری ملکیت میں ہیں ۔اور خود افغانستان برطانوی عملداری میں شامل ہوا چاہتا ہے۔

قندھار میں انگریزوں کی زبردست عوامی مگر غیر منظم مزاحمت ہوئی ۔جو علماءِ کرام کے جہاد کا نتیجہ تھی ۔خوست میں بھی جب اکرم خان نے کرم کو تحفتاً انگریزوں کے لئے چھوڑ دیا ۔تو وہاں کے عوام پہاڑوں سے اتر کر ریلے کے ریلے انگریزی فوج پر ٹوٹ پڑے انگریز فوج بے تحاشا نقصان اٹھا کر واپس پلٹ آئی اور درخواست میں کیمپ لگا دیا ۔ایک قندھاری موچی ایک انگریز افسر سینٹ جان پر ٹوٹ پڑا اور اسے مار ڈالنے ہی والا تھا کہ ایک ہندوستانی ملازم نے اسے بچالیا ۔بعد میں اس موچی کو مجمع عام میں شہید کر دیا گیا ۔نور احمد قندھاری ایک نوجوان نے تنہا حملہ کر کے کئی انگریز قتل کئے ۔غلجی قوم کا ایک لکڑ ہارا اپنے دو بیٹوں سمیت انگریزی منظم فوج پر جھپٹ پڑا ۔سات گوروں کو قتل اور چار شدید کو زخمی کرنے کے بعد شہادت کی منزل کو پہنچا ۔دینی مدرسے کے پانچ طالب علموں نے فوجی پریڈ میں مصروف انگریز سپاہیوں پر حملہ کیا ۔اور تین انگریزوں کو جہنم رسید کر کے خود بھی شہید ہو گئے ۔ایک قندھاری نوجوان چھری لے کر برطانوی توپ خانے کے افسر پر چڑھ دوڑا اسے موت کے گھاٹ اتار کر مزید تین انگریزوں کو ماڈالا اور خود شہادت کا رتبہ پا گیا ۔

انگریزی جاسوس ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے مزار شریف میں ''تغارہ شاہ'' جب مرا تو شہر کے باہر اس کے عالی شان مکان سے شراب کی بوتلیں وغیرہ برآمد ہوئیں یہ شخص تغاری یعنی طشتری میں لوگوں سے پیسے اکٹھے کرتا تھا ۔مگر یہ شیر علی خان کی جاسوسی کرتا تھا ۔

بہر حال انگریز سفیر کا روز افزوں اثر ورسوخ اور انتظامی معاملات میں اس کی مداخلت افغان سرداروں اور عوام کے لئے نا قابل برداشت ثابت ہوئی ۔اُنہوں نے اسے اپنی دائمی غلامی کا سنگ میل سمجھا ۔ کہا جاتا ہے کہ سردار عبدالرحمٰن کی ماں نے افغان فوج کے سالار داؤد شاہ کو تین ہزار اشرفی رشوت دی تھی کہ انگریزی سفیر کو قتل کرائے اور یوں یعقوب خان کی بدنامی کے ساتھ ساتھ اس کے بیٹے عبدالرحمٰن کے لئے تختِ کابل تک پہنچنے

کی راہ ہموار ہو جائے جو گیارہ سالہ جلاوطن کے بعد ملک میں موجود اور اپنی حکومت کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا

۔

بہر حال عوام اور باغیوں نے انگریزی سفارت خانے کا گھیراؤ کیا اور کویگنیری کو معہ اس کے ساتھیوں اور مشیروں کے قتل کر دیا۔ یہ سن کر امیر یعقوب خان کے پیروں تلے زمیں نکل گئی۔ اس اتفاقی واقعے کی اطلاع خود انگریز سپہ سالار اور حکومت ہند کو دی اور باغیوں کو سزا دینے کا وعدہ کرتے ہوئے اپنی بے گناہی کا اظہار کیا۔ جسے انگریزو نے حقارت سے ٹھکرا دیا اور یعقوب خان کو یکم دسمبر ۱۸۷۹ء کو گرفتار کر کے شاہی قیدی کی حیثیت سے ہندوستان بھیج دیا۔ جہاں وہ شملہ میں نظر بند رہا اور ۱۹۱۳ء میں وہیں فوت ہو گیا۔ انگریزی فوج نے اس چندروزہ بغاوت پر قابو پا لیا اور اہم مقامات پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ بقول مولانا محمد اسماعیل ریحان نومبر ۱۸۷۹ء کی خشک ہواؤں میں جب انگریز برطانیہ سے کلکتہ تک فتح افغانستان کا جشن منا رہے تھے کہساروں کے دامن میں افغان مجاہدین ایک نئے عزم اور ولولے سے برطانوی راج کے خاتمے کے لئے جمع ہونے لگے۔ ان مجاہدین کی رہنمائی میں غزنی کے ملا دین محمد خان اندڑ پیش پیش تھے وہ علاقے میں مشک عالم،، کے نام سے مشہور تھے اِن کے جذبہ جہاد سے متاثر ہو کر قرب و جوار کے تمام سردار جہاد کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ ھر دیئے سے دیا جلتا گیا اور افغانستان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک تکبیریں گونجنے لگیں۔

کڑکڑاتی سردی کے ساتھ ۶ دسمبر ۱۸۷۹ء مجاہدین کے لئے بڑا مبارک ثابت ہوا انگریز افغانستان کی بلا خیز سردی سے گھبرا کر اپنی کوٹھیوں اور بیرکوں میں آرام کر رہے تھے جبکہ مجاہدین کی نفری میں تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا۔ ان میں بڑی تعداد ان کاشت کاروں کی تھی جو موسم سرما اور برف باری کی باعث بالکل فارغ تھے ان کے لئے گوروں پر نشانہ آزمائی سے بہتر مشغلہ کیا ہو سکتا تھا۔ دوست محمد خان مجاہد رہنماؤں کی ایک پوری کھیپ کو ختم کر دیا تھا۔ مگر دو عشرے بھی نہ گزرے تھے کہ مجاہدین کی ایک اور قیادت سامنے آ چکی تھی مشک عالم جیسے علمائے حق اس تحریک کے روحانی قائد تھے میر بچہ کوہ دامنی، غلام حیدر خان کابلی، غلام قادر خان ادپیانی اور سابق افغان فوجی آفیسر محمد کریم خان کابل میں تحریک جہاد کے لیڈر تھے۔ غزنی اور زابل میں ملا عبد الغفور سنگری عبد الغفار خان غزنوی اور گل محمد خان امادہ پیکار تھے۔ ہرات میں حفیظ اللہ خان اور سردار محمد ایوب خان برادر سردار محمد یعقوب خان نے

مجاہدین کی حمایت کا اعلان کر دیا تھا۔ مجاہدین کی کثرت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف گروپ لیڈروں کی تعداد تین ہزار کے قریب تھی البتہ ان کی بڑی کمزوری اسلحہ کی نایابی تھی برطانوی فوج عسکری وسائل مواصلاتی ذرائع اور جدید سہولیات کے لحاظ سے کہیں آگے بڑھ چکی تھی (بہ نسبت چالیس سال پہلے کے) جبکہ مجاہدین اب بھی پرانی بندوقوں، خنجروں اور تلواروں کے سوا ہر قسم کے ہلکے اور بھاری ہتھیاروں سے محروم تھے تاہم انہوں نے جنگی حکمت عملی بہت سوچ سمجھ کر اپنائی تھی۔

سب سے پہلی بات تحریک جہاد کا اخفا تھا۔ اس میں مجاہدین اس حد تک کامیاب رہے کہ دسمبر تک انگریزوں کو ان کی نقل و حرکت کی بھنک تک نہ پڑ سکی۔ حکمت عملی میں دوسرا اہم پہلو انگریزوں کی سپلائی لائن کاٹنا تھا اس کی اہمیت بہت زیادہ تھی کیونکہ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کی جنگ آزادی کی ناکامی کی مثال ان کے سامنے تھی جبکہ ایک دو جگہوں کے سوا انگریزوں کی سپلائی لائن بحال رہی تھی اس کے ساتھ مجاہدین رہنماؤں نے فیصلہ کیا کہ ۱۸۳۹ء کی افغان برطانیہ جنگ کی طرح اس بار بھی سب سے پہلے کابل پر قبضہ کریں گے۔ مگر اب صورتحال مختلف تھی۔ کابل میں انگریزوں کی گرفت بہت مضبوط تھی اس لئے طے پایا کہ پہلے کابل کے اردگرد تمام پہاڑوں پر قبضہ کر لیا جائے اور تمام سڑکوں، گھاٹیوں اور ناکوں کو بند کر دیا جائے اور محاصرے کو اس وقت تک طول دیا جائے جب تک انگریز خود مجبور ہو کر کابل سے باہر نکل نہیں آتے۔

اس فیصلے کے دو تین دن بعد مجاہدین کابل کے آس پاس پھیل چکے تھے۔ کابل میں داد عیش دینے والے انگریز آفسران کو یہ خبر غدار سردار محمد خان نے دی جو مدتوں پہلے ان کے ہاتھوں بک چکا تھا۔ یہ سن کر جنرل رابرٹس کے ہوش اڑ گئے اس نے افواج کو مرتب کر کے کابل کے مختلف سمت مس روانہ کر دیا تا کہ مجاہدین کو قدم جمانے کا موقع نہ یا جائے۔ مگر مجاہدین پہاڑوں پر قبضہ مستحکم کر کے اب برطانوی افواج کا انتظار کر رہے تھے۔

بریگیڈیئر میکفرسن رابرٹس کے حکم سے کاریز نمبرا کی جانب روانہ ہوا تھا۔ تا کہ دائیں طرف سے بڑھنے والے مجاہدین پر حملہ آور ہو۔ اس دوران قلعہ افشار سے جنرل بسی پہنچ جائے گا اور بائیں طرف سے مجاہدین پر حملہ کر دے گا۔ مگر جب میکفرسن وہا پہنچا تو معلوم ہوا کہ بچہ خان راتوں رات پیش قدمی کر کے ،،کاریز،، کے اردگرد کے چھوٹے چھوٹے قلعوں پر قابض ہو چکا ہے۔ انگریز ادھیڑ بن میں تھے کہ اچانک بچہ خان طوفان کی طرح

برآمد ہوا اور انگریزی فوج کی صفوں کو الٹ کر کے رکھ دیا اس دوران مجاہد لیڈر محمد جان خان جو کہ ۱۱ دسمبر کو قلعہ قاضی پر قبضہ کر چکا تھا قلعہ افشار سے آنے والے جنرل ہسی کی فوج پر ٹوٹ پڑا ایک اور انگریز افسر اسٹون بکر جو جہاد آسیاب کے طرف بڑھ رہا تھا لوگر کے مجاہدین کے حملوں کا نشانہ بن کر پسپا ہو گیا۔

جنرل رابرٹس اس دوران باقی فوج کے ساتھ شیر پور کے مستحکم قلعے میں رکا ہوا تھا اسے اپنی فوج کی ہزیمت کا علم ہوا تو فوراً تمام سپاہیوں کو لے کر نکل کھڑا ہوا اس کا رخ جنرل محمد جان کی طرف تھا جو جنرل ہسکی فوج کا درگت بنا رہا تھا ابھی رابرٹس راستے ہی میں تھا کہ ایک دیہاتی نے اس کے محافظوں کا گھیرا توڑتے ہوئے اس پر حملہ کر دیا رابرٹس بمشکل اس کے وار سے بچ سکا۔ جب رابرٹس قلعہ قاضی کے قریب پہنچا تو محمد جان خان اس کی تواضع کے لئے تیار تھا اتنی شدید جنگ ہوئی کہ ہر طرف خون پھیل گیا افغان مجاہدین توپوں اور رائفلوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے سینے پر گولیاں کھاتے رہے اور انگریزوں کی صفوں میں گھستے رہے اخر دست بہ دست لڑائی میں انگریزوں کو چھٹی کا دودھ یاد آ گیا ادھر گورے سپاہی نے سنگین لہرائی ادھر مجاہدین کا خنجر چمکتا ہوا چشم زدن میں مجاہد خود کو سنگین سے بچاتے ہوئے اپنا خنجر گورے کے جسم میں اتار دیتا تھا۔ آخر انگریزوں کے پاؤں اکھڑ گئے جنرل رابرٹس اپنے سپاہیوں کی لاشوں کو چھوڑ کر قلعہ کی طرف بھاگا۔

جنرل رابرٹس نے میدان جنگ سے بھاگ کر ،، دہ مزنگ ،، نامی بستی میں پناہ لی۔ کچھ دیر بعد غدار افغان سردار ولی محمد اپنے آقا کو مصیبت سے بچانے کیلئے آ پہنچا مگر اس موقع پر خود ولی محمد کے اکثر ساتھی اس کے خلاف ہو گئے انہوں اس کا سارا ساز و سامان لوٹ لیا اور مجاہدین سے جا ملے رات کے وقت قلعہ شیر پور سے انگریزوں کا ایک حفاظتی دستہ وہا پہنچ گیا اس نے جنرل رابرٹس کو اس کسمپرسی کی حالت سے نکالا اور قلعہ شیر پور لے گئے رات بھر ارد گرد کے شکست خوردہ انگریز سپاہی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں قلعہ شیر پور پہنچتے رہے۔ ان کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔

جنرل رابرٹس اب قلعہ شیر پور ہی میں محصور ہو کر بیٹھ گیا کابل میں انگریزوں کو شکست ہو چکی تھی۔ شہر سمیت آس پاس کے تمام اضلاع شاہراہوں اور پہاڑوں پر مجاہدین قبضہ کر چکے تھے۔ اس کے باوجود جنرل رابرٹس نے ہتھیا نہ ڈالے وہ ایک جہاندیدہ کمانڈر تھا۔ شیر پور کے قلعے میں اس نے پانچ ماہ کے لئے خوراک اور ضروریات زندگی کی تمام اشیاء کا ذخیرہ کر لیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ قلعہ شیر پور کی فصیل اتنی بلند اور مضبوط ہے کہ اسے بڑی توپوں کے

بغیر منہدم نہیں کیا جاسکتا۔ جبکہ مجاہدین بھاری اسلحہ سے محروم تھے۔ اس کا قاصد تازہ فوج بھجوانے کی درخواست لے کر ہندوستان روانہ ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے گندمک میں موجود جنرل چارلس کو بھی پیغام بھیج دیا تھا کہ جلال آباد سے ہوتا ہوا فوراً اس کے پاس پہنچ جائے چارلس اپنی فوج لے کر فوراً چل پڑا لغمان کے مجاہدین نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر چارلس بھاری توپخانے کی مدد سے راستہ کھولنے میں کامیاب ہوگیا۔

ادھر جنرل رد برٹس نے قلعہ شیر پور میں موجود اپنے لشکر کو تجربہ کار افراد کی قیادت میں شیر پور کے اضلاع کی حفاظت پر مامور کر دیا تھا کیونکہ قلعے کی حفاظت کے لئے تھوڑی فوج بھی کافی تھی۔ تاہم وہ جانتا تھا کہ شیر پور میں زیادہ عرصے تک رُکے رہنا اس کے لئے خودکشی کے مترادف ہوگا۔ تازہ دم افواج کی آمد کی خبر اس کا حوصلہ بڑھانے کے لئے کافی تھی۔ چنانچہ ایک دن موقعہ پا کر وہ اپنی فوج کے ساتھ کابل کے بیرونی قلعے بینی حصار کی طرف بڑھا۔ ادھر مجاہدین انگریزوں کی نقل وحرکت اور عزائم سے پوری طرح باخبر تھے۔ ملا مشک عالم اور جنرل جان محمد خان بھی کابل پہنچ چکے تھے۔ ۱۳ دسمبر کو انگریزی فوج (بینی حصار) کی طرف اس طرح بڑھی کہ اس نے مجاھدین کی ایک اہم چوکی (تخت شاہ) اور (بینی حصار) کے درمیان راستہ کاٹ دیا۔ اب (تخت شاہ) کے محافظ مجاہدین تنہا رہ گئے۔ انگریزوں کے ایک دستے نے ان پر حملہ کر کے شدید جنگ کے بعد ان کے (تخت شاہ) کی چوکی چھین لی اِس معرکے میں چوکی کے محافظ تمام مجاہدین شہید ہو گئے۔ اس لئے مجاھدین میں کافی تشویش پھیل گئی۔ کیونکہ دشمن کے قدم اب کابل کے باہر جمتے جا رہے تھے۔

اسی دن حکمت عملی کے تحت مجاہدین کے آگے بڑھ کر ایک بیرونی قلعے ،،سیاہ سنگ،، کو مرکز بنالیا اور وہاں سے شیر پور پر بھر پور حملے شروع کیے۔ انگریزی افواج نے بھی اُدھر رُخ موڑ دیا۔ انگریز اپنی ساری افواج اور توپیں لے کر مجاہدین کا حصار توڑنے کی کوشش کرنے لگے۔ آخر مجاہدین شدید نقصان اُٹھا کر پسپا ہو گئے۔ اور ،،سیاہ سنگ،، کا قلعہ انگریزوں کے ہاتھ آ گیا۔ اب انگریز فوجیں کابل کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ کابل کے اہم دفاعی مقام ،،کوہ سمانی،، کا کیمپ لگ گیا تھا۔ مجاہدین کے لئے حالات بے حد نازک ہو چکے تھے دو تین مقامات پر انہیں پے در پے شکستیں ہوئی تھیں۔ ہر جگہ انگریزوں کے جدید بھاری ہتھیار انہیں پسپائی پر مجبور کر رہے تھے۔ آخر انہوں نے طے کیا کہ انگریزوں کو ہر قیمت پر کوہ سمانی سے ہٹایا جائے۔ یہ کابل کا محافظ

پہاڑ تھا۔ جس سے گزرنے کے بعد انگریزون کو شہر میں داخلے سے روکنا بہت مشکل تھا۔

ادھر انگریزوں نے مجاہدین کی تیاریوں کی اطلاع پا کر راتوں رات ان میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی تازہ دم مجاہدین محمد عشمان خان اور محمد شاہ خان نامی دو برادر سرداروں کی قیادت میں جمع ہو رہے تھے انگریزوں نے انہیں ان کے ایک رشتہ دار کے زریعے تین لاکھ روپے کی پیش کش کی تاکہ وہ لڑائی کا خیال ترک کر دیں۔ عثمان خان نے اس پیشکش کو نفرت سے ٹھکرایا۔ ۱۴ دسمبر ۱۸۷۹ء افغانستان کی تاریخ کا ایک اہم دن تھا۔ پورے کابل میں ہر طرف ایک عجیب جوش و خروش کا عالم تھا۔ ہر طرف یہ آواز لگ رہی تھی کہ انگریز کابل پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ دین اور وطن کے لئے جان دینے کے لئے آگے بڑھو۔ ہزاروں جوان پرانی بندوقوں اور تلواروں کے ساتھ (زبرکوہ) کی جانب چلے جا رہے تھے۔ رنگ برنگے پرچم فضاء میں یوں لہرا رہے تھے۔ جیسے خوشنما پرندے خوشی سے پھڑ پھڑا رہے ہوں۔ علمائے کرام کی تقاریر لوگوں میں ایک نئی روح پھونک رہی تھیں۔ مجاہدین کی مرہم پٹی کرانے اور انہیں غذا پہنچانے کے لئے چار سو خواتین بھی لشکر اسلام کے ساتھ چلی جا رہی تھیں۔

علی الصبح عثمان خان اور محمد شاہ خان منتخب مجاہدین کے ساتھ آگے بڑھے۔ انگریز فوج (زبرکوہ) کو عبور کر کے آگے بڑھنے والی تھی کہ دونوں مجاہد بھائی انگریزوں پر ٹوٹ پڑے۔ اس کے بعد عام لڑائی شروع ہو گئی۔ مجاہدین کے دستے یکے بعد دیگرے انگریزوں پر تند و تیز حملے کرنے لگے۔ مورخ کے بقول انگریز کی لاشیں پہاڑی پتھروں ساتھ وادی میں گر رہی تھیں۔ انگریزوں نے توپوں کے دہانے کھول دئے تھے۔ گولہ باری سے فضا تھرا رہی تھی۔ دھماکوں سے زمین دہل رہی تھی۔ مگر مجاہدین بے خوف و خطر انگریزوں سے نبرد آزما تھے۔ آخر ایک شدید ترین معرکے کے بعد مجاہدین نے (زبرکوہ) پر قبضہ کر لیا۔ انگریزی فوج پیچھے ہٹ گئی۔ مجاہدین نے دفاعی پوزیشن اختیار کر لی۔

جنرل رابرٹس بھی اتنی جلدی ہار ماننے والا نہیں تھا۔ اس نے مجاہدین کے دفاعی خط کو توپوں کا نشانہ بنانے کا حکم دیا۔ توپوں کی ہولناک گھن گرج کے ساتھ مجاہدین کی تکبیریں بلند ہوئیں۔ خوفناک دھماکوں کے ساتھ درجنوں جسم جلی ہوئی بوٹیوں میں تبدیل ہو گئے۔ چند لمحوں میں یوں لگتا تھا کہ مجاہدین بارود کے بھڑکتے شعلوں میں راکھ ہو جائیں گے۔ یا انہیں پسپا ہونا پڑے گا۔ مگر چشم فلک نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ مجاہدین پرانی تلواریں

اُٹھا کر کے نعرے لگاتے ہوئے انگریز توپخانے کی طرف بڑھنے لگے ہر قدم پر ان کی کئی کئی لاشیں گر رہی تھیں۔ مگر گرنے والے کی جگہ فوراً پُر ہو جاتی۔ پر جوش مجاہدین ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہوئے دیکھتے ہی دیکھتے توپ خانے تک پہنچ گئے جو ایک بلند مقام سے انہیں نشانہ بنا رہا تھا۔ کچھ دیر دست بدست جنگ ہوتی رہی انگریز سپاہی مجاہدین کے تند تیز دھارے کے سامنے نہ ٹک سکے اور تھوڑی ہی دیر میں توپ خانہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔ توپ خانے سے محرومی کے بعد انگریزوں کے دیگر دستے بھی بوکھلاہٹ کا شکار ہو گئے اور چند لمحوں میں پوری فوج نے پسپائی اختیار کر لی۔

جنگ کے دوران افغان خواتین کا جذبہ قابل دید تھا۔ یہ برقع پوش خواتین پہاڑوں کی ڈھلانوں اور گھاٹیوں پر جگہ جگہ زخمی مجاہدین کو پانی پلا رہی تھیں۔ بہت سی خواتین نے روٹیوں کی پوٹلیاں اُٹھائی ہوئی تھیں۔ جب مجاہدین کی کوئی جماعت لڑتے لڑتے تھک کر چور ہو جاتی تو خواتین خشک روٹی سے ان کی تواضع کرتیں۔ ان بنات اسلام میں سے ۸۳ نے اس جنگ میں جام شہادت نوش کیا جبکہ مال غنیمت کی تقسیم میں چار سو سے زائد خواتین کو باقاعدہ حصہ دیا گیا۔ عبداللہ و زہرہ کا سچا واقعہ بھی اس جنگ میں پیش آیا۔ عبداللہ کی شادی کی رات شہر میں کوہ سمانی پر چلنے کی منادی تھی۔ عبداللہ اپنی نویلی دلہن زھرہ کے کہنے پر اُٹھا اور اگلے روز مجاہدین کے ہمراہ لڑ کر شہید ہوا زہرہ نے اپنی ساس کا بیٹا بن کر عمر بھر خدمت کی۔

۱۳ دسمبر ۱۸۷۹ء کی شکست فاش کے بعد جنرل رابرٹس ایک دفعہ پھر شیر پور قلعے کی پناہ میں چلا گیا اسے یقین ہو گیا تھا کہ افغانستان کو بزور قوت مسخر کر لینا ناممکن ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ موقع ملتے ہی افغانستان سے علیحدگی اختیار کر لی جائے۔ تاہم خطرہ تھا کہ مجاہدین اسے پشاور تک پہنچے نہ دیں گے۔ اس لئے وہ موقعہ کا منتظر رہا۔ ادھر مجاہدین نے کابل میں ملا مشک عالم کی قیادت میں ایک عبوری حکومت قائم کر لی تھی۔ امیر دوست محمد خان کے بیٹے سردار ولی محمد خان کے سوا ان تمام پٹھوؤں نے جو انگریزوں کے حامی تھے۔ اپنی وفاداریاں اب مجاہدین سے وابستہ کر لی تھیں۔

ادھر اکابر مجاہدین نے اپنی قوت بڑھانے کے ساتھ ساتھ انگریزوں کو مزید موقع نہ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چنانچہ صرف ایک ہفتے بعد انہوں نے شیر پور پر عمومی یلغار کی حکمت عملی طے کر لی۔ ۲۳ دسمبر ۱۸۷۹ء کو کوہ زبر سمانی پر ہر

طرف آگ ہی آگ نظر آ رہی تھی۔ یہ بڑے بڑے الاؤ تھے جو مجاہدین نے روشن کر رکھے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مجاہدین ہر طرف سے جمع ہو کر قلعے پر بڑے حملے کے لئے تیار ہو جائیں۔

قلعہ شیر پور کے محصور انگریزوں کو جب یہ رمز سمجھ میں آیا تو ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ اسی رات مجاہدین ایک سیلاب کی طرح پہاڑ کی بلندی سے قلعے کی طرف اُترے لگے۔ اس موقعہ پر ایک بار پھر قلعے کی محفوظ اور بلند دیواروں اور دور مار توپوں سے فائدہ اُٹھایا گیا۔ جوں ہی مجاہدین توپوں کی زد میں آئے توپیں آگ اُگلنے لگیں۔ مجاہدین کی لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں مگر پھر بھی ان کی پیش قدمی نہ رُکی۔ یہاں تک کہ شہیداء کے خون سے وادی شیر پور کو لالہ زار بنانے کے بعد ان کی خاصی تعداد قلعے کی دیواروں تک پہنچ گئی۔ یہاں دشمن کی توپیں کام نہیں کر سکتی تھیں۔ اب عام انگریز سپاہی قلعے کے مورچوں سوراخوں اور خفیہ جگہوں سے قریب آنے والے مجاہدین کو نشانہ بنانے لگے۔ مجاہدین ایک بار پھر مسلسل نقصان اُٹھانے کے باوجود فصیل پر چڑھنے او نقب لگانے کی کوشش کرتے رہے۔ ۲۴ گھنٹے تک یہ معرکہ پوری شدت سے جاری رہا۔ مجاہدین ایک کے پیچھے ایک قلعے کی دیواروں پر چڑھتے چلے جاتے اور پھر فصیل پر قبضہ کرنے کی کوشش میں دشمن کی بندوقوں کا نشانہ بن کر نیچے گرتے جاتے۔ ممکن تھا کہ اس قدر جان نثاری کے بعد وہ فصیل کے کسی حصہ پر قبضہ کر ہی لیتے کہ اس دوران ایک خفیہ سازش مجاہدین کی پسپائی کا سبب بن گئی۔

بادشاہ خان سرخابی ایک اہم مجاہدین کمانڈر نے غداری کرتے ہوئے اپنے زیر کمان مجاہدین کو پسپائی کا حکم دیا۔ بادشاہ خان کے پیچھے ہٹنے سے مجاہدین کی پوزیشن مزید کمزور ہو گئی۔ اور آخر کار مجاہدین کو شیر پور کا محاصرہ چھوڑ کر واپس آنا پڑا۔ ۲۴ دسمبر کا دن انگریزوں کے لئے نہایت پر مسرت تھا میجر جان درس ایک ڈویژن تازہ دم فوج لے کر شیر پور کے محصورین کی مدد کے لئے پہنچ گیا تھا۔ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ اسی دن قلعہ شیر پور کے آس پاس ان تمام بستیوں اور عمارتوں کو نیست و نابود کر دیا جو قلعے پر دوبارہ حملے کے دوران مجاہدین کے مورچوں کا کام دے سکتی تھیں۔ اس کے بعد انگریز فوج شیر پور سے نکل کر کابل کی طرف بڑھی۔ مجاہدین نے بھی ۲۳ دسمبر کی خونریز جنگ میں شدید جانی نقصان کی تلافی نہیں کر پائے تھے کہ یکدم انہیں اطلاع ملی کہ جنرل رابرٹس کثیر افواج کے ساتھ کابل کے اہم راستوں پر قابض ہو کر وہاں مورچے اور چوکیاں بنا رہا ہے۔ انگریزوں کو یقین تھا کہ مجاہدین

اولاف کابل کا قبضہ چھڑوانے کے لئے جلد حملہ کردیں گے اس لئے انہوں نے مجاہدین میں پھوٹ ڈالنے کے لئے کئی شاطرانہ چالیں چلیں۔ سب پہلے یہ مشہور کیا کہ ۲۳ دسمبر کی جنگ میں مجاہدین کی شکست کا سبب محمد جان خان تھا۔ جیسے انگریزوں نے غداری کی قیمت کے طور پر سونے سے بھرا ہوا صندوق دیا ہے، حالانکہ پروپیگنڈا سراسر جھوٹ تھا۔ شکست کا ذمہ دار محمد شاہ سرخابی تھا جبکہ جنرل جان محمد خان ایک مخلص مجاہد تھا۔ تاہم مجاہدین میں کچھ نہ کچھ بزدلی اور عوام میں تشویش ضرور پیدا ہوئی۔

یا مجاہد لیڈروں نے اس موقعے پر یہ خطرہ محسوس کیا کہ مزید کمانڈر بھی سونے کے صندوق کے لالچ میں انگریزوں سے مل سکتے ہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے جوابی پروپیگنڈہ مہم چلائی تاکہ جان محمد کو ملنے والا صندوق کچھ بھی نہ تھا۔ کچھ دنوں کے بعد یہ حقیقت سب کے سامنے آگئی کہ اصل غدار محمد شاہ سرخابی تھا جبکہ محمد جان خان کا دامن بالکل صاف تھا۔

ادھر وہ انگریزوں کا جاسوس کرنل ولی اللہ جان خانہ جنگی کو ہوا دے رہا تھا اس کی شعلہ نوائی نے پختون، تاجک اور ہزارہ کو ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا دیا تھا۔ ملا مشک عالم یہ افسوس ناک خبر سنتے ہی فوراً کابل سے غزنی پہنچے اور خانہ جنگی کی اس آگ کو بڑی مشکل سے بجھایا۔

۱۸۸۰ء کا عیسوی سال اس میں شروع ہوا کہ انگریز قلعہ شیر پور کے علاوہ کابل کے کئی مرکزی راستوں پر قابض تھے جبکہ مجاہدین ابھی تک دوبارہ کسی بڑے حملے کی تیاری نہیں کر سکے تھے جنرل محمد خان اور میر غلام قادر خان جیسے رہنما قبائل سے تازہ دم افراد تیار کرنے کیلئے اپنے علاقوں کو لوٹ چکے تھے۔ کوہستان، پنج شیر، غوربند اور کوہ دامن کے مجاہدین کی بڑی تعداد ۲۳ دسمبر کی لڑائی میں شہید ہوگئی تھی۔ اس لئے ازسرنو افرادی قوت کو جمع کرنا ناگزیر تھا۔ جنگ کی اس عارضی بندش کے دوران جنرل رابرٹس تیزی سے اپنی فوج کو ایک جگہ جمع کر رہا تھا وہ مجاہدین کے آئندہ متوقع حملوں سے پہلے پہلے تمام انگریز سپاہیوں کو کابل سے جلال آباد جانے والی شاہراہ پر اس طرح منظم کرنا چاہتا تھا کہ مجاہدین انہیں محصور نہ کرسکیں۔ اور وہ تمام برطانوی سپاہ کے ساتھ بحفاظت پشاور پہنچ جائے۔ اور وہ اس دوران اگر مجاہدین میں پھوٹ پڑ جائے تو کابل پر قبضہ کرنے کی کوشش بھی کی جائے۔

انگریز اس وقت قندھار اور غزنی میں بھی خاصی تعداد میں موجود تھے جنرل رابرٹس نے قندھار کے جنرل اسٹورٹ کو

فوج کے ایک بڑے دستے کے ساتھ کابل پہنچنے کا حکم دیا۔ جنرل اسٹورٹ ایک بریگیڈ فوج اور بارہ توپوں کے ساتھ کابل کی طرف بڑھنے لگا یہ دیکھ کر قبائل کے چھاپہ مار گروہ حرکت میں آگئے غزنی پہنچنے تک وہ دونوں طرف سے برطانوی فوج کی خوراک اور رسد کو لوٹتے رہے غزنی کے قریب احمد خیل کے میدان میں مجاہدین کا ایک گروہ توپیں لیکر انگریزوں پر حملہ آور ہو گیا۔ بارہ توپوں کا چھوٹی اور پرانی توپوں سے مقابلہ ایسی عجیب وغریب جرأت تھی کہ انگریزی مؤرخ خود اس پر افریں کہہ اٹھے۔ یہ مجاہدین اس میدان میں حیرت انگیز بہادری سے لڑتے رہے۔ انگریز خاصا نقصان اٹھانے کے بعد محض اپنی بارہ توپوں کی اندھادھند گولہ باری کے ذریعے خود کو مکمل تباہی سے محفوظ رکھ سکے

۲۲ اپریل کو جنرل اسٹورٹ اپنی باقی ماندہ فوج کے ساتھ بمشکل غزنی پہنچنے میں کامیاب ہو سکا۔ اور جنرل رابرٹس کو رقعہ بھیجا کہ وہ کابل پہنچنے میں اسکی مدد کرے۔ اس پیغام کے بعد وہ کابل کی طرف بڑھنے لگا۔ جنرل رابرٹس نے فوراً ایمر جان راس کی تبارک میں ایک فوج اس کی مدد کے لئے روانہ کردی مگر ۲۵ اپریل کو چہار اسباب مین محمد حسن خان لوگری نے اس فوج کو گھیر لیا۔ اور مکمل طور پر روند ڈالا ادھر جنرل اسٹورٹ کو توپ وردگ کے صحرا میں مجاہدین نے مزید حملوں کا نشانہ بنایا۔ الغرض جنرل اسٹورٹ کافی نقصان اٹھانے کے بعد کابل آپہنچا۔ جنرل رابرٹس کو بہرحال اسکی آمد سے کافی تقویت ملی۔ وہ شیر پور کے قلعے مٰں خود کو محفوظ تصور کر رہا تھا۔ اسے مزید بھی توقع تھی کہ ضرورت پڑنے پر اسے پشاور سے ایک ڈویژن فوج مل سکتی ہے۔

جنرل رابرٹس کو اب کچھ عرصے کے لئے پرسکون ماحول میسر آگیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ چاہیے کچھ بھی ہو جائے انگریز بزور قوت افغانوں کو کبھی سرنگوں نہیں کرسکیں گے؛ چنانچہ ایک بار پھر اس نے برطانوی حکومت کے زیر سایہ کسی کٹھ پتلی افغان حکومت کی تشکیل پر کام شروع کردیا۔ یہ تجویز ہندوستان اور وہا سے لندن بھیج دی گئی تھی اور اسے منظور کرلیا گیا تھا۔ اب اس تجویز پر بڑی مکاری سے مرحلہ وار عمل شروع کردیا گیا۔ پہلے افغانستان میں انگریزوں کی طرف سے یہ اعلان ہوا کہ وہ افغانستان سے نکلنے کے لئے تیار ہیں اور جنگ ہرگز نہیں چاہتے۔ افغان عوام جسے چاہے اپنا حکمران منتخب کریں اعلان کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ مجاہدین جو ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری کر رہے تھے مطمئن ہو گئے کہ انگریزوں نے شکست تسلیم کرلی ہے۔ چنانچہ انہوں نے بھی عارضی جنگ بندی کرلی اور نئے

حاکم کے انتخاب میں دلچسپی لینے لگے۔ کچھ عرصہ بعد انگریزوں نے ایک جرگہ بلایا چنانچہ ملک سے صرف ۱۰۹ نمائندے شریک ہو سکے۔ دور دراز کے قبائلی سردار اور عمائدین برفباری کے موسم میں غزنی نہیں پہنچ سکتے تھے۔ جرگے مین فیصلہ ہوا کہ امیر شیر علی خان کی اولاد میں سے کوئی بادشاہ بن جائے۔ خود انگریز یعقوب خان کو دوبارہ بادشاہ بنانا چاہتے تھے جبکہ جرگہ اس کا مخالف تھا۔

انگریزوں نے ۱۸ مارچ ۱۸۸۰ء کو سردار عبدالرحمٰن کو افغانستان کا بادشاہ تسلیم کرلیا اور سر سیل گریفن کو کابل بھیجا جس کے اور عبدالرحمٰن کے درمیان متعدد خطوط کا تبادلہ ہوا۔ جس میں افغانستان سے سوائے انگریزوں کے اور کسی بیرونی طاقت کو تعلقات رکھنے یا اندرونی مداخلت سے روکا گیا۔ معائدہ گنڈمک کے سپرد کردہ علاقے انگریزوں ہی کے پاس ہے البتہ عبدالرحمٰن نے قندہار کو بقیہ ملک سے الگ کر کے کسی اور حکمران کے تحت رکھنے کی مخالفت کی اس دوران برطانیہ میں قدامت پرستوں کی بجائے لبرل حکومت بنی اور لارڈ لٹن کی بجائے لارڈ ربن وائسرائے بن کر آیا جس نے عبدالرحمٰن کی تمام شرائط مان کر اسے بادشاہ تسلیم کرلیا۔

میوند کی جنگ

سردار محمد ایوب خان جو محمد یعقوب خان کے چھوٹے بھائی تھے ہرات سے مجاہدین کا لشکر لے کر چلے تو انگریزوں سے سامنا ہوا۔ کئی سو مجاہدین اور متعدد بہترین کمانڈروں کی شہادت کے بعد مجاہدین کی اعلیٰ قیادت نے اپنی حکمت عملی میں تبدیلی کی۔ نائب سالار حفیظ خان نے دھاوا بولنے والے مجاہدین کو رک جانے کا حکم دیا اور انہیں تاکید کی کہ انگریزوں کی گولی کا نشانہ بننے کے بجائے زمین پر لیٹ کر پوزیشن لے لیں اور آگے نہ بڑھیں ادھر مجاہدین زمین پر لیٹے ادھر سردار محمد ایوب کی قیادت میں چار ہزار سوار باگیں اٹھائے میدانِ جنگ سے فرار ہوتے نظر آئے۔

جنرل بروز (Burrows) نے مجاہدین کو پیش قدمی سے عاجز اور مدافعانہ پوزیشن لینے پر مجبور پایا اور ساتھ ہی سوار فوج کو میدان جنگ سے بھاگتے دیکھا تو اس نے اپنے سپاہیوں کو آگے بڑھ کر پوری قوت سے مجاہدین پر ٹوٹ پڑنے کا حکم دیا۔ اب گورے اپنی مکین گاہوں سے نکل کر تیزی سے آگے بڑھنے لگے۔ مگر جوں ہی وہ مجاہدین کی لمبی نال والی بندوقوں کی زد میں آئے انہیں اپنی رفتار کم کرنا پڑی کیونکہ مجاہدین کا کوئی نشانہ خطا نہیں

جارہا تھا۔ کچھ دیر تک انگریزوں اور مجاہدین کے درمیان گولیوں کا تبادلہ ہوتا رہا۔ پھر یکا یک میدان جنگ تکبیر کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھا۔ ہزاروں شہ سوار افق سے نمودار ہو رہے تھے تب انگریزوں کو احساس ہوا کہ وہ مجاہدین کی چال میں پھنس گئے ہیں لشکر اسلام کے جن گھوڑ سواروں کو انہوں نے فرار ہوتے ہوئے دیکھا تھا وہ درحقیقت کئی میل دور جا کر سیع دائرے میں پھیل گئے تھے۔ اور اب گھیراؤ تنگ کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

دیکھتے ہی دیکھتے گھڑ سوار انگریزوں پر جھپٹ پڑے اب دست بدست لڑائی شروع ہوگئی انگریز پلٹنیں اس حال میں بھی اپنے معروف قواعد اور نظم وضبط کے ساتھ لڑ رہی تھیں اس لئے جنگ کا فیصلہ جلد نہ ہوسکا۔ لڑائی سورج ڈھلنے تک جاری رہی بہر کیف سہ پہر تک مجاہدین کا پلہ واضح طور پر بھاری ہوگیا انگریزوں کی پیشہ وارانہ مہارت مجاہدین کے جذبہ جہاد کے سامنے دم توڑ گئی۔

انگریزوں نے اب تک دوبارا سلحے کے بل بوتے پر مجاہدین کو شدید نقصان پہنچایا تھا۔ مگر دوبدو مقابلے میں ان کی سنگینیں اور تلواریں مجاہدین کے سامنے نہ ٹھہر سکیں۔ انگریزوں نے راہ فرار اختیار کرنے مین ہی عافیت جانی اور جس کا جدھر رخ تھا بھاگ کھڑا ہوا تاہم مجاہدین نے بچ نکلنے کا راستہ نہ دیا اور فرار ہونے والوں پر تیغ آزمائی جاری رکھی۔ بارہ ہزار انگریزوں میں سے گیارہ ہزار چار سو میوند کے میدان میں ڈھیر ہو گئے۔ صرف چھ سو افراد زندہ بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ بھگوڑوں نے ایک باغ میں پناہ لی مگر کچھ دیر بعد تعاقب کرنے والے مجاہدین ان کی تلاش میں یہاں پہونچ گئے اور کسی رعایت کے بغیر سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

مؤرخ مرزا یعقوب علی خوامی نے لکھا ہے کہ بارہ ہزار انگریزوں میں سے صرف پچیس افراد زندہ بچ گئے تھے کہ انہوں نے میدان جنگ میں افغانوں جیسا حلیہ بنا رکھا تھا اور مقامی لباس پہن کر آئے تھے۔ نیز جب یہ فرار ہوئے تو غدار افغان سردار شیر علی خان ان کے ساتھ تھا۔ اس نے خفیہ راستوں سے گذار کر انہیں قندھار پہنچایا تھا انہی کے ذریعے قندھار میں تعینات انگریز افیسر جنرل پرائمروز (Primroese) کو برطانوی فوج کی عبرتناک شکست کی خبر ملی چونکہ اس وقت مواصلات کا نظام وجود میں آچکا تھا اس لئے کابل سے یہ خبر فوراً لندن پہنچ گئی۔ جس سے برطانوی حکومت میں تہلکہ مچ گیا اور فوری طور پر افواج کو افغانستان سے نکالنے کا فیصلہ کرلیا گیا۔ گویا

برطانیہ نے عملاً اپنی شکست تسلیم کر لی۔

سردار عبدالرحمن کا اعلان بادشاہت:

انگریزوں کو شکست دینے میں سردار محمد ایوب خان کی قیادت میں لڑنے والے مجاہدین نے کلیدی کردار ادا کیا تھا اس لئے وہ بجاطور پر افغانستان میں انگریزوں کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے مجاز تھے مگر اس وقت کابل میں امیر عبدالرحمن کے ظہور اور انگریزوں کے لئے اس کے دوستانہ رویے نے اتنی بڑی تاریخی فتح کے ثمرات کو بڑی حد تک بے مزہ کر دیا۔

معرکہ میوند ۲۷ جولائی ۱۸۸۰ء کو لڑا گیا تھا اس سے صرف ایک دن پہلے سردار عبدالرحمن نے ایک لاکھ مجاہدین کی حمایت کے ساتھ چھاریکا میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا تھا۔ اب انگریزوں کو ایک طرف تو میوند میں سردار محمد ایوب خان کی قیادت میں جمع ہونے والے مجاہدین کے قندہار پر قبضے کا خطرہ لاحق تھا اور دوسری طرف سردار عبدالرحمن سے خوف تھا کہ اگر وہ ایک لاکھ مجاہدین کے ساتھ کابل پر چڑھ دوڑا تو اسے روکنا ناممکن ہوگا۔

ان حالات میں انگریزوں نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ سردار عبدالرحمن کو اعتماد میں لینے کی کوشش کی۔ چونکہ عبدالرحمن خود جہاد کے لئے مخلص نہ تھا بلکہ وہ مجاہدین کے اتنے بڑے جم غفیر کے ذریعے اقتدار حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے وہ پہلے سے انگریزوں کے لئے نرم گوشہ رکھتا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انگریزوں اور سردار عبدالرحمن کے درمیان یہ طے پایا کہ کابل سردار عبدالرحمن کے حوالے کر کے اسے افغانستان کا حکمران تسلیم کر لیں گے۔ جبکہ سردار عبدالرحمن انہیں مکمل حفاظت کے ساتھ قندہار، غزنی اور کابل سے نکال کر پشاور پہنچائے گا۔ صرف یہی نہیں بلکہ انگریزوں نے عبدالرحمن کو ان سے ساز باز کے لئے آمادہ دیکھ کر معاہدہ گنڈمک کی چند ذلت آمیز شرائط بھی منظور کروالیں۔ پہلی یہ کہ حکمران افغانستان برطانیہ کے سوا کسی دوسری حکومت سے دوستانہ روابط نہیں رکھے گا

(۲) درۂ بولان، کرم، پیوار اور درۂ خیبر انگریزوں کے ہاتھ میں رہیں گے

(۳) پشین اور سبی میں انگریزوں کی چھاؤنیاں برقرار رہیں گی۔

(۴) قندھار کو خودمختار علاقے کی حیثیت سے الگ حکمران کے تحت رکھا جائے گا۔

عبدالرحمن نے ان تمام شرائط کو منظور کر لیا اس کے ساتھ ساتھ اس نے انگریزوں کا محفوظ انخلا یقینی بنایا۔ حالانکہ

مجاہدین ان میں سے کسی کے افغانستان سے زندہ جانے کے حق میں نہیں تھے۔

ادھر فاتح میوند سردار ایوب خان نے مجاہدین کے ساتھ قندہار کا محاصرہ کر لیا تھا اور وہاں محصور انگریزی فوج کو جان کے لالے پڑ چکے تھے۔ جنرل رابرٹس نے جب یہ دیکھا تو ایک بھاری لشکر لے کر شیر پور سے قندھار روانہ ہو گیا۔

سردار عبدالرحمن نے اس لشکر کی حفاظت کے لئے اپنے امراء ساتھ کر لئے تھے۔ اور راستے کے عام قبائل کو انگریزوں پر کوئی دست درازی نہ کرنے کی تاکید کی تھی۔ چنانچہ قندھار کابل شاہراہ جو کہ ایک برس سے انگریزوں کے لئے موت کا گڑھ بنی ہوئی تھی اس بار پھولوں کی سیج ثابت ہوئی، جنرل رابرٹس کسی رکاوٹ کا سامنا کئے بغیر طوفانی رفتار سے سفر کرتا ہوا ۱۲ اگست کو قندہار پہنچا اور سردار ایوب خان کے لشکر پر ٹوٹ پڑا سردار محمد ایوب خان انگریزوں کے اس اچانک حملے کی تاب نہ لا سکا اور یوں میوند کا فاتح لشکر قندھار سے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوا۔ جنرل رابرٹس اب پورے اطمینان کے ساتھ قندہار میں داخل ہوا۔ اس نے اعلان کیا کہ اب عبدالرحمن خان بادشاہ ہے اس لئے ہم قندہار اس کے نمائندوں کے حوالے کریں گے۔ عبدالرحمن خان کا نمائندہ شمس الدین خان جنرل رابرٹس کے ساتھ کابل سے قندھار آیا تھا۔ انگریزوں نے قندھار اس کے سپرد کر دیا۔ انگریز اب مطمئن تھے کہ وہ افغانستان سے اب پورے تحفظ کے ساتھ نکل سکتے ہیں۔

اگست میں انگریزوں کا انخلا شروع ہو گیا۔ ادھر عبدالرحمن خان جو اب تک چہاریکا میں پڑا ہوا تھا کابل پہنچ گیا کابل کے عوام جو انگریزوں کی واپسی کو عبدالرحمن خان کا کارنامہ تصوّر کر رہے تھے اس کے استقبال کے لئے امنڈ آئے۔ عبدالرحمن نے کابل کے باغ شہر آرا میں پڑاؤ ڈالا اس دوران جنرل گریفن اور جنرل اسٹورٹ جو اپنی افواج کے ساتھ کابل سے نکل رہے تھے اس سے الوداعی ملاقات کے لئے آئے۔ بعد میں اس مقام پر عبدالرحمن خان نے حکم سے انگریزوں کے انخلا کی یادگار کے طور پر ایک عمارت،، برج شہر آرا،، بنائی گئی جس کے کھنڈرات آج بھی انگریزوں کی ذلت آمیز پسپائی کی یاد دلاتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ ۱۸۷۹ء اور ۱۸۸۰ء کے اس یادگار جہاد کے ثمرات کو محفوظ نہ کیا جا سکا۔ مگر یہ بھی کم نہیں تھا کہ بے سروسامان مجاہدین نے صرف ایک سال نو ماہ کی زبردست کاروائیوں سے دنیا کی سب سے بڑی طاقت کو چھٹی کا

دودھ یاد دلا کر اپنے ملک سے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔

یاد رہے کہ یہ زمانہ انگریزوں کی انتہائی عروج کا زمانہ تھا وہ دنیا کے ہر میدان میں فتوحات حاصل کر رہے تھے۔ یورپ میں انکا ہم پلہ کوئی نہیں تھا انہیں امریکہ اور روس دونوں پر برتری حاصل تھی۔ ہندوستان کا ہر گوشہ ان کے قبضے میں تھا۔ ان کی سلطنت میں سورج نہ ڈوبنے کا محاورہ اسی دور سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے باوجود یہ سب بڑی طاقت مجاہدین کے جذبۂ ایمانی کے آگے دو سال نہ ٹھہر سکی اور اخر کار اس کی سب سے بڑی ترجیح یہ بن گئی کہ کسی طرح ان کے سپاہی افغانستان سے زندہ سلامت نکل آئیں۔

اگر عبدالرحمن کی سیاسی مصلحتیں آڑے نہ آتیں تو یقیناً مجاہدین باقی ماندہ گوروں کو بھی افغانستان کے پہاڑوں میں گاڑ دیتے اس معاہدے کے مطابق نہ صرف انگریزوں کو محفوظ راستے دیئے بلکہ ان کی خوراک سے لے کر ان کی سواریوں کے چارے تک کا خیال رکھا گیا۔ یوں موسم سرما سے پہلے پہلے تمام انگریزی افواج افغانستان سے نکل گئیں۔

برطانیہ کے لئے یہ منظر نہایت عبرت انگیز تھا کہ ساٹھ ہزار انگریزوں میں سے صرف تیس ہزار کے لگ بھگ واپس لوٹ رہے تھے۔ نصف فوج مجاہدین کے ہاتھوں مختلف جنگوں میں ماری جا چکی تھی پوری دنیا میں انگریزوں کا سر جھک گیا تھا۔ اور یہ ثابت ہو گیا تھا کہ مسلمان اس انحطاط کے دور میں بھی دنیا کی سب سے بڑی طاقت کو شکست سے دوچار کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔

برطانیہ کے بڑے دماغوں نے ایک عرصے تک اس تاریخی المیئے پر تحقیق کی اور آخر کار فیصلہ سنایا کہ آئندہ کبھی بھی افغانستان میں عسکری مداخلت کی کوشش نہ کی جائے۔ ورنہ نتائج اس سے بھی بُرے ہوں گے۔ انگلستان کے سیاسی امور کے ماہر مسٹر اسٹنٹ مین نے تحریر کیا کہ،، ہم اہل افغانستان کی مزاحمت کے مشغلوں سے واقف ہو چکے ہیں۔ یہ باصلاحیت لڑا کا قوم ان ہولناک ریگستانوں اور دشوار گذار پہاڑوں کو اپنے آبائی وطن کی حثیت سے پہچانتی ہے۔ اور نہایت جاں نثاری کے ساتھ ان کے دفاع کے لئے لڑتی اور مدافعت کرتی ہے۔ افغانوں نے ۱۸۴۲ء اور ۱۸۸۰ء میں ہمارے ساتھ مقابلہ کیا۔ حالانکہ وہ عسکری علوم اور جدید اسلحے کی ٹیکنالوجی سے آگاہ نہیں مگر اس کے باوجود وہ مردانہ وار لڑے۔ ان جنگوں میں ان کا مطمح نظر یہ تھا کہ کفار کی یلغار کا مقابلہ جہاد سے کرنا

ہے۔ چنانچہ انہوں نے جواں مردی کے ساتھ اپنا دفاع کیا آج بھی افغانستان کے طبعی وقدرتی حفاظتی انتظامات اتنے خوفناک اور بھیانک ہیں جتنے ہمیشہ سے تھے۔

امیر عبد الرحمٰن (۱۸۸۰ء۔۱۹۰۱ء)

پہلی اور دوسری افغان جنگ کے باعث افغانستان کی اقتصادی حالت تباہ ہوگئی تھی۔ امیر عبد الرحمٰن نے کئی اصلاحات کیں مگر اس کی طبیعت میں خود رائی غالب تھی اس کے کئی اقدامات غیر معتدل اور کئی پالیسیاں اسلامی اقدار کے مخالف تھیں اس نے تجارت پر خصوصی توجہ دی۔ لمبی شاہراہوں کو محفوظ بنانا۔ چور کے لئے پھانسی کی سزا مقرر کی۔ اس کا رعب ودبدبہ اس قدر تھا کہ شارع عام پر کسی کا بٹوہ گر جاتا تو کسی کو اٹھانے کی جرات نہ ہوتی۔ تجارت کو اتنا فروغ ہوا کہ افغان تاجروں نے پشاور، کراچی، اور مشہد میں منڈیاں بنالیں۔

امیر عبد الرحمٰن کا لقب ،،ضیاؤ الملت ،، تھا جو اس کے سکوں پر نظر آتا تھا۔ امیر کا تشکیل کردہ احتسابی ادارہ ،،شش کلاہ،، بھی عوام کے لئے ایک بڑا عذاب تھا۔ اس مین چھ سخت گیر افسران ہوتے تھے۔ یہ ادارہ احتساب کے نام پر انتقام لیتا تھا۔ افغانستان کے بڑے بڑے عمائد اور امراء صرف یہ سن کر کہ ان کے خلاف شش کلاہ میں تفتیش کا آغاز نہ ہونے والا ہے ملک چھوڑ کر ہجرت کرنے لگے تھے۔

امیر عبد الرحمٰن جفاکش اور محنتی تھا۔ اسے مردانہ وعسکری کھیل اور میلے دیکھنے زیادہ پسند تھے۔ کابل کے میدان اس کے دور میں گھڑ سواری، نیزہ بازی، بنوٹ، شمشیر زنی اور نشانہ بازی کے مراکز بن گئے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس دور میں غیر شرعی تفریحات مثلاً کبوتر بازی، ناچ گانے اور موسیقی کا رُجحان بھی بڑھا۔ امیر عبد الرحمٰن نے ایک دن اچانک حکم جاری کر دیا کہ سرکاری دفاتر میں سورج کی پہلی کرن کے ساتھ کام شروع ہو اور غروب افتاب پر دفاتر بند ہوں۔ اس حکم کے نتیجے میں دفاتر تیرہ چودہ گھنٹے آباد رہنے لگے۔ مگر ملازمین ادھ موئے ہوگئے۔ تاہم کسی کو دم مارنے کی ہمت نہ تھی۔ آخر امیر کے بیٹے محمد عمر کی رسم عقیقہ کے موقع پچاس کے لگ بھگ افسران نے بہت ڈرتے ڈرتے امیر کی بیگم ،، بوبو جان ،، کی سفارش کے ساتھ ایک درخواست پیش کی جن میں اپنی مشکلات پیش کر کے عرض کیا گیا کہ ملازمین بیمار لاچار اور زندگی سے بیزار ہو رہے ہیں۔ اس نیک ساعت میں ان پر رحم کھا کر اوقات کار میں تخفیف کی جائے۔ درخواست کے آخر میں ۵۲ افسران کے دستخط تھے۔ سب نے خود کو کمینہ حقیر فقیر،

کمترین، نمک خوار وغیرہ لکھ کر دستخط کئے تھے۔ مگر امیر عبدالرحمٰن نے درخواست اور نام پڑھتے ہوئے یوں جواب دیا، تم پر اور تمہارے آباء پر ہزار لعنت،،

امیر عبدالرحمٰن نے اپنے کسی مخالف کو زندہ نہ چھوڑا۔ جس پر شک بھی ہوتا کہ اس کے اقتدار کے لئے خطرہ بن سکتا ہے اس کا خاتمہ کرنے میں اپنی پوری قوت صرف کرتا۔ اس کی یہ خوئے بد ان مجاہدین کے حق میں بھی ظاہر ہو کر رہی کہ جن کی قربانیوں نے اس تخت شاہی تک پہنچنے کے قابل بنایا تھا۔ اور جن کے سامنے پرچم جہاد بلند کر کے اس نے اپنی حمایت کے لئے فضا ہموار کی تھی اس کے اقتدار میں آنے کے دوسرے سال یعنی ۱۸۸۱ء میں یہ بات سب پر عیاں ہوگئی کہ اس کا عوامی روح سے جس کے لئے تحریک جہاد برپا کی گئی تھی۔ کوئی تعلق نہیں وہ تو خود پسندی کا شاہکار تھا۔ اس کی کوئی کابینہ تھی نہ مجلس شوریٰ۔ اس کے فیصلے شخصی تھے۔ اور عوام اسے،، ظالم بادشاہ،، کے لقب سے یاد کرنے لگے تھے۔ کابل کے جیل خانے میں اس نے ہزاروں مردوں اور عورتوں کو قید کر رکھا تھا۔ جہادی رہنما سمجھ چکے تھے کہ اس کا نعرۂ جہاد محض فریب تھا۔ وہ انگریزوں کا قریب ترین حلیف ہے۔ اور ان سے معاہدے اور سودے بازی کے ذ

ذریعے حکمران بنا تھا۔ اس کی انگریز نوازی نے ملک کو مجاہدوں کی ایسی زنجیر میں جکڑ دیا ہے جس سے ملک کی خودمختار حیثیت سخت مجروح ہوئی ہے۔ چنانچہ مجاہد رہنما اب آہستہ آہستہ امیر عبدالرحمٰن کے خلاف آوازیں بلند کر نے لگے۔ ان رہنماؤں میں جنرل جان محمد خان ملا مشک عالم، محمد افضل وردگ، سپہ سالار حسین خان، نائب سپہ سالار داؤد شاہ، اکبر خان کل پوری اور محمد شاہ خان غلجائی پیش پیش تھے۔ اس کے علاوہ افغانستان کے صوفیائے کرام کا حلقہ بھی اس کی مخالفت کر رہا تھا۔ اس مخالفت کی بنا پر مزار شریف مین امیر عبدالرحمٰن پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ مگر گولی پاس سے گزر گئی اور وہ بچ گیا امیر کی گرفت اب اور بھی سخت ہوگئی۔ چنانچہ اس نے پروپیگنڈہ کر کے جہادی رہنماؤں کو ایجنٹ اور سازشی عناصر کے طور پر مشہور کر دیا ان کے ناموں اور القاب کو بگا کر عوام کے لئے مضحکہ خیز بنا دیا گیا۔ امیر کی پروپیگنڈہ مشینری نے ملا مشک عالم کو،، موش عالم چوہا مولوی،، کے نام سے مشہور کرنے کی کوشش کی۔ مگر ملا صاحب کی منزلت اور مقبولیت میں فرق نہ آیا۔

تاہم بہت سے جہادی رہنماؤں کے خلاف پروپیگنڈہ اس حد تک کامیاب ہوا کہ وہ عوام کو متحرک کرنے اور عوام

ان کے گرد جمع ہونے میں تذبذب کا شکار ہو گئے اس کے بعد سرکاری فولادی ہاتھ حرکت میں آ گئے اور مجاہد لیڈروں کی گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ جنرل محمد جان کو انگریزوں کے ساتھ ساباز کے الزام میں گرفتار کر کے دوسرے سپاہیوں کے پہرے میں مزار شریف بھیجا گیا اور کچھ فاصلے پر انہیں شہید کر کے وہیں دفنا دیا گیا۔ سیاسی قیدیوں کی تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی۔ اس کے بھائی محمد افضل خان اور اس کے ساتھی عصمت اللہ خان، بہرام خان اور کئی دوسرے لیڈروں کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ اس پر کئی جہادی لیڈر ملک سے ہجرت کر گئے جیسے میر بچہ خان، غلام محمد خان، میر درویش خان اور فتح محمد وغیرہ۔

امیر عبدالرحمٰن نے ملا مشک عالم کو انعام واکرام کے ذریعے اپنا حامی بنانے کی کوشش کی۔ ۱۸۸۴ء میں غزنی میں دربار عام منعقد کر کے انہیں تشریف آوری کی دعوت دی ملا مشک نے اس دعوت کو سختی سے ٹھکرایا۔ امیر نے اپنے بھائی کی شریف خان کے ساتھ ایک وفد کو ملا صاحب کو منانے کے لئے بھیجا مگر ملا صاحب نے اب بھی امیر کی حمایت اور دربار مین حاضری سے انکار کیا۔ وجہ پوچھی گئی تو بے باکانہ انداز میں فرمایا،، وہ تین ہزار افغان بزرگ جنہوں نے انگریز کے غلبے کے خلاف جنگ کی تھی اور اسلام کی حرمت کی حفاظت کے لئے سخت قربانیاں دی تھیں آج کابل کے جیل خانے میں قید ہیں اور ان کا یہ انجام لوگوں میں مایوسی اور دہشت کا سبب بن رہا ہے۔ تو میں خود بھی جو کہ افغان عوام میں سے ایک ہوں اپنے آپ کو خطرے میں محسوس کرتا ہوں۔،،

اس جواب کے بعد امیر نے ملا صاحب کو اپنے حال پر چھوڑ دیا اور وہ جو اب ضعیف بر چکے تھے دو سال بعد ۱۰ ربیع الاول ۱۳۰۳ھ ۱۸۸۶ء کو وفات پا گئے۔ ان کے بیٹے عبدالکریم نے امیر عبدالرحمٰن کے خلاف مسلح تحریک شروع کی۔ مگر سرکاری افواج نے کئی خونریز معرکوں کے بعد اس تحریک کو ابتدا ہی میں کچل دیا۔ چنانچہ اندڑ علاقے کے ایک ہزار افراد بے رحمی سے قتل کر دئے گئے۔

ہزار کھوپڑیاں میدان جنگ سے کابل روانہ کی گئیں اور انہیں ایک اونچے مینار پر نصب کر دیا گیا۔ اس چنگیزیت، ہلاکو گردی اور تیموریت کو دیکھ کر عبدالرحمٰن کا ہول اور خوف لوگوں کے دلوں پر پہلے سے بڑھ کر چھا گیا۔

امیر عبدالرحمٰن کے مخالف اقتدار کے ابتدائی تین چار برسوں میں ہی مغلوب ہو گئے تھے۔ البتہ فاتح میوند سردار محمد ایوب خان اسکی حکومت کے ساتویں برس تک اس کے لئے خوف و دہشت کی علامت بنا رہا۔ ہرات اور مغربی

جنوبی افغانستان کے عوام اس کے حامی تھے۔ اپریل ۱۸۸۱ء میں سردار محمد ایوب خان نے امیر عبدالرحمٰن کے خلاف فوج کشی کی۔ ابھی کابل میں انگریزوں کی فوج کا ایک بڑا دستہ باقی تھا۔ اور اس نے ایوب خان کی یلغار روکنے میں عبدالرحمٰن کا بھرپور ساتھ دیا۔ ایوب خان کا پہلا حملہ قندھار پر تھا۔ قندھاری فاتح میوند کا احترام کرتے تھے۔ چنانچہ ایوب خان بغیر کسی مزاحمت کے قندھار پر قابض ہو گیا۔ قندھار کے صوفی رہنماؤں نے سردار محمد ایوب خان کو ملت کا رہنما قرار دیا۔ اکابر علماٗ ملا عبدالرحیم کاکڑ، ملا عبدالواحد پوپلزئی اور دیگر پانچ علماٗ کی ایک مجلس نے اعلان کیا کہ سردار محمد ایوب خان افغانستان کی بادشاہت کا صحیح حقدار ہے۔ کیونکہ انگریزوں سے جہاد میں اس کے کارنامے ناقابل فراموش ہیں۔ جبکہ عبدالرحمٰن از روئے شرع معزول کر دیئے جانے کے قابل ہے۔ اس کی انگریز دوستی اور وطن دشمنی سے مسلمانوں کی حکمرانی کا حق نہیں دیتی۔

قندھار میں سردار محمد ایوب خان کی حکومت کے اعلان اور اہل شہر کی بھرپور حمایت کے باوجود عسکری قوت زیادہ نہیں تھی۔ جبکہ کابل سے امیر عبدالرحمٰن کی قیادت میں بہت بڑا لشکر چلا آ رہا تھا۔ اُدھر سردار محمد ایوب خان کو پر جوش افراد نے کھلے میدان میں نکل کر لڑنے پر انگیخت کیا۔،، آخر وہ اپنی تمام قوت مجمع کر کے قندھار سے باہر نکلا۔ یہاں عبدالرحمٰن کے لشکر کے ساتھ زبردست معرکہ ہوا۔ نتیجتاً ایوب خان شکست کھا کر بچے کھچے ساتھیوں کے ساتھ ہرات کی طرف فرار ہوا۔ مگر کابل سے آنے والی ایک اور فوج ہرات پر قبضہ کر چکی تھی کیونکہ ہرات کی تقریباً تمام فوج ایوب خان کے ساتھ قندھار گئی تھی۔

ایوب خان دل شکستہ ہو کر ایران کی طرف بڑھا ادھر عبدالرحمٰن نے انگریز جنرل پُرَمروز کی کمان میں ایک ہزار سپاہی اسکے تعاقب میں لگا رکھے تھے۔ چنانچہ مجبوراً سردار محمد ایوب خان سرحد ایران میں داخل ہوا۔ اور سیاسی پناہ مانگی بادشاہ ایران ناصر الدین شاہ ماچار نے اسے اس شرط پر پناہ دی کہ وہ سیاسی سرگرمیوں میں ملوث نہیں ہوگا۔ محمد ایوب خان کے فرار ہونے کے بعد امیر عبدالرحمٰن نے قندھار پر دوبارہ قبضہ کیا اور شہر میں داخل ہو کر اکابر علماء عبدالرحیم کاکڑ اور ملا عبدالوحد پوپلزئی کو اپنے سامنے قتل کرا دیا۔ جنہوں نے ایوب خان کو بادشاہت کے لائق قرار دیا تھا۔

سردار محمد ایوب خان ایران میں پناہ لینے کے بعد بھی خفیہ طور پر امیر عبدالرحمٰن کے خلاف منصوبہ بندی کرتا رہا،

۱۸۸۷ء میں میمنہ اور ہرات کے لوگوں نے عبدالرحمن کے خلاف بغاوت کی تو سردار ایوب خان موقع سے فائدہ اُٹھانے کے لئے وہاں پہنچا مگر اس کے پہنچنے تک حالات ناساگار ہو چکے تھے اور ہرات میں امیر عبدالرحمن کے مخالفین اور حامیوں میں خانہ جنگی ہونے لگی تھی۔ یہ دیکھ کر ایوب خان مایوس حالت میں پھر ایران چلا گیا۔ مگر اس بار حکومت ایران نے اسے پناہ دینے کی بجائے گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کرا دیا۔ انہوں نے فاتح ،،میوند،، کو لاہور کے شاہ عالمی دروازہ بازار میں نظر بند کئے رکھا۔ جہاں غالباً اس نے گمنامی میں اپنے بھائی امیر یعقوب خان کی طرح ۱۹۱۵ء کے اس پاس وفات پائی۔ اسکی اولاد اب بھی شاہ عالمی لاہور میں مقیم اور گھر میں فارسی بولتی ہے۔

اب مجاہد رہنماؤں میں امیر عبدالرحمن کا مخالف صرف میر غلام قادر اوپیانی تھا جیسے امیر نے مامون رہنے دیا۔ بعد میں ایک سرکاری عہدہ بھی دیا۔ مگر ملازم کے ذریعے زہر کھلا کر شہید کر دیا۔ یوں ۱۸۸۰ء تاریخی جہاد کا کوئی کردار افغانستان کے منظر نامے پر باقی نہ رہا مگر محسن کش عبدالرحمن نے برطانیہ کے یاروں اور غداراں کو خوب نوازا۔ قندھار کے غدار شیر علی کا بیٹا نور علی خان انگریز کی سرپرستی میں کراچی میں جی رہا تھا۔ عبدالرحمن کو معلوم ہوا کہ نور علی پر قرض چڑھ گیا ہے۔ امیر نے اپنے نمائندے کراچی بھیج کر نور علی کو قرضے کے بوجھ سے آزاد کرایا اور واپس بلوا کر کابل میں اس کے آرام و آسائش کا بندوبست کیا۔ ساتھ ہی بارہ ہزار روپے اسے مزید دئے۔

۱۸۸۸ء میں بلخ کے دلی سردار محمد اسحٰق نے امیر کے مظالم کے سامنے صف آرا ہو کر بغاوت کر دی معلوم ہوتا تھا کہ یہ آندھی عبدالرحمن کے اقتدار کی چوبیں اکھاڑ دے گی مگر عبدالرحمن نے پوری قوت اور ستبداد سے بغاوت کو کچل ڈالا۔ امن و امان قائم ہونے کے بعد وہ خود مزار شریف پہنچا۔ راستے میں اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ مگر گولی اس کے تکئے کو پھاڑتی ہوئی خیمے کی پُشت پر کھڑے سپاہی کو زخمی کر گئی۔ حملہ آور کو فوراً قتل کر دیا گیا۔

سردار محمد اسحٰق خان کی بغاوت کو کچلنے کے بعد بہت افراد کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ امیر عبدالرحمن نے اپنی کابل آمد پر اُن سے لرزہ خیز انتقام لیا۔ روزانہ پندرہ قیدیوں کو کابل کے ،،میدان مراد خان،، میں لایا جاتا تھا اور تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا تھا۔

۱۸۸۶ء میں بامیان کے ہزارہ شیعہ قبائل نے بغاوت کردی۔ یہ لوگ بامیان اور اسکے گرد پیچیدہ پہاڑی درّوں میں آباد تھے۔ پیشے کے لحاظ سے یہ لوگ گلہ بان اور قالین باف چلے آرہے ہیں۔ ان میں خوشحال طبقہ صرف سیدوں، مجتہدوں، ذاکروں اور خطیبوں کا ہوتا ہے۔ جن کے ہاتھ میں ان کی مذہبی باگ ڈور ہوتی ہے۔ امیر عبدالرحمن کے دور میں اس مذھبی طبقے کی لوٹ کھسوٹ میں زیادہ اضافہ ہوا اور ہزارہ قبائل کے چند سرداروں نے اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا۔ اس موقع پر ہزارہ جات کی مذہبی قیادت نے شیعہ سُنی منافرت کی آگ بھڑکا کر اپنے لوگوں کو حکومت کے خلاف کھڑا کرنے میں خاص کردار ادا کیا۔ امیر عبدالرحمن نے ابتدا میں خلاف توقع اس صورت حال کو صبر وتحمل سے برداشت کیا۔ اور گفت وشنید سے ہزراہ جات کو آرام کرنے کی کوشش کی۔

شروع شروع میں ان کے چند سردارں پر حکومت کی مصالحانہ پالیسی کا مثبت اثر ہوا اور وہ بغاوت کی تحریک سے الگ ہوگئے۔ لیکن آہستہ آہستہ یہ آگ دیگر علاقوں تک پھیلتی گئی۔ ۱۸۹۱ء تک ہزارہ قبائل کی حکومت کے خلاف بغاوت ایک عمومی شکل اختیار کرگئی۔ اب امیر عبدالرحمن اسے پوری قوت سے پامال کرنے پر اُتر آیا اسکے افسران زبردست لاؤلشکر کے ساتھ ہزارہ جات پر ٹوٹ پڑے مگر ہزارے آسانی سے زیر ہونے والے نہ تھے۔ انہوں نے سرکاری افواج نے بہترین کمانڈر عبدالقدوس خان کو ،،کرنل چورہ،، کے مقام پر شکست فاش دی۔ پھر بریگیڈ ئیر زبردست خان کی قیادت میں آنے والی سرکاری فوج کا بھی یہی انجام ہوا۔ امیر عبدالرحمن کے قریبی معاون جنرل میر عطا محمد اور جنرل شیر محمد خان معرکوں میں شدید زخمی ہوکر واپس لوٹے۔

امیر نے یہ دیکھ کر بڑے پیمانے پر تیاریاں شروع کیں۔ اس نے عوامی قوت کو پشت پر رکھنے کے لئے اس جنگ کو مذہبی جنگ کا رنگ دینے کی کوشش کی۔ یوں افغانستان میں شیعہ سُنی منافرت اتنی بڑھ گئی کہ دونوں میں سے ہر فریق دوسرے کو نیست ونابود کرنے پر تل گیا۔

۱۸۹۱ء میں شروع ہونے والی یہ جنگیں ۱۸۹۲ء میں سرکاری افواج کی کامیابی پر انجام پذیر ہوئیں۔ امیر عبدالرحمن نے ہزارہ جات کی قوت کو بالکل تہس نہس کرکے رکھ دیا۔ اور بامیاں سمیت ان تمام دُور درز علاقوں میں جہاں ہزارہ آباد تھے اپنی طاقت ودہشت کا سکہ بٹھادیا۔ انہیں ملکی قوانین کا پوری طرح پابند بنادیا ان پر معاشی واقتصادی پابندیاں عائد کردیں جو پہلے کبھی ان پر لاگو نہیں تھیں۔ جیسے چراگاہوں کی تحدید وغیرہ۔

شورش کے خاتمے کے کچھ عرصے بعد امیر نے ہزارہ جات کے مطیع فرمان ہو جانے والے سرداروں اور مذہبی رہنماؤں سے فراخدلانہ سلوک کیا۔ ہزارہ لڑکیوں کو باندیوں کی طرح دوسرے ممالک میں بھیجنے کا کاروبار ایک عرصے سے جاری تھا۔ امیر نے اس پر پابندی لگادی۔

امیر عبدالرحمن خان کا سب سے بڑا کارنامہ کافرستان کو فتح کر کے مشرف بہ اسلام کرنا ہے۔ افغانستان کے شمال مشرق میں واقع ،،نورستان،، کا صوبہ بلند و بالا برف پوش پہاڑوں اور دشوار گذار راستوں کے باعث صدیوں سے اس پر حملہ کے لئے نا قابل تسخیر ثابت ہوتا چلا آیا تھا۔ اس علاقے کا قدیم نام،، بولر،، تھا جبکہ اسلامی دور میں اسے،، کافرستان،، کہا جاتا تھا۔ یہ ایک بہت وسیع سرزمین تھی۔ جس میں گلگت اور چترال بھی شامل تھا۔ بعد میں برطانوی استعمار نے گلگت اور چترال کو اس سے جدا کر دیا یہاں کے لوگ ہزاروں برس سے بت پرستی میں مبتلا تھے۔ ان کے رہن سہن، تہذیب وثقافت اور زبان پر بیرونی دنیا کا کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ تیمور لنگ اور بابر جیسے فاتحین بھی اسے فتح کرنے سے عاجز رہے تھے۔

امیر عبدالرحمن نے نورستان کو زیر نگین کرنے کے لئے ۱۸۹۱ء میں پہلی کوشش کی تھی۔ اور اپنے نمائندوں کے زریعے اس آزاد دنیا کو کابل سے متعلق ہو جانے کی دعوت دی تھی۔ نورستان کے لوگ اس کے بعد دربار کابل میں رسمی طور پر آنے جانے لگے تھے ۱۸۹۲ء میں امیر ننگرہار کے والی سپہ سالار غلام حیدر خان چرخی کو باقاعدہ فوج لے کر نورستان جانے کا حکم دیا۔ اس نے قبل غلام حیدر چرخی نورستان کی فتح کے لئے بڑی حکمت اور تدبیر سے کام شروع کر چکا تھا۔ امیر عبدالرحمن کی سخت گیری کے برعکس وہ نرم خوئی اور حُسن سلوک سے ان کے دل جیت رہا تھا۔ اس نے نورستان کے عمائد کو اسلام کی دعوت دینا بھی شروع کر دی تھی۔ اور ان کے کئی خاندان مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔

امیر عبدالرحمن کی جانب سے فوج کشی کا حکم ملنے کے بعد بھی غلام حیدر چرخی نے بڑی سمجھ بوجھ سے کام لیا۔ اور پہلے نورستان کے عمائد کو اعتماد میں لے کر سمجھایا کہ ہماری فوج صرف بدخشان اور نورستان کے درمیان راستہ کھولنے اور محفوظ کرنے کے لئے آ رہی ہے۔ اس کے بعد جب غلام حیدر خان اپنے چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ نورستان پہنچا تو اسے راستے کھلے ملے۔ صرف بعض مقامات پر کچھ قبائل نے مزاحمت کی۔ یہ لوگ صرف نیزوں

اور تیروں سے مسلح تھے۔ سپہ سالار نے انہیں جلد ہی زیر کر لیا۔

سرکاری عملداری قائم ہو جانے کے بعد اس علاقے کا نام ،،کافرستان،، سے بدل کر ،،نورستان،، رکھ دیا گیا۔ کیونکہ اب یہاں تیزی سے اسلام کا نور پھیل رہا تھا۔ سپہ سالار غلام حیدر نے شروع میں اسی مبلغین یہاں پر متعین کر دئے۔ جن کی تعداد بعد میں بڑھتی چلی گئی۔ آج کا نورستان افغانستان میں مسلمان آبادی رکھنے والا صوبہ ہے جہاں علماء مشائخ کی تعداد بھی کافی ہے۔ غلام حیدر خان یہ کارنامہ صرف آٹھ ماہ کی قلیل مدت میں ممکن کر کے دکھایا جو اُس کے لئے اور امیر عبدالرحمٰن کیلئے صدقۂ جاریہ ہے۔

برطانیہ سے دو بڑی جنگوں کے بعد مسلمانان افغانستان اور انگریزوں کے درمیان دشمنی کی بنیادیں مستحکم ہو چکی تھیں۔ برطانیہ ہر صورت میں افغانستان کو محکوم دیکھنا چاہتا تھا۔ جبکہ افغانستان کے مسلمان اسکا تسلط برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ امیر عبدالرحمٰن انگریز کو دُشمن سمجھے کے باجود اس کے سامنے خم ٹھونک کر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا اور ہر مسئلے کو مذاکرات کے ذریعے حل کرنا چاہتا تھا جبکہ مذاکرات کی میز پر استعماری طاقتیں بازی جیتتی آئی ہیں۔ انگریز کے اشارے پر بعض مسلّح قبائلی افغانستان میں مداخلت اور لوٹ مار کرنے لگے۔ برطانیہ کے ایجنٹ انہیں مطمئن کرے کہ یہ کاروائیاں انگریزوں کے ایجنٹ عبدالرحمٰن کے خلاف ہیں۔ امیر کو پتہ چل گیا کہ اس میں برطانیہ کا ہاتھ ہے مگر رسمی حتجاج کے سوا کچھ نہ کر سکا۔

امیر نے اس کے مقابلے کے لئے جہاد پر کتابچے تقسیم کروائے اور جھوٹ کے خلاف مجاہدانہ کردار ادا کرنا چاہا۔

انگریز جب اُسے قبائل سے بدظن کر چکے تو قبائل کے خلاف لشکر کشی شروع کر دی۔ یوسفزئی قبیلہ کئی سال تک لڑنے کے بعد انگریزوں کا مطیع ہو گیا۔ اگلی مہم گلگت اور چترال کے خلاف تھی۔ وہ لوگ پسماندہ تھے۔ اس لئے جلد مغلوب ہو گئے۔ وانا میں امیر کا متعین کردہ افسر گل محمد خان اپنی فوج کے ساتھ موجود تھا۔ مگر امیر نے اسے پسپائی کا حکم دیا اور وانا پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ کرّم کے عمائد نے امیر کو کہلا بھیجا کہ ہم افغانستان سے ملحق ہونا چاہتے ہیں۔ ہمیں افغانستان سے ملحق کیجئے۔ مگر عبدالرحمٰن نے کہلا بھیجا کہ معاہدہ گنڈمک کے تحت آپ انگریزوں کے تحت ہیں۔ اگر آزاد ہونا ہے تو خود کوشش کر لیجئے۔ خاران کا رئیس نوروز خان ایک عرصے تک افغانستان میں شمولیت کا اعلان کر کے برطانوی افواج سے برسرِ پیکار رہا۔ مگر عبدالرحمٰن نے اس کی کوئی مدد نہ کی

معاہدہ ڈیورنڈ

سرحدی قبائل کی شکست کے بعد اور امیر عبدالرحمن کو ان مخلص مسلمانون سے بدظن کر کے انگریز نے قبائل کی بیرونی اعانت کے تمام راستے بند کر دئے تھے۔ اور انہیں زبر کر کے امیر کو قبائل کی آہنی دیوار سے محروم کر رہا تھا۔ اب جبکہ راستہ صاف ہو چکا تھا۔ برطانیہ نے نہایت ڈھٹائی کے ساتھ افغانستان پر حملے کا فیصلہ کر لیا حالانکہ اس کے حاکم کو وہ چند تک اپنا دوست اور حلیف قرار دیتا ۱۸۹۲ء میں سفارتی تعلقات بالکل ختم ہو گئے۔ برطانیہ نے افغانستان کو اسلحہ کی فراہمی پر پابندی لگادی۔ اور افغان ٹرانزٹ کو بالکل بند کر دیا۔ ۱۸۹۳ء میں برطانیہ نے اپنی ٹڈی دل افواج کو افغانستان پر حملے کا حکم دے دیا۔

امیر عبدالرحمن نے انگریزوں کی پیش قدمی کی اطلاع پا کر افغان فوج اور رضا کاروں کو مقابلے کے لئے تیار ہو جانے کی ہدایت کی۔ چند دنوں میں ایک لاکھ افراد پر مشتمل لشکر جمع ہو گیا۔ یہ لشکر کابل کے باہر سیاہ سنگ کے میدان میں آکر ٹھہر۔ اس وقت یوں معلوم ہوتا تھا۔ جیسے پورا افغانستان انگریزوں سے لڑنے کے لئے نکل آیا ہے۔ برطانوی افسران کو افغانوں کی ان تیاریوں کی اطلاع ملی تو انہوں نے پیش قدمی روک دی۔ اور پندرہ افسران کا ایک وفد امیر عبدالرحمن سے مذاکرات کے لئے روانہ کر دیا۔ اس ووقت برطانوی استعمار کے سامنے تھوڑی سی جرات کا مظاہرہ کر کے امیر عبدالرحمن نے اپنی پوزیشن مضبوط کر لی تھی۔ اور اگر وہ مذاکرات میں بھی مدبرانہ آن بان اور فہم وفراست کا ثبوت دیتا تو یقیناً انگریزوں کو افغانستان کے بارے میں اپنے موقف سے پسپائی اختیار کرنا پڑتی۔ مگر افسوس کہ مذاکرات کی میز پر ایک بار پھر فرنگ کے بازی گروں نے بازی جیت لی۔

مذاکرات کیلئے ایک انگریز افسران مارٹیمر ڈیورنڈ ایک وفد کے ساتھ کابل پہنچا۔ جہاں اس نے چالیس دن تک قیام کیا۔ ڈیورنڈ نے افغان حکام کو برطانیہ کی قوت وسطوت سے خوفزدہ محسوس کیا۔ تو ڈٹ کر مطالبہ کیا کہ یا تو افغان کی سرحدوں کی تشکیل نو کے لئے برطانیہ کی تجاویز کو من وعن قبول کر لیا جائے یا تمام دوستانہ وسفارتی مراسم ختم کر دئے جائیں۔ اس نے یہ کہا کہ برطانوی لشکر سرحدوں پر جمع ہے جو کسی بھی وقت حملہ کر سکتا ہے پھر اس کے نتائج بھیانک ہوں گے۔ امیر عبدالرحمن نے مسئلے پر گہرائی سے غور کئے بغیر طے کیا کہ انگریزوں کے مطالبات مان لئے جائیں وہ جانتا تھا کہ اس کی حکومت انگریزوں کے سہارے وجود میں آئی ہے انگریزوں سے ناطہ ٹوٹنے

کے بعد وہ افغان عوام کے رحم وکرم پر ہوگا جو اسے کبھی معاف نہیں کریں گے۔اس نے شخصی اقتدار کو طول دینے کے لئے افغانستان کے خاصے بڑے حصے سے محرومی قبول کرلی اور رسوائے زمانہ معائدہ ڈیورنڈ پر ۱۸۹۳ء میں دستخط کردئے وہ اپنی خودزشت سوانح،، تاج التواریخ،، میں لکھتا ہے۔واخان،اور کافرستان ملک مہمند کا ایک حصہ لال پورہ اور وزیرستان کا کچھ حصہ میری مملکت کا حصہ رہے گا۔اور میں دوستانہ طور پر وزیرستان کے بقیہ حصے بلند خیل،کرم پہ آفریدی،باجوڑ،سوات،بونیر،دیر چلاس اور چترال کو چھوڑ دوں گا۔اس طرح عیار ومکار ڈیورنڈ نے عبدالرحمن سے ایک ایسے معاہدے پر دستخط لے لئے جو مسلمانو کے لئے سراسر گھاٹے کا سودا تھا۔یہ دن افغانستان اور قبائلی علاقہ جات کے غیور مسلمانوں کے لئے سوگ کا دن تھا۔کیونکہ ہزاروں مربع کلومیٹر پر پھیلے ہوئے کوہ ودمن کسی جنگ کے بغیر اسلامی عملداری سے نکل کر کفار کے ہاتھ لگ گئے تھے۔

اس معاہدے نے قبائلی علاقہ جات کو دوٹکڑوں میں بانٹ کران کی صدیوں کی محنت کو پارہ پارہ کرڈالا۔یہ ڈیورنڈ لائن تقسیم ہند کے بعد بھی برقرار رہی۔جس طرح انگریزوں نے کشمیر کے مسئلے کو الجھا کر پاکستان کے لئے ایک خطرناک سرحدی مسئلہ بنادیا۔اسی طرح ڈیورنڈ لائن بھی پاکستان اور افغانستان میں تنازعات کی بنیاد رہی ہے۔

امیر عبدالرحمن چونکہ روس میں جلاوطنی کے دن گزارنے پر روس کا ممنون احسان تھا۔مگر ایشیاء کے مسلمانوں کو روس کے پنجے میں بلبلاتا دیکھنے کے بعد وہ برطانیہ ہی سے دوستی برقرار رکھنے کو ترجیح دیتا تھا۔اس کے اس جھکاؤ کے باعث روس نے کئی دفعہ افغان سرحدوں پر فوج کشی کی اور امیر عبدالرحمن نے بمشکل اپنا دفاع کیا۔۱۸۸۴ء میں دریائے آمو کے کیارے،،پنجدہ،،کی چوکی پر خونریز جھڑپیں ہوئیں ۱۸۸۷ء میں روس نے دریائے آمو کو عبور کر کے خواجہ صالح اور نواحی قصبات پر قبضہ کرلیا۔واخان کی پٹی پر بھی روس کا دعوی رہا ۱۸۹۲ء میں روسی افواج بدخشاں کے قریب پاہر کی سطح مرتفع قابض ہوگئیں۔اب امیر عبدالرحمن نے بار بار مذاکرات کی کوشش کی مگر روسی ہٹ دھرمی ہمیشہ اڑے آتی رہی۔آخر کار برطانیہ کے توسط سے ۱۸۹۶ء میں روس سے ایک معاہدہ ہوا جس کے تحت شمال مشرقی میں تقسیم ہوگئی۔جبکہ دریائے آمو کو شمال میں حتمی سرحد مان لیا گیا اس طرح افغانستان دریائے آمو کے اپنے کئی علاقوں سے محروم ہوگیا۔

معاہدہ ڈیورنڈ اور روس سے معاہدے کے بعد امیر عبدالرحمن کی رہی سہی ساکھ بھی جاتی رہی اس نے ایک بار پھر

جہاد کا نام لیکر عوام کی پیٹھ تھپکی اور جہادی لٹریچر کی اشاعت سے اپنا وقار بحال کرنے کوشش کی مگر دھوکہ ہر بار نہیں چلتا وہ ۱۹۰۱ء میں شدید بیمار پڑ گیا۔ آخر کار ۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۱۰ھ کو چپ چاپ بعارضہ فالج دنیا سے گزر گیا بغاوت کے خوف سے تین دن تک یہ خبر خفیہ رکھی گئی۔

۱۸۸۵ء میں امیر عبدالرحمٰن نے وائسرائے ہند لارڈ ڈفرن کی دعوت پر بمقام راولپنڈی اس سے ملاقات کی انہی دنوں روسیوں نے جل کر پنجدہ پر حملہ اور قبضہ کیا اور وائسرائے ہند خود امیر کو اس کی خبر دی انگریزوں نے امیر کا بارہ لاکھ روپے سالانہ وظیفہ مقرر کیا ملکہ وکٹوریہ نے معاہدہ ڈیورنڈ کے بعد پھر عبدالرحمٰن کو دورہ انگلستان کی دعوت دی مگر امیر بہ سبب علالت نہ جاسکا اور اپنے بیٹے شہزادہ نصر اللہ خان کو انگلستان بھیجا جس کا ہر جگہ بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا گیا۔ امیر عبدالرحمٰن کا شہزادہ کو بھیجنے سے ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ ملکہ انگلستان اپنے ملک میں افغانستان کے نمائندے کو قیام کی اجازت دے دے تاکہ براہ راست برطانوی حکومت سے روابط کیونکہ حکومت ہند کے ذریعے بعض اوقات رابطوں کے سبب غلط فہمیاں پیدا ہوئیں مگر انگریز ایک مغلوب بادشاہ کو کب منہ لگاتے تھے لہذا اس امر میں شہزادہ کو ناکامی ہوئی ۱۸۹۵ء میں امیر کو اپنی قوم کی طرف سے ضیاؤلملت والدّین کا خطاب دیا گیا۔

امیر حبیب اللہ خان (۱۹۰۱ء، ۱۹۱۹ء)

امیر عبدالرحمٰن کی وفات پر اس کا بیٹا حبیب اللہ خان تخت نشین ہوا۔ اس کے سکّوں پر سراج املّت ،، الدین ،، کا لقب پایا جاتا ہے۔ اس نے اٹھارہ سال حکومت کی۔ وہ بنیادی طور پر اپنے باپ کی پالیسوں سے اختلاف رکھتا تھا مگر اس کے افغان عوام نے اس کی تخت نشینی کو نیک شگون تصور کیا وہ خوش قسمت تھا کہ اسے ایک مستحکم حکومت ملی تھی۔ روس اور برطانیہ سے امن معاہدوں کے بعد بیرونی خطرات بھی نہیں تھے۔ چنانچہ حبیب اللہ خان ان بہترین مواقع سے فائدہ اٹھا کر ایک مثالی حکمران بن سکتا تھا۔ اس کے دور حکومت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

دور اول میں اس نے اپنے باپ کی پالیسوں کے برعکس رعایا پروری میں غیر معمولی کشادہ دلی کا مظاہرہ کیا۔ اور ایک پختہ فکر مسلمان حکمران کی حیثیت سے عالم اسلام میں شہرت حاصل کی۔ اس نے برسر اقتدار آتے ہی شریعت

اسلامیہ کی پابندی کا اعلان کیا۔اس سے قبل اس کے نکاح میں پانچ بیویاں تھیں ۔اس نے چار کو طلاق دے کر ایک بیوی کو اپنے پاس رکھا۔کابل شہر میں ایک محلہ گانے بجانے والی عورتوں کا تھا۔جہاں عیاش لوگوں کا جمگھٹا رہتا تھا۔امیر نے ان سب عورتوں کو توبہ تائب کروا کے مختلف علاقوں میں منتشر کر دیا۔جو خواتین پر پردے کی پابندی اس طور سے لازم قرار دی کہ وہ صرف ایک بڑی خاکی چادر اوڑھ کر باہر نکلیں اور شوخ اور رنگ برنگے برقعوں سے اجتناب کریں۔افغانستان میں مقیم ہندوؤں کو پابند کیا گیا کہ ان کے مرد زرد پگڑیاں باندھیں اور عورتیں زرد برقعہ لازماً استعمال کریں تا کہ مسلمانون سے ان کا امتیاز ہو سکے۔قبروں اور مزاروں کے کتبوں میں قرانی آیات کی بے حرمتی کا خیال کرتے ہوئے حکم دیا کہ ایسے تمام کتبے اور منقش پتھر اکھاڑ لئے جائیں۔

امیر حبیب اللہ جگہ جگہ دینی مدارس اور عصری تعلیم کے سکول اور کالج کھلوائے صرف کابل میں حفظ قرآن کے گیارہ مدرسے بنوائے جن میں تین سے چھ سال کے دورانیے میں قرآن حفظ کرا دیا جاتا تھا۔عوام کو خوش کرنے کے لئے امیر نے قید خانوں کے دروازے کھول دئے اور بے شمار مرد و زن رہا کر دئے ان میں سے کئی الزام یا مقدمے کے اندراج کے بغیر قید تھے انہیں بھی رہائی دے دی گئی باقیوں کی اکثریت کو تحقیق و تفتیش اور مختصر عدالتی کاروائی کے بعد آزادی مل گئی۔

انصاف اور رحم دلی کے اس مظاہرے پر افغان عوام حبیب اللہ خان کے گرویدہ ہو گئے وہ ابتدائی سالوں میں رعایا کا دل جیتنے میں ہر ممکن کوشش کرتا رہا۔وہ رمضان میں ہر شام غریبوں کی دعوت افطار کا اہتمام کرتا رہا۔دعوت کے لئے شاہی محل کے باغ میں دسترخوان بچھا دیا جاتا اور ہزاروں آدمی روزانہ دسترخوان پر بیٹھتے۔

افغان جدید علوم کے سلسلے میں ایک صدی پیچھے تھے۔امیر حبیب اللہ نے ۱۹۰۳ء میں مکتب حبیبیہ نام سے ایک جدید سکول کھولا جس میں دینیات،تاریخ،جغرافیہ،ریاضی۔حکمت،کیمسٹری،فزکس اور انگریزی کی تعلیم دی جاتی تھی ۱۹۰۹ء میں امیر نے افغانستان کا پہلا عربی سکول مکتب عربیہ کے نام سے قائم کیا جس میں قرآن مجید خوش نویسی،ریاضی،جغرافیہ،تاریخ اسلام۔صرف و نحو جدید سائنس کے علاوہ عسکری امور کی نظری تعلیم (Theory) اور عملی تربیت دی جاتی تھی۔پیدل فوج گھڑ سواری۔توپ خانے،جاسوسی اور جسمانی ریاضت کو باقاعدہ الگ الگ مضامین کے طور پر پڑھایا جاتا تھا۔

امیر حبیب اللہ نے تجارتی و صنعتی طور پر ملک کو ترقی دینے کی خاطر کئی اہم اقدامات کیئے۔ اس کے دور میں افغانستان پہلی بار موٹر کار سے آشنا ہوا بمبی سے خریدی ہوئی موٹریں کابل کی سڑکوں پر نظر آنے لگیں اور کابل میں ایک جدید طرز کے ہسپتال کا آغاز ہوا۔

امیر حبیب اللہ نے اپنے والد اور انگریزوں کے درمیان کیئے گئے معاہدوں کی توثیق کی وائسرائے ہند کے دربار میں افغانی حکومت کا ایک نمائندہ بطور سفیر مقرر ہوا ۱۹۰۷ء میں انگریزوں کی دعوت پر امیر حبیب اللہ خان ہندوستان آیا اور وائسرائے ہند لارڈ منٹو سے ملاقات کی اس موقعہ پر انگریزوں نے امیر کی بہت عزت افزائی کی اور اسے ہز مجسٹی کا خطاب دیا۔ اس سیاحت کے دوران امیر حبیب اللہ نے علی گڑھ مسلم کالج کا بھی دورہ کیا اور یونیورسٹی یا کالج کو پچاس ہزار روپے کا چندہ دیا امیر حبیب اللہ کا دوسرا دورہ تھا جس میں اپنی بے پناہ مقبولیت کے باعث وہ غرور و تکبر کا شکار ہو گیا۔ وہ خود کو خدا کا نائب اور مسئولیت سے آزاد تصور کرنے لگا۔ اس نے خود کو شرعی احکام سے بھی آزاد سمجھ لیا اور حرم سرا میں درجنوں عورتیں بھر دیں اور تمام امور سلطنت اپنے نائبین کے حوالے کر کے خود عیش و عشرت میں پڑ گیا۔ امیر کی بے فکری کے باعث ان کی نائبین کو پوچھ گچھ کا ڈر نہ رہا نتیجتاً حکام کی جانب سے عوام پر بے پناہ دست درازیاں بڑھ گئیں۔ ٹیکس بڑھنے لگے اور مہنگائی انتہا کو پہنچ گئی۔ امن و امان تہہ و بالا ہو گیا ۱۹۱۲ء میں قندھار اور پکتیکا سے طاقتور سردار امیر کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر ان شورشوں کو دبا دیا گیا۔ بہر حال اس سے ظاہر ہوا کہ امیر کی عوامی مقبولیت ختم ہوتی جا رہی تھی۔ امیر نے ،،سراج لتواریخ،، لکھوئی۔

امیر حبیب اللہ دربار کی شان و شوکت کو بہت اہمیت دیتا تھا۔ انگریزوں سے متاثر ہونے کے باعث اس نے انگریزی لباس مقرر کیا۔ جو لازمی تھا۔ مگر عوامی سطح پر اس اقدام سے دربار کی اہمیت اور کم ہو گئی۔

سلطنت کے مرکزی عہدے کچھ یوں تھے۔ ''نائب سلطنت'' ولی عہد سمجھا جاتا تھا۔ یہ اعزاز امیر کے بھائی نصر اللہ خان کو حاصل تھا۔ امیر کے بڑے بیٹے عنایت اللہ خان کو معین اسلطنت اور منجھلے بیٹے امان اللہ خان کو معین الدولہ کہا جاتا تھا۔ ہر صوبے کے گورنر کا تقرر خود کرتا تھا۔ گورنر کو نائب الحکومت کہتے تھے۔ ہر ضلع کا کمشنر حاکم کہلاتا تھا۔ اس کا تقرر نائب اسلطنت کرتا تھا۔ معین اسلطنت کا کام شرعی فیصلوں کے لئے فقہاء کا تقرر کرنا تھا۔

فوجی بھرتی کی ذمہ داریاں معین الدولہ کے سپرد تھیں۔

نصر اللہ خان انگریزوں کا سخت مخالف تھی۔ یہی رُجحان معین الدولہ شہزادہ امان اللہ خان کا تھا۔ یہ دونوں چچا بھتیجے حبیب اللہ خان کی پالیسوں سے خاصا اختلاف رکھتے تھے۔ ان کے ساتھیوں میں سردار محمود طرزی بھی شامل تھا۔ امیر نے سراج،، الاخبار،، کے نام سے پہلا فارسی و پشتو اخبار جاری کیا۔

اگر چہ انگریزوں کے ساتھ حبیب اللہ خان کا طرز عمل دوستانہ تھا۔ مگر بعض معاملات میں اس نے سابق حکمرانوں سے زیادہ پختہ کرداری کا مظاہرہ کیا مثلاً جب لارڈ کرزن وائسرائے ھند نے سابق حکمران امیر عبدالرحمٰن سے معاہدے کو ایک ذاتی نوعیت کا معاہدہ قرار دیتے ہوئے حکومت افغانستان کو از سر نو معاہدے کی پیش کش کی۔ تو حبیب اللہ خان نے اس نئی چال میں پھنسنے سے صاف انکار کر دیا۔ پھر جب انگریز افغانستان کو ہندوستان سے ملانے کے لئے ریلوے لائن بچھانے کا منصوبہ لے کر آئے تو امیر حبیب اللہ خان جدت پسند ہونے کے باوجود اس کے پس پردہ انگریزوں کے گھناؤنے عزائم کو بھانپ لیا۔ اور ریلوے لائن کی اجازت نہ دی۔ انگریزوں نے یہ دیکھ کر نرم پالیسی اختیار کر لی۔ اور ۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن کے نمائندے نے کابل آ کے ایک اجمالی بیان پر دستخط کر کے سابق معاہدے کی تجدید کی۔ اسی معاہدے کا پاس کرتے ہوئے حبیب اللہ خان نے جنگ عظیم اول شروع ہونے پر وائسرائے کے مکتوب کے جواب میں تحریر کیا تھا۔ افغانستان کی حکومت جناب کے دوستانہ مشورے کے مطابق انشاء اللہ وفادار رہے گی۔

حبیب اللہ خان کا انیس سالہ دور عالمی حالات کے لحاظ سے انقلابات کا دور تھا۔ اسی دور میں ترکی کی خلافت پر یورپ نے آخری ضرب لگائی۔ اور دنیا خون میں نہا گئی۔ حبیب اللہ خان کے آخری دو سالوں میں روس میں انقلاب رونما ہوا اور اس کے اثرات براہ راست افغانستان پر پڑنے لگے۔

امیر حبیب اللہ کی انگریز نوازی نے بہت سے محب وطن افراد کو اس کا مخالف بنا دیا۔ یہ مخالفین حکومتی اداروں میں موجود تھے۔ چنانچہ اسے تخت سے ہٹانے کے لئے بعض خفیہ ایجنسیاں وجود میں آئیں۔ امیر کے دور میں انگریزوں کے لئے کام کرنے والے ضمیر فروش مسلمانوں کی کثرت ہوگئی تھی۔ انگریزوں کے خود کاشتہ پودے مرزا غلام احمد قادیانی کے مبلغین بھی اب افغانستان میں داخل ہو چکے تھے۔ ان میں سے ایک گماشتہ صاحبزادہ

عبداللطیف اتنا با اثر ہوگیا تھا کہ سرحدی معاملات اس کی رائے کے بغیر طے نہیں ہوتے تھے۔ جوں ہی افغان حکام کو ان کی اصلیت اور بدعقیدگی کا علم ہوا۔ انہوں نے شرعی عدالت میں مقدمہ چلا کر ایسے رجالوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ صاحبزادہ عبداللطیف کو اس کے رعب اور اثر ورسوخ کے باوجود ارتداد کی سزا میں قتل کر دیا گیا۔

یہی حال ملا نعمت اللہ کا ہوا۔ امیر حبیب اللہ نے پہلی بار ملک میں انگریزی طریقہ علاج کو رواج دیا مگر اس کے بھیس میں بھی انگریزوں کے جاسوس کام کرنے لگے تھے۔ خود امیر کا معالج خاص انگریزوں کا ایجنٹ تھا۔ اس نے امیر کو ایسی دوائیں کھلائیں جس سے اس کی قوت مزاحمت رفتہ رفتہ جواب دیتی گئی۔

امیر حبیب اللہ کے آخری چند سالوں میں عالم اسلام کے خلاف یہود وانصاری کی سازشیں تیزی سے بڑھ گئی تھیں۔ برطانیہ خلافت اسلامی کے خاتمے پر تل گیا تھا۔ اٹلی نے افریقہ میں لیبیاء پر حملہ کیا۔ کئی ماہ کی جنگ میں سارا یورپ اٹلی کی پشت پر رہا خلیفۃ المسلمین کو کسی اسلامی ملک سے امداد نہ ملی ۱۹۱۲ء میں طرابلس خلافت اسلامیہ کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ستمبر ۱۹۱۳ء میں یورپی طاقتوں نے بلقان کے وسیع وعریض خطے کو ترکی سے چھین کر کئی آزاد ریاستوں میں تقسیم کر دیا۔ یورپی مقبوضات میں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہادی گئیں۔

۱۹۱۴ء یورپ کی پہلی جنگ اعظیم چھڑ گئی۔ ایک طرف برطانیہ اور فرانس اور دوسری طرف خلیفۃ المسلمین تھے۔ افغانستان کے بعض سرکردہ امراء ترکی کی حمایت اور امداد کے بارے میں بہت پر جوش تھے۔ انہی دنوں ایک ترک جرمن وفد ایران کی راہ سے انگریزوں اور روسیوں سے بچتا بچاتا ہرات پہنچا اور امیر حبیب اللہ کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی تا کہ انگریز کی ہندوستانی فوجیں ترکوں پر زیادہ دباؤ نہ ڈال سکیں۔ مگر وائسرائے ہند نے امیر کو چار کروڑ روپے دئے تھے۔ اس لئے وہ گومگو کی کیفیت میں رہا۔ اسی زمانے میں دیوبند کے پر جوش اور انقلابی عالم مولانا عبداللہ سندھی بھی کابل پہنچے تا کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کا آغاز کیا جائے مگر امیر حبیب اللہ نے سب کو دو سال ۱۹۱۸ء کے بعد کورا جواب دیا اور ترک جرمن وفد کو اپنے ملک سے نکال دیا۔ آخر ۱۹۱۷ء میں سقوط بصرہ کے بعد ترکوں کی کمر ہمت ٹوٹ گئی تھی۔

۱۹۱۹ء کے آغاز میں امیر حبیب اللہ لغمان کی شکار گاہ میں شکار کھیلنے کے دوران اپنے خیمے میں کسی شخص کے پستول سے مارا گیا۔

غازی امیر امان اللہ خان (۱۹۱۹ء،۱۹۲۹ء)

امیر حبیب اللہ کے قتل پر اس کے ساتھی سرداروں نے اس کے بھائی نصر اللہ خان کی امارت کا اعلان کیا۔ پھر اس کے بڑے بیٹے عنایت اللہ خان کی امارت کا بھی اعلان ہوا۔ مگر حاکم کابل اور امیر مقتول کے دوسرے بیٹے امان اللہ خان کا حلقہ اثر مضبوط تھا اسلئے نصر اللہ خان اور عنایت اللہ خان دونوں امان اللہ خان کے حق میں دستبردار ہوگئے۔ اور سب نے امان اللہ خان کی بیعت کی۔ انگریزوں کی ترغیبات کے باوجود چچا بھتیجے نے انگریزوں کی پناہ طلب نہیں کی اور امان اللہ خان نے چند ماہ تک قید رکھنے کے بعد ان دونوں کو رہا کر دیا۔

امان اللہ خان نے تخت پر بیٹھتے ہی برطانوی حکومت کو اس مضمون کا مراسلہ بھیجا کہ آج سے افغانستان خود کو برطانیہ کے اثر سے آزاد کرنے کا علان کرتا ہے۔ اور اپنی داخلی اور خارجی پالیساں طے کرنے کے لئے معاملے میں پوری طرح آزاد ہے۔ لہٰذا حکومت برطانیہ کو چاہئے کہ افغانستان کو ایک مستقل اور آزاد ملک تسلیم کر کے اس کے ساتھ نئی بنیادوں پر سیاسی تعلقات قائم کرے۔ اس وقت ہندوستان میں رولٹ ایکٹ کے نفاذ کے باعث شورش پھیلی ہوئی تھی۔ برطانوی حکومت نے امیر کے اس مطالبے کو ماننے سے انکار کر دیا۔ جس پر امیر نے انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ ۲ مئی ۱۹۱۹ء کو انگریزوں نے بھی افغانستان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

درۂ خیبر کے سرحدی نقطہ،، چہار باغ،، کے مقام پر دو کمپنیوں پر مشتمل ایک افغانی دستہ پر انگریزی فوج نے حملہ کر کے لڑائی چھیڑ دی اس سے پہلے ہندوستانی فوج نے افغان علاقے میں واقع ایک پہاڑی پر واٹر ورکس بنادیا تھا۔ جس پر افغان جنرل صالح محمد خان نے آکر قبضہ کر لیا۔ اس پر ایک برطانوی طیارہ افغانی فضا میں اُڑنے لگا۔ جس پر افغانوں نے گولیاں چلائیں۔ بعد میں میدان کارزار گرم ہوگیا۔ تین گھنٹے کی جنگ میں افغانوں کا دستہ شکست کھا کر جلال آباد کی طرف پسپا ہوا۔ جنرل صالح محمد خان زخمی ہوگئے۔ بقول بہادر شاہ ظفر کاکاخیل وہ ایک سازش کے تحت پیچھے ہٹ گئے اور انگریزی افواج نے تیرہ میل آگے بڑھ کر ڈکہ پر قبضہ کر لیا۔ یہاں افغان فوج نے مورچے قائم کر کے انگریزی فوج کو روکا۔

برطانوی طیاروں نے کابل اور جلال آباد پر بمباری کی۔ ادھر سے افغان سپہ سالار جنرل نادر خان نے درۂ توچی

میں اُتر کر تھل پر حملہ کیا اور، تھل کی چھاونی ۳۱ مئی کو سر کر لی۔ انگریزوں نے چمن کے بالمقابل چار میل کے فاصلے پر واقع قصبہ سپین بولدک پر حملہ کیا۔ قلعہ کے صرف تین سو سپاہی دن بھر لڑتے رہے آخر قلعہ پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ سردار عبد القدوس خان نے فوراً پہنچ کر انگریزی حملہ روکا۔ اس کے بعد افغانوں نے ژوب کے مرکزی شہر فورٹ سنڈیمن کا محاصرہ کیا اور وزیر قبائل بھی ان سے مل گئے۔ وہاں وزیرستان میں قبائل نے امان اللہ خان کی جہاد کی دعوت پر انگریزوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے۔ مسعود اور وزیر قبائل نے وانا کے انگریزی قلعے پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ اٹھارہ ہزار انگریزی فوج منتشر ہوگئی اور بھاگ کھڑی ہوئی۔ وزیرستان میں واقع انگریزوں کی چالیس چوکیوں کو ان قبائلیوں نے چند ہی دن میں تاراج کر دیا۔ صرف مسعود قبیلے کے ہاتھوں اٹھارہ سو انگریزی بندوقیں آئیں۔ ادھر جنرل نادر خان کی فوج آگے بڑھی چلی آرہی تھی جس پر برطانوی طیارے مسلسل بمباری کرتے رہے۔ افغانوں نے انگریزوں کی دو توپیں ناکارہ بنادیں۔

آخر ڈھائی ماہ کی جنگ کے بعد برطانوی حکومت نے افغانستان کو پیغام بھیجا کہ برطانیہ افغانستان کی کامل آزادی تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے۔ ۲ جون ۱۹۱۹ء کو جنرل نادر خان کا مراسلہ انگریز جنرل ڈائر کو موصول ہوا کہ جنگ اعلیٰ حضرت بادشاہ افغانستان کے حکم سے بند کی جاتی ہے۔

اس پر امان اللہ خان نے اپنے ماموں زاد بھائی اور بہنوئی سردار علی احمد خان کی قیادت میں ایک وفد مذاکرات صلح کے لئے راولپنڈی بھیجا افغانستان کا مطالبہ استقلال تسلیم کر لیا گیا علی احمد اور سرحد کے چیف کمشنر ہلٹن گرانٹ نے صلح نامہ پر دستخط کر لئے۔ باقی تفصیلات معاہدہ مسوری ۲۰ اپریل ۱۹۲۰ء کو طے کی گئیں اس بار وفد کا سربراہ محمود طرزی تھا جو امان اللہ خان کا سسر تھا کیونکہ معاہدہ راولپنڈی میں ڈیورنڈ لائن کی توثیق پر نوجوان افغان ناراض اور سیخ پا تھے معاہدہ مسوری میں بھی افغان وفد نے ۱۹۱۹ء کے انگریز اور حبیب اللہ خان کے اس معائدے کو شامل نہ کرنے کی بہت کوشش کی جس کی رو سے حد بندی کو مان لیا گیا تھا مگر اسے اس میں کامیابی نہ ہوئی اور وہی حد بندی باقی رہی اس معاہدے کی رو سے برطانیہ نے افغانستان کو خود مختار ملک تسلیم کر لیا۔ امیر کا وظیفہ جو عبد الرحمن کے زمانے میں اٹھارہ لاکھ اور حبیب اللہ کے زمانے میں چوبیس لاکھ روپے سالانہ تھ بند کر دیا گیا۔ ہندوستان کی راہ افغانستان کے لئے اسلحہ منگوانے پر پابندی عائد کر دی گئی اس وقت سوائے افغانستان کے سطح ارضی پر کوئی

اسلامی ملک ایسا نہیں رہا تھا جو اقوام فرنگ میں سے کسی ایک کے زیر حمایت یا زیر اثر نہ ہو اور یہ سعادت افغان قوم کو حاصل ہوئی کہ جنگ عظیم کی ایک فاتح قوم برطانیہ سے اپنی آزادی کا حق تسلیم کرائے۔

امیر امان اللہ خان ایک بیدار معزز حکمران تھا۔ اس نے اپنے پسماندہ ملک میں ترقی کے لئے وہ اقدامات اختیار کئے جن سے ترک اور ایرانی مدتوں پہلے سے شناسا ہو رہے تھے۔ اس نے افغان طلبہ کو ہر شعبہ تعلیم اور فن میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے یورپ کے ملکوں میں بھیجا اس نے دستور اساسی جاری کیا اور وزیر اعظم کا عہدہ نیز پارلیمنٹ یا لویہ جرگہ کو روشناس کرایا جس میں ملک کو درپیش ہر معاملے پر بات چیت ہوتی تھی اور دو سال کے بعد اس کا اجلاس بلایا جانا طے ہوا امان اللہ خان نے ملک کو ترقی کی دوڑ میں سرپٹ دوڑانا شروع کیا وہ یورپ سے بہت متاثر تھا۔

انگریزوں سے جہاد کر کے وہ ،،غازی،، کے باوقار نام سے موسوم ہوا اس کی شہرت مقبولیت چار دانگ عالم میں پھیل گئی۔ ہندوستان کے شاعروں نے اسے خراج تحسین پیش کیا ایک شعر ایسا تھا۔

چو مسلم علم دین درزید فخرلدین رازی شد

ولے چون درعمل کوشید امان اللہ غازی شد

فروری ۱۹۲۱ء میں حکومت روس اور افغانستان کے درمیان دوستی کا معائدہ ہوا یکم مارچ ۱۹۲۱ء کو افغانستان اور ترکیہ کے درمیان بھی دوستی کا معائدہ ہوا۔ ۲۲ جون ۱۹۲۱ء کو حکومت ایران کے ساتھ بھی ایسا ہی معائدہ ہوا۔ امان اللہ خان نے فرانس، جرمنی، اطالیہ، ترکیہ اور روس میں اپنے طالب علم حصول علم کے لئے بھیجے ان ہی کی برکت سے افغانستان تھوڑے عرصے میں دوسروں کی محتاجی سے آزاد ہو گیا۔

۱۹۲۷ء تا ۱۹۲۸ء امیر امان اللہ خان نے یورپ کا سفر اختیار کیا کیونکہ وہ یورپ کی ترقی کا بچشم خود مشاہدہ کر کے اپنے ملک افغانستان کو جلد سے جلد ان کی سطح پر لانا چاہتے تھے۔ اٹلی فرانس برطانیہ جرمنی، روس ترکی اور ایران میں ہر جگہ کے حکمرانوں نے اس بطل جلیل کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ جس نے بزور شمشیر انگریزوں سے اپنے ملک کی آزادی کا حق منوایا تھا، اٹلی کے ڈکٹیٹر مسولینی نے غازی امان اللہ خان کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا فرانس میں غازی امان اللہ خان کو نپولین کے بستر پر سلایا گیا۔ جرمنی کے صدر وان ہنڈن برگ نے غازی امان اللہ خان کی

راہ میں آنکھیں بچھائیں برطانیہ کی حکومت نے بھی انتہائی خوشامد سے کام لیا اور ساتھ ہی غازی کو روس کا دورہ نہ کرنے کی ترغیب دی مگر غازی کا توجھکاؤ ہی روس کی طرف تھا۔ روس کی اشتراکی حکومت نے غازی کی آؤ بھگت کے معاملے میں برطانیہ کو مات کرنے کی سعی دکھائی۔ ترکی کے غازی مصطفیٰ کمال کے ساتھ ملاقات کر کے امیر امان اللہ خان نے اسلامی ملکوں کی ترقی اور استحکام کا ایک طویل المیعاد پروگرام طے کیا۔ ایران کے رضا شاہ پہلوی کے ساتھ بھی راز کی گفتگو ہوئی۔

آخر غازی امان اللہ خان تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد نئی اُمنگیں اور نئے ولولے لے کر ایران سے مشہد اور ہرات کی راہ سے اپنے وطن مالوف کو واپس لوٹے۔ جہاں برطانیہ کی خفیہ ریشہ دوانیوں نے ان کے خلاف سازشوں کے بہت سے جال بچھا دئے تھے۔

غازی امان اللہ خان اس سفر میں اپنی بیوی ملکہ ثریا خانم کو بھی ساتھ لے گئے۔ ملکہ ثریا ایک تعلیم یافتہ افغان خاتون تھی۔ اس نے بمبئی سے بحری جہاز کے ذریعے روانہ ہوتے وقت ہی برقعہ اتار دیا اور اس ازادی کے ساتھ سفر کیا جو فرنگستان کی عورتوں کا عام شیوہ بن چکا تھا۔ برطانوی جاسوسوں نے افغان قوم میں ملکہ کی اس حرکت کے خلاف بڑے زور کے ساتھ پروپیگنڈہ کیا۔ ملکہ کی اصلی اور زیادہ تر جعلی تصویریں جو اس کی نیم پردگی اور بے پردگی کا مظہر تھیں۔ افغانوں میں بے تماشا تقسیم کرائیں۔ اور انہیں باشا اور ملکہ کی اس حرکت کے خلاف بری طرح بھڑکایا گیا۔ افغان عوام اور مذہبی عناصر اس پر بہت مشتعل ہوئے۔ برطانوی جاسوسوں نے بعض افغان سرداروں کو مالی امداد دے کر اپنے ساتھ گانٹھ رکھا تھا۔ اب بادشاہ کو گرانے کا اشارہ دے دیا گیا۔

ادھر غازی بادشاہ نے آتے ہی اپنے ملک کو راتوں رات یورپ کا ہم پلہ بنانے اور اپنی فوج کو اہل فرنگ کے معاشرتی طور طریقے سکھانے کے پروگرام پر اندھا دھند عمل کر دیا۔ وہ دیکھ آیا تھا کہ مصطفیٰ کمال پاشا کی قوم نے اس کا اشارہ پاتے ہی اپنا لباس تبدیل کر لیا۔ ایرانی بھی محمد رضا شاہ پہلوی کی قیادت میں تیز رفتاری سے ماڈرن بن رہے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ میری قوم جو مجھے اپنا خیر خواہ ہونے کی وجہ سے محبوب سمجھتی ہے۔ میرا کہا نہ مانے۔ لیکن افغان قوم کا معاملہ ترکوں اور ایرانیوں سے یکسر مختلف تھا۔ دین و اسلامیت کے ساتھ تمسک افغانوں کی فطرت کا خاصہ بنا آرہا تھا۔ لہذا وہ فرنگی معاشرے سے اتنی محبت کے باعث اپنے بادشاہ سے بھی نفرت کرنے

لگے۔اورافغانوں کے اندر ایسے قصبے مشہور ہونے لگے کہ اسلام کا پرانا پرجوش خادم اور غازی امان اللہ خان یورپ جاکر دین سے یکسر بیگار ہوگیا ہے۔ملاؤں نے اس کی بعض غیر محتاط گفتگوؤں پر جن کی صحت کا تیقن نہیں اس کے خلاف کفر کے فتوے لگادئے۔ایک الزام یہ بھی لگایا گیا کہ بادشاہ شہروں میں گھوما مگر حج بیت اللہ اور زیارت رسول ﷺ کے لئے مکہ معظمہ ومدینہ منورہ نہ جاسکا۔بہرحال اسلامی شعائر کی اہمیت امان اللہ خان کی نظروں سے اوجھل ضرور ہوگئی تھی۔

غیر ملکی دورے پرروانہ ہونے سے قبل غازی امان اللہ خان نے اپنے وزیروں اور حاکموں کے سامنے تقریر کی تھی۔ کہ وہ ملک کو یورپ کا ہم پلہ بنانے کے لئے غیر ملکی دورے پر جارہے ہیں انہوں نے کہا تھا،، خدائے پاک کی مدد اور اپنے عوام کے تعاون نیز اس خادم دین کی کوششوں کے باعث افغانستان اپنی آزادی کے سائے میں پر سکون زندگی گذار رہا ہے۔اور زمانے کی متحرک اور زندہ قوموں کی صف میں کھڑا ہوا ہے۔آزادی اسی صورت میں قائم رہ سکتی ہے کہ ہم اس زمانے کے نمائندوں کی ترقی میں روز افزوں حصہ لیں۔تحریک اور استقلال کے گزشتہ آٹھ سالوں میں ضروری آئین وقوانین وضع ہوکر ملک میں نافذ ہوچکے ہیں۔اس کی بدولت سے ملک کے مختلف حصوں جاکر ملاحظہ کیا کہ ان قوانین پر عمل ہورہا ہے،ہم نے اندرون ملک کے لوگوں کے حالات سے آگاہی بھی حاصل کرلی ہے۔

جب ہم ملک کی اہم اصلاح اور تنظیم کے ضروری کام سے فارغ ہوئے تو بہتر سمجھا کہ ہم یورپ کا سفر کریں۔اس لئے کہ ہم یورپ کی حیات اجتماعی اور طور طریقے سے بہت متاثر ہیں۔بہتر ہوگا کہ اپنی آنکھوں سے حالات کا گہرا مشاہدہ کریں اور ان ممالک کی ان چیزوں کو جن کا وجود متمدن ملکوں کے لئے ضروری ہوتا ہے۔اپنے ملک میں بھی جاری کریں چنانچہ اکثر بڑے بادشاہوں نے دوسرے ممالک کا سفر کیا ہے۔اوران ممالک کی حالات کا مطالعہ استفادے کی غرض سے کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہم نے سفر یورپ کا ارادہ کیا ہے۔اور جس وقت ہمارے اس ارادے سے یورپ کی سلطنتوں کو آگاہی ہوئی تو انہوں نے اپنے ملک کے دورے کی دعوت دی

مطبوع اخبار ''زمیندار'' لاہور۔ ۱۱ دسمبر ۱۹۲۷ء

بادشاہ نے مزید کہا کہ،، اب ہم سفر کا ارادہ کرلیا ہے آپ کے لیے ضروری ہے کہ ملک کے انتظام وانصرام میں غور وفکر اور بہت احتیاط سے کام لیں اور کسی کو کسی پر ظلم کرنے نہ دیں۔ بدولت اور امور خارجہ کی وکالت ہمارے واپس آنے تک ولی محمد خان وزیر حربیہ کے ہاتھ میں رہے گی۔ جن احکام پر ہمارے دستخط لازمی ہوں ان کو وزیر مذکور کے سامنے پیش کیا جائے۔ روانگی کی تاریخ ابھی تو نہیں ہوئی ہے۔ ماہ قوس کے پہلے پندرھواڑے میں انشاء اللہ ہم روانہ ہوں گے۔ کابل سے قندھار اور وہاں سے چمن براستہ ممبئی یورپ کی طرف روانہ ہونگے۔ مصر سے برطانیہ پہنچیں گے اور وہاں سے یورپ کے ملکوں کی سیاحت کریں گے۔ روانگی سے پہلے ہماری یہ خواہش تھی کہ اپنی پیاری قوم سے ملیں اور ان سے رخصت لیں۔ مگر یہ بات ممکن نہیں رہی۔ ہماری نقل وحرکت کی اطلاع وزارت دربار شائع کرئے گی،، اتحاد مشرقی افغانستان،، بحوالہ اخبار زمیندار لاہور ۱۱ نومبر ۱۹۲۷ء امان اللہ خان غازی نے جنوری تا جولائی ۱۹۲۸ء یورپ کی سات ماہ تک سیاحت کی۔ برطانیہ نے بادشاہ غازی کے پرجوش استقبال کے موقعہ پر جواُسے روس کا دورہ نہ کرنے کا کہا تھا اور غازی نے نہیں مانا تھا۔ اس پر انگریز بہت برہم ہوئے اور ملک سے بادشاہ کی غیر حاضری کے دورن دیگر اندرونی سازشوں میں سے انگریزی سازشیں بھی اس کے باعث تھیں۔ بیرونی دورے سے واپسی پر غازی امان اللہ خان نے خود کو ایک تقریر میں انقلابی بادشاہ کہا اور اپنی اصلاحات کو بزور سنگین رائج کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس دورے سے ملک کے مذہبی طبقے کے بارے میں امان اللہ خان کے خیالات بھی تبدیل ہو گئے تھے۔ اور اس نے اس طبقے کے اثر ونفوذ کو کم کرنے کی کوشش کی۔ جب ۱۹۲۴ء میں سمت جنوبی کی منگل قوم کے ملا عبداللہ عرف **گوڈ ملا** (انگڑ ملا) نے بادشاہ کے نئے نظام کے نفاذ کے خلاف بغاوت کی تھی۔ تو بادشاہ نے پہلی مرتبہ تمام ملک کے نمائندوں پر مشتمل،، لویہ جرگہ،، گرینڈ اسمبلی بلایا تھا۔ اور،، نظام نامہ،، یا آئین اس کے سامنے رکھا تھا کہ وہ اس میں ترمیم کرے۔ کیونکہ علماء کے خیال میں اس نظامنانے کی بعض دفعات اسلام کے خلاف تھیں۔

یورپ سے واپسی پر غازی بادشاہ نے لویہ جرگہ کا اجتماع کابل سے سولہ میل دور صحت افزا مقام لغمان کے مقام پہ منعقد کیا۔ اور تمام نمائندوں کو یورپی لباس کوٹ پتلون پہن کر اور ٹائی لگا کر آنے کا پابند بنایا گیا۔ مگر کابل میں ان

کے دوران قیام عمدہ قیام وطعام اور خاطر تواضع کا بہت احترام کیا گیا مگر عورتوں اور خصوصاً شاہی خاندان والوں کی بے پردگی کے باعث لویہ جرگہ کے ارکان دلوں میں بادشاہ کی لا مذہبیت کے باعث کدورت بڑھتی گئی۔ یہ لوگ اپنے بادشاہ سے سخت مایوس اور بیزار ہو کر اپنے اپنے علاقوں کو لوٹے اور ملک بھر میں امان اللہ خان کی فرنگ نوازی کے خلاف نفرت کی ایک عام لہر دوڑ گئی ۔ جمہوریت پسندوں اور اسلام پسندوں کو بادشاہ کے خلاف سازشیں کرنے کا ہر موقعہ ہاتھ آ گیا۔

سفر یورپ پر جاتے وقت امان اللہ خان اپنے بہنوئی سردار علی احمد جان کو اس لئے اپنے ہمراہ لے گیا تھا کہ وہ اسے اپنا حریف اور تخت کے لئے خطرہ سمجھتا تھا۔ اسی پر بادشاہ کے اپنے وزیروں کا رویہ بھی بدلا ہوا تھا۔ وہ خفیہ طور پر بادشاہ کی مخالفت کر رہے تھے۔ اس کی وجہ ولی محمد خان وزیر حربیہ کی بادشاہ کی غیر حاضری میں اس کی وکالت نمائندگی تھی۔ جو ایک ترکستانی اور غیر درانی تھا۔ دوسرے رئیس شوریٰ یا پارلیمنٹ کا صدر شیر احمد خان بھی ایک معمولی شخصیت کا مالک تھا۔ چنانچہ تمام وزراء نے اب استعفے دے کر شیر احمد خان کے ساتھ کام کرنے سے انکار کیا۔ بادشاہ نے شیر احمد خان کی تقرری منسوخ کر کے وزارت عظمیٰ صدارت عظمیٰ کا عہدہ اپنے پاس رکھا۔ ان وزراء اور حاکموں نے ،،لویہ جرگہ،، کے ارکان کو بظاہر بادشاہ کی تجاویز کی مخالفت نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ مگر عملدر آمد کے وقت انہیں وزراء کے حکام کا انتظار کرنے کا مشورہ دیا۔ بقول سید بہادر شاہ ظفر کاکا خیل مؤلف پشتانہ تاریخ پہ رنا کی،، امان اللہ خان نے اپنی اصلاحات کے نفاذ میں عملیت سے کام لیا اور قوم کی تمدنی اخلاقی اور اقتصادی پہلوؤں سے متعلق اصلاحات کا پروگرام پہلے شروع کیا۔ حالانکہ امان اللہ خان نے نئے خیالات کی قوتیں ابھی وسیع اور منظم نہ کی تھیں ۔ اور جہالت اور گمراہی کا علاج تلوار سے ممکن نہیں ہے ۔ یہ علم اور صرف علم کی طاقت سے ممکن ہے۔ غازی امان اللہ خان کی تمام تر محبِ وطنی، پیش از پیش کوششوں اور خلوص کے باجود کہ ملک کو جلد سے جلد ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں کھڑا کیا جائے۔ اس کی وجہ سے ملک کی نفسیات اور حالات کا گہری نظر سے مطالعہ ومشاہدہ کرنے کی وجہ سے ملک میں طوفان اُٹھ گیا۔ اس کے ابتدا شنواری قبیلے کی لڑکیوں کو غیر فنی تعلیم کے لئے یورپ بھیجنے کے واقعے سے ہوئی۔ حکومت کے بعض وزراء اور ان لڑکیوں کے والدین اس اقدام سے ناراض تھے۔ اور جس دن ان لڑکیوں کو کابل سے موٹروں کے زریعے روانہ کیا جانا تھا۔ سرکاری اہل کاروں کی

اطلاع پر شنواری قبیلے کے کچھ لوگوں پر وگرام بنایا کہ کابل جلال آباد کے درمیان ڈکہ کے مقام پر ان گاڑیوں کو روک کر ان لڑکیوں کو اتار لیا جائے گا اور اپنے قبضے میں رکھا جائے گا۔ مگر جس شخص کو ٹیلیفون پر ان لوگوں کو اطلاع دینی تھی۔ اس نے اس وقت اطلاع دی جب موٹریں ڈکہ سے آگے نکل چکی تھیں۔ اس پر متعلقہ اشخاص سخت مشتعل ہو گئے اور اپنے قبیلے کے پاس چلے گئے۔ اس سے شینواری قبیلے میں تشویش پیدا ہو گئی۔ علماء نے اس اقدام کی سخت مخالفت کی۔ خان اور ملک بھی حکومت کے خلاف ہو گئے۔ فوجیوں نے بھی سرکشی اور شینواری علاقے کی سرحدی چھاؤنی کو ٹوٹ کر بغاوت کا علان کر دیا حکومت نے اسے معمولی واقعہ سمجھا اور سردار شیر احمد خان سابق رئیس شوریٰ کو اس مسئلے کے حل پر مامور کر دیا۔ اس نے شینواریوں کو دھمکی دی کہ امیر عبدالرحمن نے تو تمہاری کھوپڑیوں کے مینار بناتے تھے۔ اور میں تمہاری قبروں کی مٹی بھی بوریوں میں ڈال کر کابل لے جاؤں گا۔ اس پر بغاوت کی آگ تمام شینواری قبیلہ میں پھیل گئی۔ اور انہوں نے جلال آباد کا محاصرہ کر کے اس پر قبضہ کیا۔ چھاؤنی سے ان کے ہاتھ بہت اسلحہ لگا۔ اب یہ مسئلہ بادشاہ نے اپنے ایک اور امیر محمود خان یاور کے حوالے کیا۔ اس نے غلہ نامی جگہ کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا دیا۔ جلال آباد کی باقی ماندہ فوج بھی اس سے آملی۔ مگر شینواریوں نے غلہ پر قبضہ کر کے محمود خان کو گرفتار کیا۔ اور کابل اور غلے کے درمیان ٹیلیفون کا رابطہ بھی منقطع کر دیا۔ غلہ کابل کی طرف جلال آباد سے ۳۵ میل کے فاصلے پر واقع مقام تھا۔ اب مرکزی حکومت کو حالات کی سنگینی کا احساس ہوا۔

اب حکومت نے سردار علی احمد خان کو اس مسئلہ کے حل کے لئے بھیجا۔ اب بغاوت خوگیانیوں کے علاقے تک پہنچ گئی تھی۔ علی احمد خان کابل اور جلال آباد کے درمیان ایک مقام جگدلک میں مقیم ہوا۔ مگر حالات اتنے خراب تھے۔ سردار علی احمد خان نے قبائلیوں کا جرگہ بلایا مگر شینواری قبیلے نے شرکت نہیں کی۔ جرگے نے فیصلہ اور مطالبہ کیا کہ امان اللہ خان تخت سے دستبرداری دے دے۔ باقی معاملات پھر حل ہوں گے۔ ادھر یہ جرگے اور مشورے جاری تھے کہ اچانک بچہ سقہ نے کابل پر حملہ کیا۔ بچہ سقہ کا نام حبیب اللہ اور والد کا نام عبدالرحمن تھا۔ وہ کوہ دامان کا ایک گمنام شخص تھا۔ وہ افغانستان کی اس فوج کا ایک سپاہی تھا۔ جیسے ،،نمونے کی رجمنٹ،، کہا جاتا تھا۔ یہ فوج ۲۲، ۱۹۲۱ء میں ترکی جنرل جمال پاشا کی زیر تربیت ونگرانی اس غرض سے قائم کی گئی تھی۔ تاکہ افغانستان کی تمام فوج کی اس طرح تشکیل کی جائے۔ جمال پاشا کے جانے کے بعد یہ پیش آگئی۔ بغاوت فرو ہونے کے بعد یہ

فوج کابل میں ،،ارگ،، کے مقام پر رہتی تھی۔ ان سپاہیوں کو گھروں کی یاد بہت ستاتی تھی۔ مگر حکومت انہیں چھٹی نہیں دیتی تھی۔ چنانچہ یہ فوجی ایک ایک دو دو کر کے چپکے سے باری باری گھر جاتے اور پھر واپس کام پر حاضر ہوتے۔ بعد میں یہ معمول تمام فوج میں پھیل گیا۔

جب حکومت کو معلوم ہوا تو اس نے کابل کے چاروں طرف سپاہیوں پر پہرا لگا دیا۔ جو بغیر اجازت جانے والے ایسے فوجیوں کو واپس لاتا۔ ایک مرتبہ بچہ سقہ اور دو تین آدمی چوری چھپے گھر جا رہے تھے۔ کہ پہرہ دار سپاہیوں سے ان کی ان بن گئی۔ بچہ سقہ کو غصہ آیا اور پہرہ داروں پر گولی چلا دی، کچھ دیر کی لڑائی کے بعد ایک پہرہ دار مارا گیا ۔اور تین زخمی ہو گئے۔ بچہ سقہ مردہ سپاہی کی بندوق بھی لے کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے گھر روانہ ہوا۔ اب وہ ایک بھگوڑا سپاہی ہی نہیں بلکہ حکومت کے ایک سپاہی کا قاتل بھی تھا۔ چنانچہ اس نے رہزانی شروع کر دی۔

جن دنوں امیر امان اللہ خان سفر یورپ پر جا رہا تھا ان دنوں کوہستان اور کوہ دامن میں ڈاکوؤں کا زور تھا۔ اس وقت سید حسین نامی ایک شخص نامور ڈاکو تھا۔ یہ شخص نامور خاندان کا فرد اور امیر تھا۔ مگر ناموس کی خاطر چند قتل کرنے کے بعد مفرور ہو گیا تھا۔ بچہ سقہ کو اس وقت شہرت حاصل ہوئی جب اس نے ترکستان سے آنے والا ایک قافلہ لوٹا۔ مگر جب سمیت مشرقی میں حکومت کے خلاف ہلچل مچی تو بچہ سقہ اس انتظار میں رہا کہ اگر کوہستان اور کوہ دامان میں بھی عورتوں کے بارے میں حکومت کے نئے قوانین کے بارے میں بغاوت ہو جائے تو وہ ایک بے دین حکومت کے خلاف لڑ کر شہید ہونے کو ترجیح دے گا۔

انہی دنوں کوہستان میں فوج بھرتی کے لئے حکومت کا ایک اعلیٰ افسر علی احمد خان جبل السراج میں مقیم تھا۔ بچہ سقہ اب کھلم کھلا حکومت کے مقابلے پر آ گیا تھا۔ اور لوگوں کو بھرتی سے منع کرنے لگا۔ کہ انہیں دین کے نام پر لڑنے والے سمت مشرقی کے مسلمانوں کے خلاف نہ بھیجا جائے۔ عدم بھرتی کی خبر سن کر امان اللہ خان نے علی احمد خان کو کابل بلایا اور خفیہ گفتگو کے بعد پھر اسے جبل سراج روانہ کیا۔ سردار علی احمد جان نے سید حسین اور بچہ سقہ دونوں سے الگ الگ بات کی اور یہ فیصلہ کیا کہ ان دونوں اور ان کے ساتھیوں کو گزشتہ جرائم کے لئے معافی دے دی جائے گی۔ بشرطیکہ یہ دونوں فوجی بھرتی کی مخالفت نہ کریں۔ ان دونوں کو فوج میں کرنیلی کے عہدے دئے جائیں گے۔ اور دو دو، ،، بندوقیں معہ دیگر ساز و سامان دی جائیں گی۔ تاکہ یہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سمت مشرقی

میں لڑنے کے لئے جائیں۔اب سید حُسین اور بچہ سقہ کو اپنی اہمیت کا احساس ہوا۔اس معاہدے کے بعد کابل کے اخبارات میں سید حُسین اور بچہ سقہ کی تعریفیں چھپیں۔

مگر بچہ سقہ کو یہ حکومت کا جال معلوم ہوا اسے اپنی گرفتاری کا خطرہ تھا۔چنانچہ ایک دن اس نے جبل السراج سے بادشاہ کو ٹیلیفون کیا اور خود کو سردار علی احمد خان ظاہر کر کے پوچھا کہ میں نے بچہ سقہ کو گرفتار کرلیا ہے۔اور ساتھ والے کمرے میں بند ہے۔حضور کا کیا حکم ہے۔؟ بادشاہ نے کہا کہ اس کتے کو اسی وقت قتل کرواور اس کا سر کابل بھیج دو۔یہ سن کر بچہ سقہ نے اپنی اصلیت ظاہر کردی اور غازی امان اللہ خان کو بُرا بھلا کہا۔یہ بات تمام علاقے میں پھیل گئی۔سید حُسین نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جبل سراج کا محاصرہ کرلیا۔بچہ سقہ اس کا رقیب تھا۔اس نے ایک قدم آگے بڑھ کر کابل پر حملہ کردیا۔اس کے ساتھ دو تین سو مسلح اور تین چار سو غیر مسلح ساتھی تھے۔کابل کی وزارت حربیہ کو پہلے سے بچہ سقہ کے حملے کی اطلاع ملی تھی۔مگر اس نے کوئی پیش بندی نہ کی۔ان دنوں وزارت حربیہ کا سربراہ قندھار کا ایک درانی سردار عبدالعزیز خان تھا۔جو انتہائی مغرور بے حد حریص اور رشوت خور تھا۔ امان اللہ خان کے زوال میں اس کا بڑا ہاتھ تھا۔

بچہ سقہ نے گولی چلائے بغیر کابل سے باہر تین مقامات پر قبضہ کرلیا۔شہر کابل میں اس سے خوف وہراس پھیل گیا شاہی خاندان کے تمام افراد،،ارگ،،شاہی محل میں جمع ہو گئے بادشاہ نے شہریوں کو بندوقیں دینے کا اعلان کیا۔ ہر شخص جا کر بندوق لیتا اور کندھے سے لٹکا کر بجائے بچہ سقہ سے لڑنے کے اپنے گھر کی راہ لیتا۔تاکہ اپنے گھر کی حفاظت کر سکے چپکے سے شہر میں داخل ہوگا اور شاہی ارگ پر قبضہ کرے گا مگر اس کی توقع کے برعکس شاہی رسالے نے نہایت جانفشانی اور پہاڑوں پر قابض رہے۔اس دوران بچہ سقہ نے سید حُسین کو اپنی مدد کے لئے بلایا۔مگر نہ تو سید حسین نے اور نہ کوہ دامان کے لوگوں نے اس کی کوئی مدد نہ کی۔کیونکہ کسی کو بھی حکومت کے اس قدر جلد سقوط کی توقع نہ تھی۔اس جنگ میں بچہ سقہ سخت زخمی ہوا تھا۔لہذا اپنی زندگی سے نا اُمید ہو کر مزید بے جگری سے لڑنے لگا۔

بچہ سقہ نے ایک ایسے مقام پر قبضہ کیا تھا۔جہاں سے برطانوی سفارت خانہ چھ سو گز دور تھا۔اس لئے اس کا خیال تھا کہ شاہی فوج سفارت خانے کو بچانے کے لئے گولہ باری نہیں کرے گی۔مگر شاہی توپخانہ برابر گولہ باری کرتا

رہا جس سے سفارت خانے کو نقصان پہنچا۔ انگریزی جہازوں نے فضا میں اڑ کر پشتو اور فارسی کے اشتہارات پھینکے جن کی زبان انتہائی ناشائستہ اور دھمکی آمیز تھی کہ اگر سفارت خانے کو نقصان پہنچا تو افغان عوام اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ اس سے اہل کابل اور حکومت دونوں بہت ناراض ہوئے۔ ناراضگی کی دوسری وجہ یہ تھی۔ کہ لوگوں کا خیال تھا کہ سقوی انقلاب میں برطانیہ کا ہاتھ ہے۔ برحال بچہ سقہ اور ساتھیوں کو تیرھویں روز کابل کی پہاڑیوں سے ہٹادیا گیا۔ سمت شمالی کے لوگ بچہ سقہ کی اس شکست سے سہم گئے۔ اور مکافات عمل سے ڈرنے لگے۔ کابل میں اس وقت سمت جنوبی سے منگل اور زدران قبایل پر مشتمل عوامی لشکر بھی موجود تھا۔ منگل لوگ شمال والوں کی ۱۹۲۴ء کی زیادتیوں کے انتقام یا بندوق اور مال غنیمت کے لئے بھی آئے تھے۔

حکومت نے اس وقت بڑی غلطی کی کہ اس رضا کار لشکر کو سقویوں کے خلاف استعمال نہیں کیا اور باقاعدہ فوج کے آنے میں بیس پچیس روز گزر گئے کیونکہ کابل میں بہت تھوڑی سی باقاعدہ فوج موجود تھی ادھر بچہ سقہ نے پھرتیاری شروع کی۔ اس کے حامیوں میں ملا بھی شامل ہو گئے تھے اور معاملے نے مذہبی رخ اختیار کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے سب سے پہلے سید حسین سے کہا کہ تم آل رسول ﷺ ہو اس لئے تم امیر بن جاؤ میں تمہاری بیعت کروں گا۔ مگر سید حسین کو کیا کسی کے بھی وہم وگمان میں یہ بات نہ آسکتی تھی کہ حالات اس قدر جلد بچہ سقہ کے موافق بن جائیں گے۔ لہذا سید حسین نے امیر بننے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اسے بچہ سقہ کے امیر بننے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اب بچہ سقہ نے مطمئین ہو کر لوگوں سے اپنی امارت کی بیعت لی۔ اسطرح اب امان اللہ خان کے مقابلے میں اس کا لڑنا ایک صحیح کام تصور کیا جانے لگا۔ ان دنوں سمت شمالی کے لوگ بچہ سقہ کی شکست کے باعث مرکزی حکومت سے بہت خوف محسوس کرتے تھے۔ غازی امان اللہ خان کے جہازوں نے علاقے میں اشتہارات گرانے شروع کئے تاکہ لوگ بچہ سقہ کی حمایت ترک کر دیں۔ مگر سقوی لوگ عوام کو جوان پڑھ تھے ان اشتہاروں کا کوئی اور مطلب بتاتے تھے۔ ادھر فضا سے طیارے ہمارے اُن علاقوں پر بمباری کر رہے تھے جس سے لوگ گومگو کی حالت میں تھے۔ ادھر سقوی ان لوگوں کو بیدریغ قتل کرتے تھے جو ان کا ساتھ نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ سمت شمالی کے سب لوگ سقویوں کے حامی بن گئے۔

بچہ سقہ کی شکست کے تین ہفتے بعد شہر کابل کی محافظت و مدافعت کے بعد فوج کا ایک دستہ اور کچھ قبائلی لشکر،، سور

جرنیل، محمد عمر خان کی سرکردگی میں بچہ سقہ کے خلاف بڑھا مگر قبائلی لشکر کے سرداروں اور محمد عمر خان کے درمیان بغاوت منگل کے وقت سے تعلقات کشیدہ تھے کیونکہ یہ لشکر زیادہ تر زدران اور منگل قبائل پر مشتمل تھا۔ اس لشکر نے شہر سے دس میل باہر قلعہ مراد کے بالمقابل اپنا کیمپ لگایا۔ جہاں سے اُسے پیش قدمی کرنا تھی۔ اس لشکر اور سقویوں کے درمیان ایک پہاڑی حائل تھی۔ حکومت اور سقویوں کے درمیان آر پار گولہ باری ہونے لگی۔ اس وقت بچہ سقہ یا سقاؤ کی حالت بہت خطرناک اور نازک تھی۔ اس کے پاس آدمیوں کی کمی تھی۔ اس نے پھر سید حسین سے کمک طلب کی۔ جس کو بچہ سقہ کی کامیابی کا کچھ کچھ یقین ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے آدمی تو بھیج دیئے مگر خود نئی بھرتی کے بہانے پیچھے رہ گیا تھا تا کہ سقویوں کی شکست کی صورت میں راہ فرار کھلی ہو۔ بچہ سقہ کی خوش قسمتی سے امانی حکومت کے وزراء ذمہ دار افراد ایسی ایسی حرکتیں بدحواسی کے عالم میں کرنے لگے جس کا فائدہ تمام تر سقویوں کو پہنچتا تھا۔ ابھی حکومت کی فوجوں نے پیش قدمی نہیں کی تھی کہ ایک افسوس ناک واقعہ رونما ہوا سور جرنیل (سرخ جرنیل) اور منگل سرداروں کی کسی بات پر ان بن ہوگئی اور وہ بندوقوں تک پہنچ گئی اور فوج اور لشکر نے ایک دوسرے پر گولیاں چلائیں۔ ایک گولی سور جرنیل کے پاؤں میں آ کر لگی۔ جب یہ خبر کابل پہنچی تو بادشاہ کا وکیل ولی محمد خان فوراً موقعہ پر پہنچا اور طرفین کے درمیان صلح صفائی کرائی۔

اس کے فوراً بعد بچہ سقہ کے بھائی حمید اللہ نے پانچ سو آدمیوں کے ساتھ شاہی کیمپ پر شبخون مارا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ شاہی فوج آرام سے خیموں میں سوئی ہوئی تھی کہ ان پر چاروں طرف سے فائر شروع ہوا۔ فوجی ہڑبڑا کر اُٹھے۔ تو اُسے قبائلی لشکر کی حرکت سمجھ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور کابل آ کر دم لیا۔ صبح کو شاہی کیمپ کے تمام سامان اور اسلحے پر سقویوں نے قبضہ کرلیا۔ یہ اتنا سامان تھا کہ جس سے بچہ سقہ کی پوزیشن بہت مضبوط ہوگئی۔ اور اس کے لئے کابل کی راہ ہموار کرلی۔ اس کی اطلاع آدھی رات کو بذریعہ ٹیلفون امان اللہ خان کو دے دی گئی۔ مگر بادشاہ کے لئے صرف یہ ایک مصیبت نہ تھی۔ انہی دنوں اس کے بہنوئی سردار علی احمد خان نے سمت مشرقی میں اپنی بادشاہی کا اعلان کر کے کابل پر حملے کی تیاری شروع کردی تھی۔

ان واقعات سے امان اللہ خان کا دل ایسا ٹوٹا کہ اسی رات تخت سے اپنے بھائی سردار عنایت اللہ خان کے حق میں دستبردار ہوگیا اور صبح سویرے ۱۴ جنوری ۱۹۲۹ء کو آٹھ بجے کابل سے قندھار کی طرف روانہ ہوگیا۔ بچہ سقہ کی

اس غیر متوقع کامیابی کی خبر صبح کابل میں پھیل گئی۔ مگر امان اللہ خان کے کابل جانے اور عنایت اللہ خان کے بادشاہ بنا جانے کی خبر ابھی کسی کو معلوم نہ تھی۔ اس روز کابل کے سربراہ لوگ ارگ شاہی میں بلائے گئے۔ اور امان اللہ خان کا عنایت اللہ خان کی بادشاہی کا خط انہیں دکھایا گیا۔ عنایت اللہ خان کی تخت نشینی کی رسم ملاشور بازار کے چھوٹے بھائی آقائے شیر احمد خان نے ادا کی جو ابھی چند روز پہلے امان اللہ خان کی طرف سے قید سے آزاد کیا گیا تھا شور بازار کا خاندان افغانستان میں سیاسی اور مذہبی اثر و رسوخ کے باعث صاحب امتیاز تھا۔ افغانستان کے اکثر قبائل ان کے مرید اور عقیدہ مند تھے۔ افغانستان کے بادشاہوں کی تاجپوشی بھی یہی خاندان کرتا تھا۔ اس لئے بھی یہ خاندان قابل احترام سمجھا جاتا تھا۔ علاقہ منگل میں لنگڑے ملا کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے امیر امان اللہ خان نے ۱۹۲۴ء میں ملاشور بازار کو بھیجا تھا مگر گوذ ملا نے یہ جرگہ نہیں مانا تھا۔ اس واقعے سے بادشاہ کی نظروں میں ملاشور بازار کا احترام کم ہو گیا تھا۔ علاوہ بریں غلجی وقبائل میں سلیمان خیل قبیلہ جو اپنی تعداد اور مال و ثروت کے لحاظ سے بڑا قبیلہ تھا خصوصیت سے ملاشور بازار کا ارادتمند، اور معتقد تھا۔ یہ قبیلہ امان اللہ خان سے اس لئے ناراض تھا کہ اس نے اس قبیلے کے مقابلے میں ہزارہ قوم کی جائز شکایات تسلیم کی تھیں اور انہیں سلیمان خیلوں کے مظالم سے نجات دلائی تھی۔ دوسری وجہ پرخاش یہ تھی کہ ملاشور بازار جو اس قبیلے کے پیر و مرشد تھے۔ امان اللہ خان کی نظروں سے گر گئے تھے چنانچہ اب دربار میں ان کے ناجائز کام پہلے کی طرح نہیں ہوتے تھے۔

کچھ اور بھی باتیں تھیں جو غازی امان اللہ خان اور ملاشور بازار کے خاندانوں کے درمیان بعد کا باعث بن گئی تھیں۔ اس بناہ پر جب ملاشور بازار حج پر گئے تو واپسی پر ہندوستان کے سرھند میں مقیم ہو گئے اور افغانستان میں اپنے مریدوں سے رابطے رہے۔ اسی سال ۱۹۲۹ء راقم الحرف کے والد مرحوم و مغفور جناب آغا صاحب عبدالرحمن جان صاحبزادہ بھی بحری جہاز میں حج پر جاتے ہوئے ملاشور بازار کے ہمسفر رہے تھے۔ اور ملا صاحب نے آغا صاحب کو اپنے ساتھ کابل چلنے اور ایک عمدہ منصب دلانے کی پیش کش کی تھی۔ جسے والد صاحب نے شکرے کے ساتھ یہ کہہ کر رد کر دیا تھا۔ کہ وہ اپنی قوم کی خدمت کے لئے پشین میں ہی میں رہنا چاہتے ہیں۔ ملاشور بازار کا بقایا خاندان افغانستان ہی میں رہا۔ شیر آغا چھوٹے بھائی کی قید و بند کی وجہ یہ تھی کہ وہ اور اس کے چند ساتھی سمت جنوبی میں امان اللہ خان کے خلاف کھلم کھلا جہادی تبلیغ کرتے پکڑے گئے تھے۔ اس کے ایک ساتھی کو تو اسی وقت

بادشاہ نے پھانسی دے دی تھی۔ اور شیر آغا کو بجائے پھانسی دینے کے بادشاہ نے اس لئے قید کیا کہ بڑے بھائی ملا شور بازار ملک سے باہر سرہند میں تھے اور ان سے زیادہ خطرہ تھا۔

امان اللہ خان کے تخت سے دستبرداری اور عنایت اللہ خان کی تخت نشینی پر اب سقوی طوفان کے تھمنے کی توقع پیدا ہو چکی تھی۔ کیونکہ باغیوں کا یہی مطالبہ تھا کہ امان اللہ خان تخت چھوڑ دے عنایت اللہ خان کی تخت نشینی کے بعد صلح وصفائی کی غرض سے جو جرگہ یا وفد بچہ سقہ کو بھیجا گیا۔ اس کی سربراہی بھی شیر آغا ہی کے ذمے تھی جس نے امان اللہ خان سے بدترین انتقام لیا۔ جب جرگہ موٹروں میں سوار ہو کر کابل کی حفاظتی فوجوں کے مورچوں پر پہنچا تو شیر آغا تھوڑی ہی دیر کے لئے موٹر سے اُترا اور فوجیوں سے کہا او بچہ سقہ برائے کہ جنگ می کنید۔ اگر برائے امان اللہ خان جنگ می کنید اور گریختہ است،، او بچو! کس کی خاطر لڑ رہے ہو۔ اگر امان اللہ خان کے لئے لڑ رہے ہو وہ تو بھاگ گیا ہے) یہ کہہ کر شیر آغا دوبارہ موٹر میں سوار ہوا۔ مگر ان دو جملوں کا سپاہیوں پر بہت اثر ہوا اور اپنے مورچے چھوڑ کر چلے گئے۔ اگر چالاک شیر آغا عنایت اللہ خان کی تخت نشینی کی بات کرتا تو سپاہیوں پر اس قدر شدید ردعمل نہ ہوتا۔

بچہ سقہ کی حکومت

ادھر جب بچہ سقہ کو امان اللہ خان کے کابل سے چلے جانے کا پتہ چلا تو اس نے صلح کرنے سے انکار کیا۔ بقول سید بہادر ظفر کاکاخیل مرحوم ممکن ہے جو شیر آغا نے بچہ سقہ کو بھی سکھا پڑھا دیا ہو کیونکہ ان سب کے باوجود بچہ سقہ اس قابل نہ تھا۔ کہ جرگے کو نہ مانتا اور تخت کابل کو لے لیتا۔ اس نے کہا کہ اس نے تلوار کے زور پر یہ حیثیت حاصل کر لی تھی۔

اس رات سقوی لشکر کابل کے اندر داخل ہوا۔ اور کسی نے اس کا مقابلہ نہ کیا۔ اس رات تمام رات سقوی سپاہی کابل کے بازاروں اور گلی کوچوں میں پھرتے رہے اور یہ کہہ کر لوگوں کو تسلی دیتے رہے کہ ہم دین کی خدمت کی خاطر کافر بادشاہ امان اللہ سے لڑتے رہے اور اللہ نے کامیابی عطا کی۔ آپ لوگ دل میں کوئی وسوسہ نہ ڈالیں ہم آپ کی خدمت اور حفاظت کے لئے موجود ہیں۔ اور شاہی ارگ میں بادشاہ اور حکومت کے منصبدار تمام رات صلاح مشورے میں آئندہ کے اقدامات کے بارے میں لگے رہے۔ بچہ سقہ کے انکار کے بعد ہر شخص بوکھلایا ہو

تھا۔اور ہر ایک کو اپنی پڑی تھی آخر عنایت اللہ خان نے بھی دستبردار ہونے اور ملک سے باہر چلے جانے پر آمادگی ظاہر کی۔ بچہ سقہ اور عنایت اللہ خان کے درمیان بات چیت بھی شیر آغا ہی کے واسطے سے ہوئی فیصلہ یہ ہوا کہ عنایت اللہ خان اور اس کے اہل وعیاں کو بحفاظت ملک سے باہر جانے کی اجازت ہوگی۔وہ تین لاکھ روپے بھی اپنے ساتھ لے جاسکے گا۔اس کی ذاتی جائیداد پر بھی سقوی قبضہ نہیں کریں گے۔

اس فیصلے کے بعد عنایت اللہ خان برطانوی سفارت خانے کے ہوائی جہازوں میں آل وعیاں کے ساتھ سوار ہوکر ہند پہنچا۔شاہی محل ارگ سے ان کے باہر آنے کا منظر بڑا غمناک اور درد انگیز تھا۔اس موقعہ پر کوئی شخص ایسا نہ تھا جو نہ رویا ہو۔عنایت اللہ خان خود بھی ارگ کے دروازے سے لپٹ کر چیخ چیخ کر رویا شاہی محل سے نکلتے ہوئے درانیوں کا شاہی جھنڈا بھی سرنگوں کر کے اُتار دیا گیا تھا۔اس دیکھ کر، دیکھنے والوں کے دل [illegible] جانے سے پہلے عنایت اللہ خان نے منصب داروں کو بڑی فراخ دلی سے انعامات د[illegible]ے جو سپاہی شاہی محل میں موجود تھے انہیں چھ چھ ماہ کی پیشگی تنخواہیں دے دیں۔پھر اپنے ہمراہ کافی جواہرات اور قیمتی ساز و سامان لے کر نکلا۔اس کے باوجود سقویوں کو خزانے سے چھ کروڑ روپے ہاتھ آئے۔

ادھر سمت مشرقی میں اپنی بادشاہی کا اعلان کرنے والے علی احمد جان کے ساتھیوں نے جو اکثر کوہستان اور کوہ دامان کے فوجیوں پر مشتمل تھے۔بچہ سقہ کے خلاف لڑنا اچھا نہیں سمجھا کیونکہ وہ ان کا ہم قوم وہم وطن تھا۔اس نے علی احمد خان کے خوگیانی فوجی باہمی لڑائی کے باعث تتر بتر ہوگئے۔اب اسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔اس لئے نہایت بُری حالت میں شینواریوں کے علاقے سے پشاور آیا اور پھر قندھار جا کر امان اللہ خانؒ سے ملا۔یوں بچہ سقہ کے دل سے آخری کھٹکا بھی دور ہوا۔بچہ سقہ عنایت اللہ خان کے جانے کے اگلے روز شاہی محل میں کر و فر سے داخل ہوا کابل کے جن لوگوں نے تین دن پہلے عنایت اللہ خان کی بادشاہی کی بیعت کی تھی۔آج انہوں نے بچہ سقہ کی بیعت کرلی۔بادشاہ بننے کے بعد بچہ سقہ نے ،،خادم دین رسول ﷺ،، کا لقب اختیار کیا۔ابتدا میں یہ خطرہ تھا کہ کہیں سید حسین اور بچہ سقہ کی صلح خطرے میں نہ پڑ جائے۔مگر اکثر اہلکار اور ملا بچہ سقہ کے حامی تھے۔ اس لئے لوگ جلد ہی سید حسین کو بھول گئے۔

سقوی حکومت کے آتے ہی لوگوں کے دلوں میں اپنی تباہی و بربادی کا ڈر پیدا ہوگیا تھا۔وہ خلاف توقع غلط ثابت

ہوا۔ بچہ سقہ نے امیر بننے ہی امن وامان کے قیام کے لئے سخت ترین احکام جاری کئے۔ نتیجے میں کسی قسم کی خونریزی یا لوٹ مار نہیں ہوئی۔ مگر تین چار روز کے بعد لوگوں کی یہ خوش فہمی دور ہوگئی۔ چند دن کے بعد سقویوں سے تنگ آ گئے۔ سقویوں کے ہاتھوں نہ کسی کا مال محفوظ رہا نہ عزت وابرو۔ بچہ سقہ کی حکومت میں کوہ دامان اور کابل کا علاقہ شامل تھا۔ اس نے امان اللہ خان کے وقت کوہ دامان میں متعین ایک دوسرے درجے کے افسر شیر جان کو جو امانی حکومت سے دل برداشتہ ہوکر بچہ سقہ سے مل گیا تھا۔ اور اپنا وزیر دربار مقرر کیا اور اس کے بھائی کو وزیر خارجہ مقرر کیا۔ اس نے اپنے قدیم دوست سید حسین کو وزیر جنگ اور نائب السلطنت مقرر کیا۔ اور اپنے بھائی حمید اللہ کو معین السلطنت کا عہدہ دیا۔ اپنے خاندان کے ایک شخص کو وزیر مال مقرر کیا۔ باقی وزارتوں کو بے فائدہ سمجھ کر بچہ سقہ نے توڑ دیا۔

حکومت کی اس تشکیل کے بعد بچہ سقہ نے ایک اعلان کی شکل میں اپنی حکومت کے اصول شائع کئے۔ اور سابق بادشاہ امان اللہ خان کے عہد کے تمام قاعدے اور اصلاحات منسوخ کر دیں۔ اس نے امان اللہ خان کے والد اور اپنے ہمنام امیر حبیب اللہ خان کے دور کے طرز حکومت پر چلانے کا دعویٰ کیا۔ اس سے شہریوں کے حقوق شہریت کی تنسیخ اور امانی ضوابط کے فوائد ختم ہو گئے۔ اس نے نادر خان کے خاندان کے ایک فرد احمد شاہ خان کو اس غرض سے یورپ بھیجا تھا کہ اس کی حمایت حاصل کرے مگر نادر خان جو امان اللہ خان سے دل برداشتہ تو تھا ایک ڈاکو کے ہاتھوں شاہی خاندان کی عزت وتوقیر کی ہتک کہاں برداشت کرسکتا تھا۔

ادھر کابل کے شہریوں کی سقویوں کے ہاتھوں جان پر بنی تھی۔ جان تو کسی نہ کسی طرح بچ جاتی تھی مگر مال کسی طرح نہ بچتا تھا۔ ہزاروں معزز لوگ اپنی بیٹوں، بہنوں اور بیویوں کے ناموس کی خاطر سقویوں کے ہاتھوں سے جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ سقویوں کے مظالم حد وشمار سے باہر تھے۔ سید حسین نے ترکستان کی فتح کے لئے بچہ سقہ سے اجازت چاہی جو خود اس سے ڈرتا تھا۔ مگر سید حسین اپنی آزاد حکومت قائم کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ بچہ سقہ کا خیال تھا کہ شاید ہرات پر بھی قبضہ کرلے اور پھر وہ اور سید حسین دونوں قندھار میں پر حملہ کرکے امان اللہ خان کی قوت کو توڑ دیں۔ اور قندھار میں بچہ سقہ کا اثر کم تھا مگر بعض اوباش اور بدمعاش لوگ کو روحانی طاقت کا کرشمہ سمجھتے تھے۔ ہزارہ اور وردگ لوگ قبائل آخر تک امان اللہ خان کی حمایت میں سقویوں سے لڑتے رہے۔

شینواریوں کی بغاوت کا سرغنہ محمد عالم شینواری اور خوگیانیوں کے خوانین کابل ہو آئے تھے مگر سمت مشرقی میں ابھی تک سقویوں کی حکومت قائم نہ ہوئی تھی۔

انہی دنوں جنرل نادر خان اپنے بھائیوں سردار محمد ہاشم خان اور شاہ محمود خان کے ساتھ براستہ ہند پیرس سے آکر سمت جنوبی میں داخل ہوئے تھے اور سردار ہاشم کو سمت مشرقی کی حمایت کے لئے بھیج دیا تھا ادھر سقوی دھڑا دھڑ کوہستان کوہ دامان میں فوجی بھرتی کر رہے تھے کیونکہ امانی حکومت کے دوبارہ قیام میں وہ اپنی تباہی سمجھتے تھے۔ جب امان اللہ خان کابل سے قندھار اچانک آیا تو وہاں کے لوگ متعجب ہوئے کہ وہ ایک چور اور ڈاکو کے مقابلے میں کیسے بھاگ آیا۔ انہیں اس پر غصہ بھی آیا۔ اس لئے وہ امان اللہ خان کی حمایت سے کترانے لگے۔ مگر جب امان اللہ خان نے کابل قندھار سے مایوس ہوکر ہرات کا رُخ کرنا چاہا تو قندھاری اس کے مدد کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ یہاں بھی بدقسمتی سے اس نے منحوس سردار عبدالعزیز خان کو اپنا وزیر جنگ مقرر کیا۔ اور پچیس ہزار قبائلی لشکر کے ساتھ بچہ سقہ کے مقابلے کے لئے روانہ ہوکر غزنی پہنچا۔ مگر سلمان خیل غلجی قبائل ایک تو ان کے مقابلے میں امان اللہ خان کی ہزارہ قبائل کی حمایت دوسرے غلجیوں اور درانیوں کی قدیم منافرت اور تیسرے ملا شور بازار کی عقیدت کے سبب بچہ سقہ کی طرف ہو گئے۔ چنانچہ امان اللہ خان کے لشکر نے ایک معرکے کے بعد راہ فرار اختیار کی۔ اس شکست سے امان اللہ خان کا دل ایسا ٹوٹا کہ وہ کسی مشورے کو قبول کئے۔ بغیر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چمن اور کوئٹہ کی راہ سے ہندوستان پہنچا۔ قبائلی لشکر یہ سن کر منتشر ہو گیا۔ چمن سے امان اللہ خان نے اسپیشل ریل گاڑی میں بمبئی گیا وہاں سے اٹلی کے صدر مقام روم چلا گیا۔ وہاں گمنامی کی زندگی بسر کی۔ ۱۹۶۰ء میں سوئز لینڈ کے شہر زلورچ کے ہسپتال میں وفات پائی۔ اس کے ورثاء چارٹرڈ طیارے کے ذریعے اس کی لاش افغانستان لائے اور جلال آباد میں باپ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

قندھار کے درانیوں نے عبدالعزیز خان کے انکار پر سردار علی احمد جان کو نیا بادشاہ بنایا سقوی فوج جو امان اللہ خان کے بھاگ جانے سے زیادہ دلیر ہو گئی تھی اب بڑھ کر قندھار کا محاصرہ کر لیا۔ سردار علی احمد جان نے جان توڑ کر ان کا مقابلہ کیا۔ مگر قندھار میں بھی سقویوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا۔ اُنہوں نے شہر کے دراوزے کھول دئے اور سقوی اندر داخل ہو گئے۔ سردار علی احمد جان لڑتے ہوئے گولی کھا کر گھوڑے سے گر پڑے اور سقویوں نے شہر پر

قبضہ کرلیا۔ سردار علی احمد جان کو گرفتار کر کے زلت کے ساتھ پہلے کابل بھیجا گیا۔ وہاں اس جونمر د کو جیل میں بڑی تکلیف اور ایذ ائیں پہنچائی گئیں۔ اور آخر انہیں توپ سے اُڑا دیا۔ اس مظلومانہ شہادت پر ہندوستان کے مسلمانو ں کی طرف سے سردار علی احمد جان کی شہادت کے سلسلے میں تقریبات ہوئیں اور سردار نادر خان کیلئے چندہ بھی کیا گیا کیونکہ لوگوں کا خیال تھا کہ تخت کابل کے حصول کے لئے نادر خان کی کوشش امان اللہ خان کے لئے ہے۔

(اخبار،،زمیندار،، لاہور ۱۳ ستمبر ۱۹۲۹ء)

اسی اثناء میں روس میں افغانی سفیر جرنیل غلام نبی جان میدان میں آیا۔ اور سید حسین کو بے درے کئی شکستیں دے کر بامیان تک کے علاقے پر قبضہ کیا۔ اس کے پاس روس کے دیے ہوئے چند ہوائی جہاز بھی تھے۔ مگر امان اللہ خان کے ملک سے نکل جانے پر غلام نبی جان واپس چلا گیا اور سید حسین نے پھر ترکستان پر قبضہ کرلیا۔ ان دنوں سوائے سمت مشرقی وجنوبی علاقہ ہزارہ جات تمام ملک پر بچہ سقہ کی حکومت قائم ہوگئی تھے۔ اور اب بھی اس کے پاس تیس ہزار فوج تھی۔ اس نے جنرل نادر خان پر دام کے ذورے ڈالے اور صدارت عظمیٰ کی پیش کش کی۔ مگر نادر جیسے باوقار اور بہادر شخص نے جو شاہی خاندان کا فرد تھا ایک چور اور ڈاکوئی حکومت تسلم نہیں کی۔ جرنیل نادر خان امیر امان اللہ خان کا قریبی رشتہ دار تھا چند سال کے بعد اس کے تعلقات بادشاہ سے خوشگوار نہیں رہے۔ نادر خان نے خرابی صحت کے بنا پر فوجی خدمات سے استعفیٰ دیا اور امان اللہ خان نے اسے فرانس میں افغانستان کا سفیر مقرر کیا۔ بعد میں سفارت سے سبکدوش ہوا۔ ہندوستان کے مسلمان بالعموم اور سرحد کے پشتون بالخصوص غازی امان اللہ خان سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ اور اپنی مشکلات کے لئے ان کی طرف دیکھتے تھے۔ مگر انگریزی خونی پنجے میں گرفتار ہونے کے سبب سوائے اخلاقی مدد کے اور کچھ نہ کر سکتے تھے۔ لہذا افغانستان میں شورش اور پھر امان اللہ خان کی جلاوطنی کے بعد ان مسلمانوں کی افغانستان کے ذی اثر فرد سے یہ توقع رہتی تھی کہ وہ امان اللہ خان کی واپسی کے لئے کچھ کر گزرے۔

چنانچہ فروری ۱۹۲۹ء کو جب نادر خان کراچی سے بذریعہ ریل گاڑی پشاور کے لئے روانہ ہوا تو لاہور کے ریلوے اسٹیشن پر مدیر،،زمیندار،، مولانا ظفر علی خان نے مجلس خلافت کے ایک رہنما کی حیثیت سے نادر خان سے ملاقات کی اور اس کے ارادوں کے بارے میں سوال کیا تو نادر خان نے جواب دیا کہ میں اس وقت تک آرام نہیں کروں

گا۔ جب تک کابل کے تخت کو بچہ سقہ سے لے کر امان اللہ خان کے حوالے نہ کروں گا۔ اسی روز مولانا ظفر علی خان اس گاڑی میں نادر خان کے ساتھ پشاور پہنچے اور اگلے روز پھر مجلس خلافت کے وفد کے ہمراہ نادر خان سے ملاقات کر کے کہا کہ وہ قندھار جا کر امان اللہ خان سے ملاقات کرنے اور پھر متفقہ پروگرام پر عملدرآمد کیا جائے۔ نیز مولانا نے کہا کہ وہ تمام اہل ہند کے ترجمان کے طور پر یہ کہہ رہے ہیں۔ نادر خان نے پھر تخت کابل کو بچہ سقہ سے چھڑانے اور امان اللہ خان کے سپرد کرنے کا عزم صمیم ظاہر کیا اور کہا کہ میں کابل جا رہا ہوں۔ چند دن آرام کے بعد اور اپنے بھائیوں کے مشورے سے کام کروں گا۔ طریق کار کو آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ پشتونوں میں سے خان عبدالغفار خان میاں جعفر شاہ، سید آغا لعل بادشاہ، خان علی گل اور دوسروں کے ہمراہ اسلامیہ کالج پشاور کے پروفیسروں اور طالب علموں نے بھی نادر خان سے ملاقات کی اور اس نے امان اللہ خان کے لئے ہی جدوجہد کا وعدہ کیا ان سب کے مشوروں کے برعکس نادر خان امان اللہ خان سے ملاقات کے لئے تیار نہ تھا مگر چونکہ ٹھنڈے مزاج کا آدمی تھا۔ اس لئے اپنے ارادوں کو ظاہر کر کے لوگوں کی ہمدردی اور ان کی مدد سے محروم نہیں ہونا چاہتا تھا۔ خود امان اللہ خان کو نادر خان اس بات کا یقین نہیں تھا کہ وہ تخت کابل کو حاصل کر کے اس کے حوالے کر دے گا۔ بمبئی سے یورپ روانگی کے وقت امان اللہ خان نے مولانا ظفر علی سے کہا تھا کہ اسے یہ توقع نہیں کہ نادر خان تخت افغانستان پھر اس کے حوالے کر دے گا۔

بچہ سقہ نے سمت جنوبی کا رخ کیا۔ کچھ فوج سمت مشرقی کو نہ بھیجی جہاں مقیم نادر خان کا بھائی ہاشم خان ہندوستان کی طرف بھاگ کھڑا ہوا سقوی فوجیں سمت جنوبی میں سے گزر کے آگے بڑھ گئیں اور خوست کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ مگر خوش قسمتی سے وزیر قبائل کی مدد حاصل کر کے نادر خان بھاگنے سے بچ گیا۔ نادر خان پشاور سے درہ کرم کے راستے سمت جنوبی میں داخل ہوا تھا اور خوست کے علاقے میں مقیم تھا۔ شروع میں اس نے آفریدی اور ورکزئی لشکر کے حصول کی کوشش کی مگر انگریزوں نے انہیں نہیں چھوڑا۔ اس کے بعد نادر خان نے محسود اور وزیر قبائل کے پاس وفد بھیجے وہ ۱۹۱۹ء کی طرح اب بھی امان اللہ خان کی حمایت میں کابل پر حملے کے لئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ وزیر اور محسود قبائل کا یہ لشکر نادر خان کے دوسرے اور چھوٹے بھائی سردار شاہ ولی خان کی ماتحتی میں سقویوں سے بچ بچا کے پہاڑی دروں سے پہلے لوگر پہنچا اور پھر کابل کا رخ کیا، حاجی قبیلے کا ایک اور لشکر شاہ محمود

خان کی ماتحتی میں جو کہ نادر خان کا چوتھا بھائی تھا۔ روانہ ہوگیا تھا شاہ ولی خان کے لشکر کا لوگر کے قریب سقوی فوجوں سے سامنا ہوا۔ سقوی فوجیں شکست کھا کر بھاگیں شاہ ولی خان نے کابل کا محاصرہ کیا۔ سقویوں نے کابل کی حفاظتی پہاڑیوں کو خوب مضبوط کیا تھا۔ قبائلی لشکر نے جنوب اور مشرق کی طرف سے زوردار حملے شروع کئے۔ آدھی رات کو قبائلیوں نے پھر حملہ کیا۔ ایک مختصر جنگ کے بعد سقوی لشکر بھاگ نکلا۔ صبح کو قبائلوں نے کابل پر قبضہ کیا۔ بچہ سقہ ارگ میں محصور ہوگیا۔ قبائلی لوٹ مار میں مصروف ہوگئے اگلے روز بچہ سقہ کے ایک فوجی افسر نے کابل کے باہر سے حملہ کیا۔ قبائلی لوٹ مار چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک خونریز معرکے کے بعد سقوی بھاگ نکلے۔ بچہ سقہ نے نادر خان کے خاندان کے تمام افراد کو ارگ میں قید کر رکھا تھا تاکہ شاہی محل پر گولہ باری نہ ہو مگر شاہ ولی خان نے پہلا گولہ خود چلا کر محل پر گولہ باری کرائی۔ جس سے ارگ کے میگزین میں آگ لگ گئی۔ اب بچہ سقہ نے ہار مان لی اس نے نادری خاندان کے ایک فرد کے ذریعے ارگ سے نکل جانے کی خواہش شاہ ولی خان کو پیش کی۔ اس کی خواہش مانی گئی اور وہ اپنے ساتھیوں اور اہل عیال سمیت سمت شمالی کی طرف چلا گیا۔

(،،زمیندار،، لاہور۔ ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۹ء)

قبائلی لشکر بدستور لوٹ مار میں لگا رہا۔ جس کے ہاتھ جو آیا وہ اُسے لیکر بھاگ۔ بچہ سقہ بھاگ گیا تھا اب کسی کی حکومت باقی نہیں رہی تھی۔ کابل کے شہریوں پر ایک بار پھر آفت آئی۔ بچہ سقہ بھاگ کر جبل السراج پہنچا۔ اور نادر خان کو اس فتح کی خوشخبری دی گئی اور وہ فوراً تیزی سے کابل کی طرف روانہ ہوگیا۔ ابھی ارگ کے میگزین میں آگ جل رہی تھی۔ اس سے نادر خان ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو کابل پہنچ کر ملا شور بازار کے بھائی آغا نے شیر احمد خان یا شیر آغا جان کے مکان میں مقیم ہوا۔ اس نے اپنی ہی تخت نشینی کا اعلان کیا۔ جو پہلے سے بنا ہوا منصوبہ تھا۔ اس پر امان اللہ خان کے حامیوں کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔

ہندی مسلمانوں کو نادر خان کی تخت نشینی سے بہت صدمہ پہنچا۔ مولانا ظفر علی خان نے نادر خان کو ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کی طرف تار برقی پیغام بھیجا کہ میں آپ کو اس تاریخی فتح کے موقعے پر جو آپ کو وحشی سقویوں پر حاصل ہوئی۔ اور آپ فاتح کابل میں داخل ہوئے، دلی مبارکباد دیتا ہوں۔ اور کہتا ہوں کہ مجھے ہرگز یقین نہیں آتا کہ آپ نے افغانستان کی حکومت کی بھاگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ افغانستان کے تخت کا

جائز اور حقیقی مستحق آپ کا ولی نعمت غازی امان اللہ خان ہے۔ اگر آپ نے واقعی یہ فیصلہ کیا ہے تو اس سے آپ کی تمام مخلصانہ کوشش اور وعدے غلط ثابت ہو جاتے ہیں۔ جو آپ نے اس سے پہلے کئے تھے کہ آپ کی ان تمام سرگرمیوں کا مقصد یہی ہے کہ تخت افغانستان پر اعلیٰ حضرت غازی امان للہ خان دوبارہ متمکن ہوں۔ اس فیصلے سے آپ کی تمام تر کامیابی عبث ہو جائے گی۔ اور آپ کی اور عالمگیر شہرت جس کی بنا پر آپ وسط ایشیاء کے ایک بڑے اور مدبر اور سلیم الطبع شخصیت سمجھے جاتے رہے ہیں۔ مٹی میں مل جائے گی۔ معلوم نہیں کہ نادر خان نے اس کا جواب دیا یا نہیں۔

البتہ افغانستان میں بھی ایسے لوگ بہت تھے جن کو سقوط کا بہت صدمہ تھا اور وہ آپس میں اسلحہ تقسیم کر کے بچہ سقہ کے خلاف بغاوت کرنے کی تیاری کرر ہے تھے کہ کابل پر قبائلیوں کا قبضہ ہوا نادر خان نے بچہ سقہ کے تعاقب میں قبائلی لشکر شمال کی طرف بھیجا۔ اس دوران سید حسین دس ہزار فوج لے کر بچہ سقہ کی مدد کے لئے جبل سراج پہنچا۔ اور دونوں میں مشورہ شروع ہوا۔ مگر صبح ہونے پر سید حسین کے تمام سپاہی سوا چند آدمیوں کے بھاگ گئے تھے۔ اب بچہ سقہ کی اُمیدوں پر پانی پڑ گیا تھا۔ اس نے نادر خان کے ایک فوجی آفیسر کے زریعے نادر خان سے جان کی امان کی شرط پر اہتھیار ڈالنے کی پیش کش کی۔ نادر خان نے جان بخشی کا وعدہ کیا اور سید حسین اور بچہ سقہ کو اپنے اہم ساتھیوں کے ساتھ کابل پہنچایا گیا۔ شیر آغا جان کے مکان پر انہوں نے نادر خان سے ملاقات کی۔ اس موقع پر بچہ سقہ نے نادر خان سے یوں کہا میں تمہارے پاس آیا ہوں جیسے ایک بہادر شخص دوسرے بہادر شخص کے پاس آتا ہے۔ اللہ پاک نے مجھے موقعہ دیا کہ میں نے اس ملک پر نو ماہ تک حکومت کی۔ اور آج وہی بادشاہی مجھ سے لے کر اس نے تمہیں دی ہے اب تم شوق سے حکومت کروں۔ یہ ملک تم نے تلوار سے حاصل کیا ہے اب اس پر حکومت تمہارا حق ہے۔

اس کے بعد بچہ سقہ چپ ہو گیا۔ اور سید حسین نے بچہ سقہ سے کہا کہ لالا اور یہ لو نائب سلطنتی کی مہر اور یہ وزارت حربیہ کی مہر اور تیسری ترکستان کے رئیس تنظمہ کی مہر۔ لو۔ ان تینوں کو سنبھال کر رکھو۔ اس کے بعد بچہ سقہ نے ان تین مہروں کے ساتھ اپنی خاص بادشاہی مہر شامل کر کے نادر خان کے حوالے کی ان کے خیال میں ان دونوں نے یہ ایک سلطنت کے انتقال کا آئینی فریضہ ادا کیا۔ تیسرے روز بچہ سقہ اور اس کے ساتھی ارگ کو بھیج دئے گئے۔ اور

ایک مضبوط برج میں قید کر دئے گئے۔ نادر خان کا ان کی جان بخشی کا وعدہ محض ایک بہانہ تھا۔ وہ بچہ سقہ کو سلطنت اور امن وامان کے لئے بہت بڑا خطرہ سمجھتا تھا۔ لہذا وعدہ خلافی کی تہمت سے بچنے کے لئے اس کا معاملہ جرگہ کے حوالے کیا۔ جس نے انہیں موت کی سزا دی۔ چنانچہ بچہ سقہ کو اپنے گیارہ اہم ساتھیوں کے ساتھ چاند ماری کر کے مار دیا گیا۔ بچہ سقہ اور اس کے ساتھیوں کی لاشیں بہت دنوں تک شاہی سڑک کے کنارے کھڑے درختوں سے لٹکی رہیں لوگ ان کا تماشہ کرتے رہے۔ بچہ سقہ کے معنی ماشکی کے بچے کے ہیں اس کا والد شاید ماشکی رہا تھا۔

نادرشاہ (۱۹۲۹ء-۱۹۳۳ء)

تخت نشینی کے بعد جنرل نادر شاہ کے نام سے افغانستان کا بادشاہ بنا۔اس سے محمد زئی خاندان کے پائندہ خیلوں کی حکومت کے بعد ایک اور شاخ یحییٰ خیلوں کی حکومت شروع ہوئی۔نادر خان کے جد امجد سلطان محمد خان کے والد کا نام یوسف خان تھا۔نادر خان نے امیر حبیب اللہ خان کے عہد میں ایک فوجی کرنل کی حیثیت سے زندگی شروع کی۔اپنی ذاتی قابلیت اور ہمت کی بدولت جلد ہی جرنیل بن گیا۔

امیر امان اللہ خان کے زمانے میں منگل قوم کی ۱۹۲۴ء کی بغاوت کو نادر خان ہی نے اپنی فوجی مہارت، تدبر اور جانفشانی سے ختم کر دیا تھا۔اس کے عوض اسے سپہ سالار بنا دیا گیا۔مگر بعد میں نادر خان کے تعلقات امان اللہ خان سے خوشگوار نہ رہے۔اور اسے فرانس کا سفیر بنا دیا گیا۔نادر شاہ نے بادشاہ بنتے ہی مجلس شوریٰ کی تشکیل کی۔بیرونی ممالک کے ساتھ از سر نو تجارتی اور سفارتی تعلقات قائم کئے۔ذرائع آمد و رفت کو ترقی دی اس نے اعتدل کی پالیسی اختیار کی۔اس نے ۱۹۳۲ء میں ۱۹۲۳ء کے ہی نمونے نے پر دستور کا اعلان کیا۔مگر اس میں دو دیوان تجویز کئے گئے تھے۔ایک میں ملک کے ممتاز افراد کو نافذ کیا جاتا۔اور دوسرے کے ارکان منتخب ہوتے تھے۔مجلس شورائے ملّی کے افتتاح کے موقعہ پر نادر شاہ نے جو تقریر کی۔اس سے اس کی پالیسی کا اظہار ہوتا ہے۔اس تقریر کے کچھ حصے یہ تھے۔

،،قادر و توانا اللہ کے نام سے جن کی ذات دنیا اور آخرت کی نیک بختیاں بخشنے والی ہے۔میں اس مجلس شورائے ملی کا افتتاح کرتا ہوں۔،،

اور اللہ پاک کے دربار میں افغانستان کی حکومت اور عوام کے لئے توفیق کی دُعا مانگتا ہوں۔کہ وہ حضرت محمد ﷺ کی شریعت پاک کے سائے تلے اس خاک پاک کو عزت اور بزرگی دے۔تاکہ دین کی ترقی اور کلمتہ الحق کی سر بلندی کے سلسلے میں افغانستان کو کامیابی حاصل ہو۔

میرے عزیزو! میں اللہ پاک کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آج میں دوسری مرتبہ افغانستان کو نفاق اور خانہ جنگی کی مصیبتوں سے محفوظ اور پر امن دیکھتا ہوں۔،، ہم سب مسلمان ہیں اور ہمیں قرآن حکیم کا حکم ہے کہ

"وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ"

ترجمہ!(اے نبی ﷺ) اپنے ساتھیوں سے کاموں میں مشورہ کیا کر۔اور جب تو کسی کام کا ارادہ کرلے تو اپنے رب پر بھروسہ کر،،)

ہمارے تمام کاموں کی بنیاد مشورہ پر ہے اس کے لئے ہم مکلف تھے، ہیں اور رہیں گے۔ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ مسائل کے حل کے لئے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کرتے تھے۔خلفائے راشدینؓ بھی ہر کام مشورہ سے کرتے۔خلفائے عباسیہ بھی اہم کاموں میں مشورے کو ضروری خیال کرتے تھے۔

افغانوں میں مدتِ دراز سے شوریٰ کا اصول قام ہے پشتونوں کے جرگے میری نظر میں افغانستان کے حاکم عادل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

میرے بھائیو اور دوستو!میں آپ کے سامنے وہ واقعات بیان کروں گا جن کا تعلق افغانستان کی خارجی سیاست سے ہے جب میں نے افغانستان کی سرزمین پر قدم رکھا تو اس وقت میں نے شاہ محمود خان اور شاہ ولی خان کو سمت جنوبی میں اور ہاشم خان اور گل محمد خان کو سمت مشرقی میں متعین کیا۔لیکن جب امان اللہ خان قلات کی حدود میں ظاہر ہوا اور کابل پر حملے کا ارادہ کیا تو سمت جنوبی کے لوگ متردّد ہوئے وہ سمجھے کہ میں اپنے بھائیوں کے ساتھ امان اللہ خان کی حمایت میں کوشش کررہا ہوں۔تو میں نے انہیں صاف الفاظ میں بتایا کہ میرا تعلق کسی شخصیت سے نہیں ہے ....بلکہ ہمارے آنے کا مقصد ہے یہ کہ افغانستان میں امن قائم ہوا اور خانہ جنگی ختم ہو جائے۔اور جس شخص کو افغانستان کی ملت اور اقوام پسند کریں وہ بادشاہ ہوگا.......حکومت برطانیہ نے ہماری مدد نہیں کی اور غیر نبداری کا عذر پیش کیا اور کرزئیوں کو راستہ نہیں دیا......جاجی جو ایک غیر قوم ہے اور منگل اور احمد زئی نے میرا ساتھ دیا.....وزیروں نے میری دعوت قبول کی اور میرے حامی بنے.....اس سلسلے میں برطانوی حکومت نے مجھ پر بڑی سختی کی......

فتح کے بعد اہل غرض نے پرپیگنڈہ کیا کہ گویا برطانیہ نے سمت جنوبی میں مسلمانوں کی کوئی مدد کی۔آج میں ملت کے وکلا کے سامنے یہ اعلان کرتا ہوں کہ خدائے پاک کے فضل وکرم اور افغان عوام کی جانثاری کے بغیر میں نے کسی اور طاقت کی مدد سے کابل فتح نہیں کیا ہے۔

جو افراد اور اقوام امانی حکومت کی مخالف تھیں اسی طرح وہ وزراء عسکری افسروں، روحانی لوگوں اور قوم دیگر عزیز

افراد جو امان اللہ خان کے ضرر رسان اعمال سے موافقت نہیں کرتے تھے۔ان کی یہ مخالفت وطن کی بہتری کے لئے تھی۔ان کی غرض یہ تھی کہ امان اللہ خان کی نا عاقبت اندیشانہ حرکات اور شہرت پسند خواہشات سے منع کریں۔ لیکن امان اللہ خان نے چند کوتاہ اندیشوں کے بہکانے پر ملت کے مشورے تھی پس پشت ڈال دئے اور لوگوں کو خود سے متنفر کر دیا۔

جس وقت میں کابل پہنچا اور آپ کی ملت نے بہت افراد کے ساتھ مجھے اپنا بادشاہ منتخب کیا تو وزارت خارجہ نے ساری دنیا میں اس کا اعلان کیا.....سب دوست مملکتوں نے مبارکبادی کے پیغامات بھیجے اور موجودہ حکومت کو تسلیم کیا۔

البتہ پچھلے سال بعض متعاہد حکومتوں نے میری مدد کی۔چنانچہ برطانوی حکومت نے بغیر کسی شرط کے ایک لاکھ پچھتر ہزار پاونڈ کا بلا سود قرضہ دیا۔اور دس ہزار بندوقیں اور پچاس ہزار کارتوس دئے۔میں نے یہ غیر شرط امداد کے ساتھ قبول کی۔امان اللہ خان نے بھی موٹریں اور ٹیلیگرف کی تاریں برطانیہ سے حاصل کی تھیں۔جب وہ لندن میں تھا۔تو برطانیہ کی طرف ست نقد رقم،دس ہزار بندوقیں اور دوسری چیزیں تحفے میں حاصل کی گئی تھیں۔ جرمنی نے ہمیں پانچ ہزار بندوقیں اور پچاس لاکھ کاتوس دئے ہیں۔اور ان کی قیمت اس قرضے میں شامل ہے جو آٹھ سال میں ادا ہوگا....میری حکومت نے کسی کو حقوق اور خاص امتیازات نہیں دئے ہیں۔

فتح کے موقعے پر مسعود اور وزیر قبائل کے ساتھ نادر شاہ نے انعامات کے وعدے کئے۔جو خزانہ خالی ہونے کے باعث پورے نہ کئے جا سکے۔اس سے امان اللہ خان کے حامیوں نے فائدہ اُٹھایا اور ۱۹۳۳ء میں مسعود اور وزیر قبائل کا ایک لشکر کابل پر حملہ کے لئے تیار ہوا۔انگریز جو کہ غازی امان اللہ خان کے دوبارہ تخت نشین ہونے کے خلاف تھے۔اس لئے اس لشکر کو منع کیا اور نہ رکنے پر اس پر ہوائی جہازوں سے بمباری کر دی۔۱۹۳۳ء کو جلسہ تقسیم اسناد میں ایک طالب علم عبد الخالق نامی نے پستول سے فائر کر کے نادر شاہ کو شہید کر دیا۔جس کے باپ کو غالباً نادر شاہ نے قتل کر دیا تھا۔

المتوکل علی اللہ، محمد ظاہر؛ ۱۹۳۳ء–۱۹۷۳ء

نادر شاہ کی موت پر اس کا پندرہ سولہ سالہ لڑکا محمد ظاہر شاہ تخت پر بیٹھا اور سکوں پر، ،المتوکل علی اللہ محمد ظاہر شاہ، ، لکھوایا۔ اس کے چچا محمد ہاشم خان، شاہ ولی خان نیز شاہ محمود خان نے قدم قدم پر اس کی اعانت اور رہنمائی کی اس کا چچا ہاشم خان سترہ سال تک ملک کا صدر اعظم رہا۔ ظاہر شاہ نے اپنے باپ کی دانشمندانہ معتدلانہ اور ترقی پذیری کی پالیسی جاری رکھی۔

۱۹۳۶ء میں افغانستان نے امریکہ کی inland Exposation Comapany کو پچھتر سال کے لئے تیل کی تلاش و تحقیق کا ٹھیکہ دیا۔ جولائی ۱۹۳۷ء میں افغانستان نے اسلامی ملکوں ترکی، عراق اور ایران کے اس معاہدے میں شمولیت اختیار کی جو غازی امان اللہ خان کے زمانے میں ۱۹۲۳ء میں، ،میثاق سعد آباد، ، کے نام سے ہوا تھا۔

۱۹۳۹ء میں دوسری عالمگیر جنگ چھڑ گئی۔ افغانستان غیر جانبدار رہا۔ افغانستان کی دو بڑی ہمسایہ مملکتیں روس اور برطانیہ ایک دوسرے کی حلیف بن گئیں۔ ۱۹۴۰ء میں برطانوی فوجوں نے ایران کے جنوبی اضلاع پر قبضہ کر لیا اور شمالی صوبہ آذر بائیجان پر روسی قابض ہو گئے۔ رضا شاہ پہلوی کو ان دونوں نے تخت سے اُتار کر اس کے بیٹے محمد رضا کو شاہ ایران بنا دیا۔ محمد رضا شاہ پہلوی کو جو محوری طاقتوں جرمنی اور اٹلی کے لئے نرم گوشہ رکھتا تھا۔ اتحادیوں نے جنوبی امریکہ کے ملک ارجنٹائن میں جلاوطن کر دیا۔ روس اور برطانیہ نے ان جرمنوں اور اطالویوں کو گرفتار کر کے قیدی بنالیا جو ایران میں کسی نہ کسی حیثیت میں موجود تھے۔ افغانستان پر بھی دباؤ ڈالا گیا کہ اپنے ہاں کے جرمنوں اور اطالویوں کو باہر نکال دے۔ افغان حکومت نے ، ،لویہ جرگہ، ، بلا کر ملت اور برطانیہ کے حوالے کرنے انکار کیا۔ آخر کار کابل میں وزیر خارجہ افغانستان اور برطانیہ اور روس کے سفراء کے درمیان ترکی کے سفیر کی موجودگی میں اس مضمون کا معاہدہ ہوا کہ افغانستان کی حکومت اپنے ہاں کے جرمنوں اور اطالویوں کو درۂ خیبر کی چوکی تورخم میں ہندوستان کے برطانوی حکام کے حوالے کر دے گی۔ اور برطانوی حکومت اس سارے قافلے کو بحفاظت تمام ہندوستان اور عراق کی راہ سے ترکی و عراق کی سرحد پر ترکی کے حکام کے حوالے کر دے گی اور ترکی کی غیر جانبدار حکومت ان لوگوں کو اپنے اپنے ملکوں میں پہنچانے کی ذمہ دار ہو گی۔ افغانوں کے اس کی مہمان

نوازی کے جذبے کو دنیا نے بہ نظر استحسان دیکھا۔

محمد ظاہر شاہ نے ۱۹۳۵ء میں پہلی دفعہ پشتو زبان وادب کی ترقی کے لئے "پشتو ٹولنہ" (Pashto Academy) کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس نے اب تک معیاری، نصابی، علمی، ادبی، پشتو وفارسی کتب پانچ سو سے زیادہ تعداد میں شائع کی ہیں۔

۱۹۳۶ء میں ریڈیو کابل کی داغ بیل پڑی جدید خیالات آہستہ آہستہ افغانستان میں خود بخود رائج ہوتے گئے۔ اندرونی اور بیرونی طور پر ظاہر شاہ کا چالیس سالہ دورِ حکومت پرامن رہا بڑے ہمسایہ کمیونسٹ روس اور عالمی سرمایہ دار طاقت امریکہ سے یکساں دوستانہ تعلقات رکھے گئے۔ ان دونوں نے افغانستان کی تعمیر و ترقی میں ایک دوسرے سے بڑھ کر حصہ لیا۔ ظاہر شاہ نے روس اور انگلستان کے دورے کئے۔

۱۹۴۷ء میں مسلمانانِ ہند کی خود مختار اسلامی حکومت پاکستان کے نام سے وجود میں آئی اور انگریز کے برِصغیر سے رخصت ہو جانے کے بعد پاکستان افغانستان کا مشرقی ہمسایہ بن گیا۔ ہندو کانگریس کی حلیف جماعت خان عبدالغفار خانؔ کی سرخ پوش تحریک نے صوبہ سرحد کے پشتونوں کو ہندوستان، پاکستان یا افغانستان میں شمولیت کا مطالبہ کیا مگر انگریزوں کو پشتونوں کی وحدت کب گوارا تھی۔ لہذا صوبہ سرحد میں استصواب کرایا گیا اور پاکستان یا ہندوستان میں شمولیت کا اختیار دیا گیا۔ لہذا سرحد کے اٹھانوے فیصد پشتونوں نے بجائے متعصب ہندو بھارت کے مسلمانوں کے ملک پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا جس سے ظاہر شاہ کی حکومت برہم ہوگئی۔

اور پھر ہندو کانگریس کے سربراہ پنڈت جوہر لال نہرو نے نہایت عیاری سے افغانوں کو شیشے میں اُتارا کیونکہ وہ نو آزاد ملک پاکستان کو ہر طرح سے نقصان پہنچانے کے درپے تھا۔ اس مقصد کے لئے ہندوؤں نے دس لاکھ روپے سالانہ کی گرانٹ افغانستان کو دینے کی بات طے کی تاکہ وہ پاکستان کے پشتون علاقون اور نیم خود مختار قبائلی علاقوں پر معائدہ ڈیورنڈ کے برعکس برابر اپنا استحقاق جتاتا رہے ۱۹۵۰ء میں تو نوبت پاک افغان سرحدی تصادم تک پہنچ گئی تھی۔ سرحد اور بلوچستان کے قوم پرست اسے پشتون حب الوطنی کا تقاضہ سمجھتے رہے۔ آخر میں روسی فوجوں کے افغانستان سے ۱۹۹۰ء میں نکل جانے کے بعد یہ پروپیگنڈہ ختم کر دیا گیا۔ روزانہ رات کو ریڈیو کابل ۴۳ برس تک پشتو اور بلوچی زبانوں میں پشتونستان کا پروپیگنڈہ ایک گھنٹے تک کرتا رہا۔

معاندت کے اسی ماحول میں افغانستان اقوام متحدہ کا وہ واحد رکن اور اسلامی ملک تھا جس نے ۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ میں پاکستان کی رکنیت کی مخالفت کی تھی۔

۱۹۶۰ء میں نادر شاہ کے بھتیجے اور سردار عبدالعزیز خان کے بیٹے سردار داؤد کی صدارت عظمیٰ ۶۰-۱۹۵۳ء کے دور میں پاکستان اور افغانستان کے سفارتی تعلقات ختم ہو گئے کیونکہ خان عبدالغفار خان سرخ پوش رہنماہ (عرف سرحدی گاندھی) اور خان عبدالصمد خان اچکزئی انجمن وطن کے رہنما (عرف بلوچی گاندھی) دونوں پاکستانی جیلوں میں محبوس تھے۔ اور پاکستان سے فرار ہو کر افغانستان جانے والے قوم پرست پاکستان کے ہر طرح سے شاکی تھے۔

روس نے قندہار۔کابل شاہراہ تعمیر کر کے افغانستان کو دی اور امریکہ نے کابل ہرات شاہراہ تعمیر کی کابل قندھار، ہرات، مزار شریف وغیرہ میں ہوائی اڈے تعمیر کئے گئے، لڑکوں اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم کے لئے سکول تعمیر کئے گئے، جن کا لباس مغربی ہوتا تھا۔ کابل مین سینما گھر بنے جن میں بھارتی فلمیں بکثرت دکھائی جاتی تھی۔ یہ بھارتی ثقافتی یلغار تھی، چنانچہ عام افغانوں کا رجحان بجائے اپنے ہمسایہ پاکستان کے دوسرے یا دور کے ہمسایہ ہندوستان کی طرف ہو گیا۔

۱۹۶۴ء میں افغانستان میں دستور اساسی یا آئین بنایا گیا اور عوام کی نمائندہ پارلیمنٹ نے روایتی ''لویہ جرگہ'' کی جگہ لے لی۔ فوجی تربیت لازمی قرار دی گئی جو دو سال کی ہوتی تھی ملک کے پہلے صدر اعظم ہاشم خان دوسرے سترہ سال بعد شاہ محمود خان تیسرے سردار داؤد نو سال تک، چوتھے ڈاکٹر محمد یوسف اور پانچویں محمد ہاشم میوندوال بنے یہ آخری دو شاہی خاندان میں سے نہیں تھے۔

روس نے پل خمری کے مقام پر تیل صاف کرنے کا کارخانہ بنایا ظاہر شاہی دور میں صنعتی و معدنی ترقی بھی ہوئی باگرام میں کپڑے بنانے کا بڑا کاخانہ غالباً روس نے بنایا ریاستہائے متحدہ امریکہ نے کابل یونیورسٹی کی عمارت بہت خوبصورت بنادی افغان فضائی کمپی آریانا افغان ائیر لائنز وجود میں آئی کابل وغیرہ میں بڑے بڑے جدید ہوٹل تعمیر ہوئے۔ بینکوں کا نظام وجود میں آیا، اسلامی دیوانی احکام اور قاضی عدالتیں موجود ہیں۔ قصاص کے اسلامی حکم پر آخر تک عملدر آمد جاری رہا۔

جولائی ۱۹۷۳ء میں ظاہر شاہ کے چچازاد بھائی اور بہنوئی سردار داؤد نے جولیونی سردار (دیوانہ سردار) کے نام سے معروف تھا اس وقت حکومت کا تختہ الٹ کر اس پر قبضہ کیا جب ظاہر شاہ یورپ کے دورے میں اٹلی کے صدر مقام روم میں موجود تھا۔ اس طرح ظاہر شاہ نے بھی ۱۹۶۰ء میں ۳۱ سال تک جلاوطن رہنے والے غازی امان اللہ خان کی طرح روم ہی کو اپنا ٹھکانا بنایا اور ۲۰۰۳ء میں جب امریکہ کا کٹھ پتلی، کوئٹہ میں مقیم افغان مہاجر حامد کرزئی افغانستان کا صدر بنا تو وہ روم جا کر بڑے تپاک سے محمد ظاہر شاہ کو بیس سال کی جلاوطنی کے بعد وطن واپس لایا۔ آنے کے بعد تاجک اور ازبک، ہزارہ پر مشتمل شمالی اتحاد نے ظاہر شاہ کی بادشاہی اور سربراہی کی مخالفت کی لہذا ظاہر شاہ کابل میں اپنے آبائی گھر میں مقیم ہو گیا اور کرزئی حکومت نے اسے ،، بابائے قوم ،، کا لقب دیا۔ اس وقت ظاہر شاہ کی عمر نوے برس ہے۔ اگر اب تک بادشاہ رہتا تو ستر برس کی حکومت کرنے پر ملکہ وکٹوریہ انگلستان کا سڑسٹھ سالہ ریکارڈ توڑ دیتا۔

محوری طاقتوں نے ۱۹۳۷ء میں نقیب گیلانی شامی عرب کو شامی پیر کے بھیس میں کانیگرم وزیرستان بھیجا تا کہ قبائلی لشکر لے کر کابل پر چڑھائی کرے اور امان اللہ خان کو پھر سے بادشاہ بنایا جائے۔ مگر انگریزوں نے اسے گرفتار کر کے اس کا پردہ چاک کر دیا اور کابل ایک اور مصیبت سے بچ گیا۔

داؤدی انقلاب

سردار داؤد نے ظاہر شاہ کا تختہ الٹنے پر ملک کو جمہوریہ قرار دیا اور خود صدر بنا، اس کا چھوٹا بھائی سردار محمد نعیم وزیر خارجہ بنا چونکہ وہ پہلے سے مخالف پاکستان (Anti pakstan) تھا اس لئے پاکستان سے افغانستان کے سفارتی تعلقات خراب ترین سطح کو چھونے لگے۔ اس کی برائے نام جمہوریت کو جو آمریت ہی کا دوسرا روپ تھی ۔روس کی خفیہ مداخلت کا نتیجہ قرار دیا گیا لیکن روس سردار داؤد سے خوش نہیں تھا تبھی تو روسی کمیونسٹ نظریئے کی علمبردار دو پارٹیوں ''خلق'' اور ''پرچم'' نے زور پکڑا خلق دھڑے کا سربراہ نور محمد ترکئی غلجئی تھا یہ پشتونوں کی کمیونسٹ پارٹی تھی۔ ''پرچم'' دھڑا غیر پشتونوں یعنی فارسی بولنے والے کمیونسٹوں پر مشتمل تھا۔ جس کی سربراہی ببرک کارمل تاجک کے سپرد تھی۔ داؤد خان نے ان دونوں پارٹیوں پر پابندی عائد کر دی پانچ سال کی حکومت کے آخری سال سردار داؤد نے بیرونی ملکوں کا دورہ کیا۔ اپریل ۱۹۷۸ء میں اس نے سعودی عرب کا دورہ کیا۔

کعبہ شریف جا کر عمرہ بھی ادا کیا۔ حکومت سعودی عرب نے افغانستان کی اقتصادی امداد کا وعدہ بھی کیا۔ جب داؤد خان واپس اپنے وطن لوٹا تو کمیونسٹ روسی استعمار کو اس کی آزادہ روی ناگوار گزری اور اس نے اپنے مہروں کو اشارہ کیا۔ چنانچہ ۱۹۷۸ء کے ستمبر میں افغانستان میں ایک خونریز کمیونسٹ انقلاب آیا کمیونسٹوں نے افغان فوج میں اپنی جڑیں مضبوط کر لی تھیں۔

کمیونسٹ انقلاب

۲۷ اپریل ۱۹۷۸ء بروز جمعرات کابل میں دن کے ایک بجے فوجی کرنل ڈگروال عبدالقادر نے فوجی انقلاب برپا کیا قصر صدارت پر جنگی ہوائی جہازوں سے بمباری کی جمہوری حرس گارڈ کے دو ہزار میں سے تقریباً اٹھارہ سو آدمی مارے گئے صدر داؤدان کے تین بیٹوں، بیوی اور تین بہنوں سمیت کل ۲۹ افراد کو جمعہ کے روز ۲۸ اپریل کو گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔ اس سے پہلے صدر داؤد نے استعفے دینے سے انکار کر دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ معرکے میں باہر بھی تقریباً ایک ہزار افراد مارے گئے۔ صاحب جان صحرائی اچکزائی کمانڈر گارڈ بھی شہید ہوا۔ بعد میں نور محمد ترہ کئی (غلجی) ساکن علاقہ قندھار صدر بنا دیا گیا ملک کا نام بدل کر جمہوریہ افغانستان رکھ دیا گیا۔ ۲۹ وزیروں کی کابینہ میں تین فوجی یعنی ڈگروال عبدالقادر وطنگیر وغیرہ ایک عورت اور ایک مولوی شاہ محمد شامل تھے جنہیں بعد میں شہید کر دیا گیا۔

صدر داؤد کے باقی افراد خاندان نے فرانسیسی سفارت خانے میں پناہ لی ان کے باعث سفارت خانے کو بہت نقصان پہنچایا گیا ان لوگوں کی جائیدادیں بحق سرکار ضبط کر لی گئیں۔ سردار داؤد حکومت کے سب وزراء جنرلوں اور بڑے افسروں کو گرفتار کر لیا گیا با اثر قبائلی علاقوں کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ ملک میں پشتو کی خصوصی حیثیت ختم کر دی گئی اور اسے ازبکی، دری، تاجکی اور کور مکھی کے برابر کر دیا گیا۔ افغانی جھنڈے کا رنگ تبدیل کر کے پانچ قومیتوں کی نمائندگی کرنے والے پانچ ستارے بنا دیئے گئے ترہ کئی نے چند روز کے بعد عبدالقادر اور صدر پرچم ببرک کارمل کو برخاست کر دیا۔

کمیونسٹ دور:۔

جب ڈگروال عبدالقادر۔ اسلم وطن جار سلطان علی کشتمند ہزارہ اور نور محمد ترہ کئی کی سربراہی میں افغان فوج کے کمیونسٹوں کے زیر اثر دھڑے نے سردار داؤد کو بمعہ اس کے خاندان کے تیرہ چودہ افراد کے بے دردی سے قتل کیا تو خلق پارٹی کے جنرل سیکرٹری یا صدر نور محمد ترہکئی غلجی جو کہ پشتو کا بہت بڑا ناول نگار بھی تھا براہ راست افغان کمیونسٹ حکومت کا صدر بنا دیا گیا۔ روسیوں کے ہاں گھی کے چراغ جلے ایک کٹر مسلمان اور پشتون اکثریت کے ملک افغانستان میں روسی نظریے کی حکومت قائم ہوگئی تھی اور افغانستان کے تیل اور گیس نیز لعل و جواہر کی کانوں اور خزانوں تک ان کی رسائی ہوگئی۔ ان کا سو سال کا افغانستان کو لینے کا خواب پورا ہوگیا۔ اب انہوں نے بحیرہ عرب کے گرم ساحل تک پہنچنے کا خواب تیزی سے دیکھنا شروع کیا۔

''اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے''

کے مصداق روس کو افغانستان سے پٹھو اور مہرے مل گئے تھے اب اسے کمیونزم کے پھیلاؤ اور عظیم کمیونسٹ روسی سلطنت کو جنوبی اور وسطی ایشیاء کے مختلف حصوں تک وسعت دینے کا سنہری موقعہ ہاتھ آتا دکھائی دیا۔ اب اسے پاکستان کو روندتے ہوئے ساحل مکران تک پہنچنے کی دیر تھی۔ بلوچستان میں اس کے لئے زمین ہموار اور حالات سازگار تھے۔ کیونکہ بلوچ قوم پرستوں کی اکثریت کمیونزم سے متاثر اور عرصے سے ملحدانہ خیالات و نظریات کی زد میں رہی تھی۔ چنانچہ پاکستان کی فوجی حکومت نے جنرل ضیاؤالحق کی سربراہی میں اس سرخ سیلاب کے آگے بند باندھنے کا سوچا۔ ادھر دوسرا بڑا استعماری یعنی سرمایہ دار امریکہ کہاں چپ بیٹھنے والا تھا، اس نے مسلمان افغان مجاہدین کو جو روسی تسلط کے خلاف روز اول ہی سے صف آرا ہوگئے تھے، مدد دینے کا ارادہ کیا تاکہ روسی ریچھ کے دست و بازو کاٹ کر اسے معطل بنایا جائے اور اس طرح سرمایہ دار مغرب کو اس کی دستبرد سے بچایا جائے۔

نور محمد ترہ کئی زابل کے مشہور غلجی قبیلے کا فرد اور اس کی ذیلی شاخ ترہ کئی (Tarakai) سے تعلق رکھتا تھا اس نے صدر بنتے ہی درّانیوں کی روایتی بادشاہی کا خاتمہ کردیا یہ بات عام درّانیوں پر بہت شاق گزری۔ نور محمد نے فارسی کی بجائے پشتو کو ترجیح دی۔ اور ریڈیو کابل سے اس کی نرم آواز گونجنی شروع ہوگئی۔ اس نے فوراً جاگیرداری اور زمینداری کا خاتمہ کر کے زمینوں کو سرکاری ملکیت قرار دیا۔ اس نے مذہبی اور روایتی پیروں اور مرشدوں کے

خلاف اقدامات شروع کئے اس نے پشتونوں کے سب سے مؤثر حلقہ علماء ملاؤں اور پیروں پر سب سے پہلے کاری وار کیا ہزاروں علماء کو شہید اور پابند سلاسل کیا۔ بہت سے علماء اور روحانی لوگ فرار ہو کر پاکستان پہنچے اور یہیں کے ہو رہے اسلامی خیالات کے حامل سیاستدان اور دانش ور پاکستان کا رخ کرنے لگے اور بڑی تعداد میں پشاور اور کوئٹہ میں مقیم ہو گئے۔ حفیظ اللہ امین خروٹی غلجی) نور محمد کا وزیر خارجہ بنا۔

ترہ کئی کے اقدامات اور ملحدانہ خیالات کے خلاف محاذ آرائی ہونے لگی جس نے جلد ہی مسلح شکل اختیار کر لی۔ کمیونسٹ کا دوسرا دھڑا،، جو پرچمی،، کہلاتا تھا اقتدار سے تقریباً الگ تھا کیونکہ افغانستان میں پشتونوں کی آبادی ساٹھ فیصد ہے جبکہ تاجک، ازبک، ہزارہ اور ترکمن باشندوں کی آبادی مل ملا کے چالیس فیصد ہے پشتونوں کی آبادی زیادہ تر مشرق اور جنوب مغرب میں ہے۔ مغرب کا ہرات کٹر سنّی ہونے کے باوجود اپنی فارسی زبان کے حوالے سے ایران سے قربت رکھتا ہے۔

نور محمد ترہ کئی کیا قتدار کو بمشکل سال ہی پورا نہیں ہوا تھا کہ خلق پارٹی کے لوگوں کے درمیان اندرونی چپقلش شروع ہو گئی۔ اور حفیظ اللہ امین نے محض اپنی انانیت کے باعث جوابی انقلاب برپا کر کے ۱۹۷۹ء کے ستمبر میں ایک رات کو نور محمد ترہ کئی کو اس طرح ہلاک کر کے اس کی لاش کہیں ٹھکانے لگائی جس طرح ترہ کئی نے سردار داؤد کے ساتھ سلوک کیا تھا۔ حفیظ اللہ کو سی۔ آئی۔ اے کا ایجنٹ کہا گیا اس کے حکم سے نور محمد کا گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کیا گیا تھا۔

دیدی کہ خونِ ناحقِ پروانہ شمع را

چنداں امان نہ داد کہ شب را سحر کند

افغانستان پر روسی حملہ اور قبضہ

روس کے خاص آدمی نور محمد ترہ کئی کی موت سے خرسِ روس تلملا گیا اس نے حفیظ اللہ کو اس یک طرفہ کاروائی اور بدتمیزی کی سزا دینی چاہی روسی صدر نکولائی برژنیف نے فوراً ہی ایک لاکھ پندرہ ہزار سرخ فوجوں کو ہوائی جہازوں میں بھر بھر کر افغانستان بھیجا اور ہر پانچ منٹ بعد ایک ایک طیارہ کابل کے ہوائی اڈے پر اترنے لگا۔ سوویت فوجوں نے فوراً قصر صدارت کا محاصرہ کر کے حفیظ اللہ کو اسی طرح گولی ماری جس طرح اس نے نور محمد ترہ کئی کو راہ

سے ہٹایا تھا البتہ حفیظ اللہ کی بیوی بچ گئی۔ روسی حملہ ۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء کو ہوا تھا روسیوں نے ببرک کارمل کو جو پرچم دھڑے کا سربراہ اور نسلاً تاجک تھا اپنے ٹینکوں پر بٹھا کر قصر صدارت میں براجمان کر دیا۔

یہ دیکھ کر پشتون رہنما، علماء، صلحا، خوانین اور مالکانِ جائیداد و زمین نے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں پاکستان کا روخ کیا۔ جلد ہی پشاور میں افغان مہاجرین کی تعداد دس لاکھ اور بلوچستان میں تین لاکھ تک پہنچ گئی۔ بیس سال بعد پشاور میں یہ تعداد تیس لاکھ اور بلوچستان میں دس لاکھ تک پہنچ گئی۔ اقوام متحدہ کے ادارہ برائے بحالی مہاجرین (U.N.H.C.R) نے ان لاکھوں مہاجرین کو آٹے گھی، چینی، دودھ، خیموں، کمبلوں اور دواؤں کی امداد دینی شروع کر دی۔ افغان مہاجرین کے لئے شہروں سے باہر وسیع قطعاتِ ارضی پر کیمپ اور خیمہ بستیاں قائم کی گئیں.

اُدھر جس دن سے پہلے روسی فوجی نے سرزمینِ افغانستان پر اپنا پہلا قدم رکھا اسی دن سے افغان عوام نے اپنی تاریخی روایات اور روایتی شجاعت کے عین مطابق اپنی پرانی ۳۰۳ بندوقوں اور از کار رفتہ اسلحہ سے روسیوں کی مزاحمت شروع کی روسی حملے کے خوف سے دنیا چند دن تک تو سکتے کے عالم میں رہی بعد میں عرب اور اسلامی ممالک نے دھیرے دھیرے ان کی مدد شروع کی خصوصاً سعودی عرب، کویت اور عرب امارات نے دل کھول کر افغانوں کی مدد کی۔ حتیٰ کہ ان ممالک اور مصر سے سینکڑوں ہزاروں عرب نوجوان اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر برادر مسلمان افغانوں کی مدد کے لئے دوڑے اور روز بروز روسیوں کو زیادہ مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا

ادھر امریکی صدر جمی کارٹر کی تھوڑی سی مالی امداد کو پاکستانی صدر جنرل ضیاؑالحق نے "مونگ پھلی کا دانہ" قرار دے کر مسترد کر دیا۔ جلد ہی ۱۹۸۰ء میں منتخب ہو کر آنے والے رونالڈ ریگن نے افغان مہاجرین اور پاکستان کے لئے معتد بہ مالی امداد کا اعلان کیا۔ امریکہ نے افغان مجاہدین کو روس کے خلاف ہلکے مگر موثر ہتھیار دئے جیسے سٹینگر مزائیل وغیرہ جسے کندے پر رکھ کر بھی چلایا جا سکتا تھا۔ اس مزائیل سے افغان مجاہدین نے بہت موثر کام لیا اور بہت روسی گن شپ ہیلی کاپٹر مار گرائے۔ اور ان کے بے شمار ٹینک تباہ کئے یہ مزائیل آنے سے روسی طیاروں، ٹینکوں اور گاڑیوں وغیرہ کا نقصان روز بروز چارگناہ بڑھنا سروع ہوا۔

پاکستان میں مجاہدین کے اہل وعیال کی خبر گیری اقوام متحدہ کی مدد سے پاکستان کر رہا تھا۔ اور اندرون افغانستان اور عرب مجاہدین اپنے قیمتی خون سے مزاحمت و شجاعت کی نئی اور بے مثل تاریخ رقم کر رہے تھے۔ آہستہ آہستہ

روسی کمیونسٹ پارٹی کو بھی عافیت معلوم ہونے لگی جس نے افغانستان کو بھی مشرقی روسی ملکوں ہنگری اور چیکو سلواکیہ پر قیاس کر لیا تھا جہاں کے لوگوں کو روسیوں نے دنوں اور ہفتوں میں روند ڈالا تھا۔

افغان مجاہدین کی تنظیموں میں انجنیر گلبدین حکمت یار کی ''حزب اسلامی'' مولوی محمد یونس خالص کی ''جمیعت اسلامی'' پروفیسر بہرھان الدین ربانی (تاجک دھڑا) کی،، جمیعت اسلامی،، مولوی محمد نبی محمدی کی ''حرکت اسلامی'' پیر سید احمد گیلانی کی،، جبہہ ملی اسلامی،، اور عبد ربّ الرسول سیاف کی،، جبہہ اسلامی،، روس کے خلاف برسر پیکار تھیں، پنجشیر میں احمد شاہ مسعود کی،، شورائے نظار،، اور شیعہ ہزارہ ''حزب وحدت'' بھی اپنے اپنے طور پر روس کے خلاف مصروف پیکار تھیں۔

ببرک کارمل اس کی معشوقہ اناہیتاراتب زادہ نے ملک میں فحاشی اور عریانی کو فروغ دینے کی کھلم کھلا کوشش کی ۔اناہیاراتب زادہ جیسی آبرو باختہ بے دین اور بے غیرت عورت نے افغان خواتین اور دوشیزاؤں پر زور دیا کہ وہ روسی فوجیوں کو خوش کرنے کے لئے ان کی جنسی ہوس کی تسکین کریں۔

سات سال کے بعد مئی ۱۹۸۶ء میں روسیوں نے ببرک کو ہٹا کر احمد زئی غلجی قبیلہ کے قابل اور ذہین فرد ڈاکٹر نجیب اللہ کو افغانستان کا صدر بنایا۔مگر جہاد افغانستان اسی گرم جوشی کے ساتھ چلتا رہا۔ بریژنیف کے جہنم رسید ہونے پر روس کا نیا صدر گورباچوف بنا جس نے اپنے پانچ سالہ دور حکومت میں کشادگی (Glas Nast) کی پالیسی اختیار کر لی یہ کمیونزم سے سرمایہ دارانہ نظام کی طرف ایک بڑا قدم تھا۔

مولانا ارسلان رحمانی فاتح ارگون یا ارغون (پکتیکا) کے بقول ان کی تنظیم ''خدام الفرقان'' قائم شدہ ۱۹۶۶ نے ظاہر شاہ کے دور ہی میں کمیونزم اور دہریت کے افکار کے خلاف بند باندھا۔جسے حکومت کی حمایت حاصل تھی۔ترہ کئی کے خلاف انہوں نے چاقو چھریوں، کلہاڑیوں اور خاندانی بندوقوں سے جہاد شروع کیا افغان اٹھانوے فیصد مسلمان مگر صرف دو فیصد خلقی اور پرچمی تھے۔علمائے کرام نے تین ماہ جہاد کے بعد پکتیکا صوبے کو سوائے خیبر کوٹ۔ارگون اور شرنہ کے فتح کر لیا۔افغان مسلمان فوج مجاہدین سے مل جاتی تھی۔تھوڑی ایسی فوج جو مکمل طور پر دہریہ تھی یا کمزور ایمان والے فوجی حکومت کے ساتھ رہے ترہ کئی حکومت نے تین دفعہ مولانا ارسلان رحمانی کو قید کیا۔مگر وہ چھوٹ کر باہر آ گئے۔۱۹۸۸ء میں گومل زیٹروک، ہربل، سروئی، پڑاؤ، یوسف خیل اور

باخیل کی چھاؤنیوں پر علماء کا قبضہ ہوگیا تھا۔ان کا خاص اسلحہ پیٹرول میں صابن ڈال کر بنایا ہوا بم تھا جو روسی ٹینکوں کو اڑا دیتا تھا،

نور محمد ترہ کئی نے جواباً مدرسوں پر بلڈوزر چلائے ۔ نیپام بم استعمال کیے، مِگ ایکس اور مِگ چوبیس طیارے استعمال کیے بعد میں مجاہدین نے روسی ٹینکوں کے خلاف راکٹ لانچر استعمال کیے۔ سٹنگر (Stinger) مزائیل تو امریکہ نے جہاد شروع ہونے کے پانچ سال بعد مجاہدین کو دیے جو بڑے مؤثر ثابت ہوئے۔ سروبی میں مجاہدین نے روسی فوجوں کو دوسری جنگ عظیم کے بعد سب سے بڑی شکست دی۔ پانچ ہزار مجاہدین نے چار روزہ جنگ میں روس کا فوجی ٹھکانہ بالکل تباہ کردیا۔ آٹھ سو روسی فوجی مارے گئے۔

،،واشنگٹن پوسٹ،، کے نامہ نگار ولیم ، جے ،کوچلن نے یہ داستان مکمل بیان کی ہے۔روسیوں کے ۱۳۳ ٹینک اور فوجی گاڑیاں تباہ ہوگئیں ۔روسیوں نے باغات ،کھیتوں ،فصلوں ،قصبوں غرض ہر جگہ بے رحمی سے بمباری کی ۔ہر ندی نالے راستے اور سڑک پر لاکھوں ۔کروڑں بارودی سرنگیں بچھائیں ۔کبھی دفعہ افغان پائلٹوں کی روسی پائلٹوں سے جھڑپ ہوئی ۔کیونکہ پرچمی ایک شادی میں روسیوں کی طرف سے خوتین کو اغواء کرنے کی حمایت کرر ہے تھے۔

ایک دفعہ باگرام کے ہوائی اڈے پر پندرہ روسی طیارے اس لئے تباہ ہوئے کہ افغان پائلٹوں کا افغان فوج سے تصادم ہوگیا تھا۔روسیوں نے ان پائلٹوں کے گھروں پر حملہ کرکے ان کے خاندانوں سمیت تباہ کردیا تھا۔افغان پائلٹ ۱۹۸۵ء کے بعد مجاہدین کے سٹنگر میزائلوں سے بہت زیادہ بلندی سے مجاہدین پر بمباری کرتے تھے۔ جو ان سے میلوں دور جاکر گرتے تھے۔روسی آخری سالوں میں بلاوجہ دیہات پر نیپام پر بم برسا کر سنکڑوں ہزاروں دیہاتیوں کو شہید کرتے تھے۔

آخر میں روسی فوج کی تعداد ڈیڑھ لاکھ ہوگئی تھی ۔مگر روس نے اس کی تعداد کبھی نہیں بتائی ۔روس نے ۱۹۸۷ء میں کیمیائی ہتھیار استعمال کیے ۔مگر کبھی اس کا اعتراف نہیں کیا۔جس طرح ۱۹۸۵ء اس کے آغاز میں سات افغان مجاہد تنظیمیں پشاور میں اپنا اتحاد اسلامک یونئی آف افغان مجاہدین آئی (۔یو۔اے۔ایم) کے نام سے قائم کرکے متحد ہوگئی تھیں ۔اسی طرح ان کے درمیان ۱۹۹۸۷ء میں فوجی اشتراک بھی ہوا۔جس سے روس راہ فرار اختیار

کرنے کی سوچنے لگا۔ جس قدر جنگ طویل ہوتی جا رہی تھی مجاہدین کو فائدہ پہنچتا تھا۔

شروع کے آٹھ سالہ جہاد کے دوران ۳۳ ہزار روسی فوجی کام آئے مگر افغان مجاہدین روسی نقصان کو پچاس ساٹھ ہزار کے درمیان بتاتے ہیں۔

انہی دنوں قندھار اور خوست کے محاصروں کے بڑے واقعات ہوئے۔ مجاہدین نے خوست کے محاذ پر روسیوں کو تہس نہس کر کے اس پر قبضہ کیا۔ صدر ضیا الحق نے خوست کی چھاونی کو جا کر دیکھا تھا۔ افغانوں کا جانی نقصان دس سالہ روسی جارحیت کے دوران پندرہ لاکھ کے قریب تھا۔ جبکہ فرانس کے ہاتھوں الجزائر کے شہیدوں کی تعداد دس سال کے دوران چھ لاکھ تھی۔ ویت نام کی جنگ میں امریکہ کے ہاتھوں بلاشبہ تیرہ لاکھ افراد مرے۔ لیکن وہ ملک کی آبادی کا دو فیصد تھے۔ جبکہ افغان شہداء ملک کی آبادی کا سات فیصد تھے۔ تین لاکھ ستاسی ہزار مستقل طور پر معذور ہونے والے افغان ملک کی آبادی کا ۲.۳ فیصد تھے۔ جبکہ جنگ عظیم دوم، میں ہلاک یا زخمی ہونے والے روسیوں کی شرح ۸.۲ فیصد تھی۔ ویت نام کے مہاجرین سات لاکھ تھے۔ جبکہ افغان مہاجرین پچاس لاکھ تھے تیس لاکھ پاکستان میں اور بیس لاکھ ایران میں پناہ لے چکے تھے۔ اور پندرہ لاکھ اپنے ملک میں گھر تھے۔

۱۹۸۸ء تک روس کے ایک ہزار ہوائی جہاز تباہ ہو چکے تھے۔ امریکی (سی۔ آئی۔ اے۔) کے مطابق ۱۹۸۵ء کے آخر تک روس کے سات سو پچاس طیارے تباہ ہو چکے تھے۔ بعد میں ۲۷۹ جہاز سٹنگر میزائیل پہنچنے کے بعد تباہ ہوئے۔ ایک روسی جنرل کے اعتراف کے مطابق پندرہ ہزار سے زائد فوجی ہلاک اور تیس ہزار زخمی ہوئے۔ روسی فوج کو افغانستان میں داخل ہونے کا حکم دینے والا جنرل اس قدر غرور میں تھا کہ ایک مرتبہ کسی نے جنگ افغانستان کے بارے میں سوال کیا تو اس نے انتہائی حقارت سے کہا ،، مسلہ اب ختم ہو چکا ہے ہم افغان حکومت کی درخوست پر گئے ہیں۔ اور دنیا بھر میں اشتراکیت کو جہاں خطرہ لاحق ہوگا سرخ فوج اس کی مدد کرے گی،،

مگر نو سال بعد ۱۵ فروری ۱۹۸۹ء کو جب روسی فوجیں شکست کھا کر،، پل دا ستئی پر سے دریائے آمو کو عبور کرنے لگیں تو ان کے جنرل کو پیچھے مڑ کر دیکھنے کی ہمت تک نہ ہوئی اور ایک منٹ سات سیکنڈ تک کھڑا خود کو اور اپنے رہنماؤں کو گالیاں دیتا رہا۔ جنہوں نے افغانستان میں فوج بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔

۱۱۲ اگست ۱۹۸۸ء کو پاکستان نے اپنے علاقے میں داخل ہونے والا روسی مگ ۲۹ ہوائی جہاز اپنے ایف سولہ

طیارے کے ذریعے گرایا۔ مگر اس کے روسی پائلٹ کو پاکستان نے خیر سگالی کے طور پر ۱۲ اگست ۱۹۸۸ کو واپس کیا ۔اس پر روس نے امریکی سفیر سے کہا تھا۔ کہ ہم پاکستان پر بمباری نہیں کریں گے ۔البتہ ضیاالحق کو سبق ضرور سکھائیں گے۔

جب روسی فوجیوں کی لاشوں کے تابوت ماسکو پہنچنے لگے تو اس جنگ کو امریکی پاکستانی اور چینی سپاہیوں سے لڑنے کا نام دیا جانے لگا۔ بعدازاں جوں جوں روسی فوجوں کا گھیرا تنگ ہونے لگا تو پاکستان پر دباؤ ڈالا جانے لگا کہ کابل انتظامیہ کو تسلیم کرے۔ پھر کہا جانے لگا کہ براہ راست مذاکرات کردے مگر جب پاکستان نے نہ صرف کابل انتظامیہ کو تسلیم کرنے سے انکار کیا بلکے براہ راست مذاکرات کو بھی مسترد کردیا تو بادل نخواستہ بالواسطہ مذاکرات کی حامی بھرلی گئی۔

روسی قیادت کی رہنمائی میں کابل انتظامیہ کے نمائندوں نے چھ سال تک جینوا میں پاکستان کے ساتھ مذاکرات کیئے ۔روس چاہتا تھا کہ ان مذاکرات کے ذریعے شکست کی شدت کو جس حد تک ممکن ہو سکے کم کیا جائے۔لہذا کسی بین الاقوامی معاہدہ کے تحت فوجوں کے انخلا کو بہتر سمجھا گیا جس کے لئے جینوا سمجھوتے کی رو سے افغانستان سے روسی فوجوں کے انخلا کی تاریخ ۱۵ فروری ۱۹۸۹ء مقرر کی گئی۔ دوسری طرف افغان مجاہدین نے نہ صرف جینوا سمجھوتہ مسترد کردیا بلکہ روس سے صاف طور پر کہا کہ تم براہ راست بات چیت کے زریعے معاملہ طے نہیں کراگے تو تمہیں افغانستان سے واپسی کا راستہ بھی نہیں ملے گا۔روسی جو آج تک افغان مجاہدین کے رہنماؤں کو منہ لگانے کے لئے تیار نہ تھے وقت گزرنے کے ساتھ اس قدر بے بس اور پریشان ہوگئے کہ اپنی ساری نفرت بھلا کر مجاہدین کی رہنماؤں سے براہ راست بات چیت کے لئے سعودی عرب اواسلام آباد تک آن پہنچے۔

روس نے پاکستانی علاقوں پر بمباری کی روس نے ایجنٹوں نے پاکستانی علاقوں میں جگہ جگہ دھماکے کیئے۔ بھارت نے سرحدوں پر فوجی اجتماعات کیئے تاکہ پاکستان کو خوف زدہ کرکے اسے اپنے موقف سے دستبردار کیا جاسکے۔ مگر پاکستان نے صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اس نے اپنے دفاع کے لئے امریکہ سے جدید ترین ایف۔ سولہ طیارے مانگے جو اسے ۱۹۸۳ء میں چالیس عدد ملے اور ایسے ہی ایک طیارے سے پاکستان نے ملک میں دخل اندازی کرنے والے جدید ترین روسی طیارے کو مار گرایا اس سے پہلے ۱۳ اگست ۱۹۸۸ء کو مجاہدین نے کابل

کے قریب ایک بہت بڑا اسلحے کا ذخیرہ تباہ کیا جو ایک سال کے لئے کافی تھا۔ پانچ شوروی فوجی مارے گئے اور ایک ہزار زخمی ہوئے۔ ۱۲ اگست ۱۹۸۸ء کو مجاہدین نے کابل کے ہوائی اڈے پر حملہ کر کے اس کو نقصان پہنچایا اور کئی طیارے تباہ کئے اور اسلحہ کا ذخیرہ تباہوا۔ جس سے ایک گھنٹہ تک دھماکے ہوتے رہے۔ روس کی نیوز ایجنسی طاس نے بھی اس کی تصدیق کی اسی روز کابل کے ہوائی جہازوں نے پاکستان کے اندر پچیس میل تک گھس کر ایک گاؤں پر بمباری کی جس سے ایک شخص ہلاک اور کئی زخمی ہوئے۔

۱۹۸۸ء میں اوجڑی کیمپ اور اولپنڈی کا سانحہ پیش آیا وہاں رکھے گئے اسلحہ کے انبار اچانک دھماکے شروع ہوئے دو ڈھائی گھنٹے تک ہزاروں راکٹ اور مزئیل اڑ اڑ کر اسلام آباد راولپنڈی اور ان کے درمیان تواتر سے گرتے رہے۔ اربوں روپے کا اسلحہ راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہوگیا۔ بظاہر تو یہ دشمنوں کے ایجنٹوں کی تخریب کاری تھی مگر لوگوں نے اسے حساب کتاب سے بچنے کے لئے متعلقہ افسروں کو ذمہ دار قرار دیا۔ غالباً اس کے جواب میں افغان مجاہدین نے ہرات میں افغان فوج کا بہت بڑا اسلحے کا ذخیرہ اڑا دیا چھ۔ سات اور آٹھ جولائی ۱۹۸۹ء کو کابل میں کار بم دھماکے ہوئے جن میں دس پندرہ آدمی ہلاک اور بہت زخمی اور عمارتوں کو نقصان بہت پہنچا۔ روس کی خواتین نے ماسکو میں پاکستانی سفارت خانے کو یادداشت پیش کی کہ پاکستان افغان مجاہدین کے ہاتھوں میں محبوس ۳۱۰ روسی قیدیوں کی رہائی میں مدد دے۔ روس نے صدر ضیاء الحق سے بھی اسی قسم کی اپیل کی۔

اپریل ۱۹۸۸ء کو جینوا میں بیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر کا سب سے اہم اور انوکھا معاہدہ پاکستان اور افغانستان کے درمیان بالواسطہ ہوا۔ جبکہ امریکہ اور روس نے ضامنوں کی حیثیت سے دستخط کئے اس کی رو سے ۱۵ مئی ۱۹۸۹ء سے افغانستان سے سویت یونین فوج کا انخلا عمل میں آنا تھا پہلے تین ماہ کے اندر نصف روسی فوج باہر جانی تھی اور بقیہ آدھی فوج آخری تین ماہ میں یعنی ۱۹۸۹ء کے ختم ہونے سے قبل نکل جانی تھی۔ ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء کا پاکستان کے صدر جنرل ضیاء الحق طیارے کے حادثے میں شہید ہوئے ان کے ساتھ چیف آف سٹاف جنرل عبدالرحمن، دوسرے آفیسر اور امریکی سفیر بھی حادثے کی نذر ہوگئے۔ ضیاء الحق کی جانشین یعنی پیپلز پارٹی کی بے نظیر بھٹو بھارت اور اور روس دونوں کی لئے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتی تھی جس سے افغان جہاد میں سُستی آئی۔

۱۹۸۵ء میں روس نے خفیہ محکمہ "خاد" کے سربراہ ڈاکٹر نجیب اللہ کو افغانستان کا صدر بنایا اسکی قومی مفاہمت کی

پالیسی بھی ناکام رہی۔ چار سال تک روس جینوا مذاکرات میں اپنی فوجوں کی واپسی لائحہ عمل دینے سے ٹال مٹول سے کام لیتا رہا تاکہ مجاہدین کو کمزور کرکے ان پر قابو پاسکے۔ مگر ناکام رہا۔ بریژنیف کے انتقال پر میخائیل گورباچوف روس کا صدر بنا اس نے افغانستان کو روس کے لئے ناسور قرار دے کر اس سے نجات حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کیا۔ اس نے ۸ فروری ۱۹۸۸ء کو اعلان کیا کہ روس یک طرفہ طور پر افغانستان سے اپنی فوجیں واپس بلالے گا۔

صدر ضیاء الحق نے اس مرحلے پر یہ مطالبہ کیا کہ فوجوں کی واپسی کا ٹائم ٹیبل طے کرنے کے ساتھ روسی فوجوں کی واپسی کے بعد افغانستان کے عوام کے لئے قابل قبول عبوری حکومت کی تشکیل کا معاملہ طے کیا جائے۔ اس کی پہلی دلیل تھی کہ اگر ایسا نہ ہوا تو روس کے اپنی کٹھ پتلی حکومت کابل میں چھوڑ جانے پر وہا شدید خونریزی ہوگی جس کی وجہ سے پاکستان میں پناہ گزین ۳۰ لاکھ افغان مہاجر واپس نہیں جائیں گے۔ جب کہ مہاجرین کی باعزت اور محفوظ واپسی جینوا معاہدے کا اصل مقصد ہے۔

روس کے ساتھ مذاکرات کرنے والے اور اس کے خلاف جہاد کرنے والے سات جماعتی اتحاد کے علاوہ جو ۔ آئی۔ یو۔ اے۔ ایم، قائم شدہ پشاور ۱۹۸۵ء، کہلاتا تھا جبہہ ملی افغانی (پیر صبغت اللہ مجددی) اور مزید تنظیمیں بھی روس کے خلاف سرگرم جہاد تھیں جیسے قاضی محمد امین، مولوی نصر اللہ، منصور اور مولوی رفیع اللہ موذن کی چھوٹی تنظیمیں ان میں صرف ربانی غیر پشتون تھا۔

اہل سنت والجماعت کی مزکورہ بالا سات یا دس تنظیموں کے علاوہ تہران میں شیعہ فرقے کی آٹھ تنظیمیں بھی روس کی مخالف تھیں یہ افغانستان کی پچیس فیصد آبادی کی نمائندگی کرتی تھی۔

(۱) حرکت اسلامی، آیت اللہ آصف موہسانی (۳) نزہت اسلامی، علی افتخاری (۲) حزب اللہ افغانستان، قاری احمد (۴) پاساران جہاد، اجتماعی قیادت (۵) جبہائے متحد، قیادت مجلس شوریٰ (۶) نیروئے اسلامی، محقق (۷) دعوئی اتحاد اسلامی، (۸) قیادت مجلس شوریٰ۔ وغیرہ۔

۷ دسمبر ۱۹۸۸ء تک پشاور کے سات جماعتی اتحاد نے تہران کے آٹھ جماعتی اتحاد کو زیادہ تر نظر انداز کئے رکھا۔ مگر جب روسیوں نے اعلان کیا کہ وہ سات تنظیموں کی اتحاد سے طائف سعودی عرب میں ۴ دسمبر ۱۹۸۸ء کو

ملاقات کریں گے۔اس کے علاوہ تہران کے آٹھ جماعتی اتحاد سے الگ ملاقات کریں گے تو پروفیسر برہان الدین ربانی کی قیادت میں ایک وفد فوری طور پر تہران گیا اور وہاں کے آٹھ جماعتی اتحاد کو مدعو کیا کہ روسیوں کے ساتھ مذاکرات کے لئے اپنا وفد بھیجے جس کی قیادت روس کا اول نائب وزیر خارجہ یوری وارنٹسوف کر رہا تھا۔
پشاور کے سات والے اتحاد میں سے گیلانی، مجددی، اور محمد نبی محمدی جو اعتدال پسند کہلاتے تھے۔سابق شاہ ظاہر شاہ کے حامی تھے بقیہ اس کے مخالف تھے تہران کے آٹھ جماعتی اتحاد اور پشاور کے سات جماعتی اتحاد کی کچھ پارٹیوں نے میر صبغت اللہ مجددی کو مستقبل کا صدرِ افغانستان بنانے کو کہا اور برہان الدین ربانی کو وزیر اعظم بنانے کی تجویز دی جبکہ حکمت یار، محمد یونس خالص اور سیاف مولوی محمد نبی محمدی کو صدر اور سیاف کے نائب صدر اور انجینیر احمد شاہ کو وزیر اعظم بنانے کی حمایت کی۔اس تمام عرصے میں وادی پنجشیر کا شیر احمد شاہ مسعود کا بڑا مبہم اور متنازعہ رہا اس نے یوں تو ایک دو مرتبہ روسیوں سے پنجہ آزمائی کی مگر وادی کے اندر ہی اس کی سرگرمیاں جاری رہیں صرف ایک مرتبہ امریکی سفیر کیمعیت میں براستہ چترال وہ پاکستان آیا۔وہ پشتونوں کا سخت مخالف تھا، اسکی تنظیم کا نام شورائے نظار تھا ویسے اس کی فرضی اور اصلی تصویریں بمعہ اس کے اصلی اور فرضی کارناموں کے شدومد سے پھیلائی گئیں۔طالبان دور حکومت کے سقوط سے عین پہلے چھ عرب صحافیوں نے مسعود کا انٹرویو لینے کے بہانے مائیک میں بہت چھوٹا بم رکھ کر اسے اڑایا۔بعض لوگوں کے بقول امریکی خفیہ ادارے، سی آئی، اے، نے اسے راستے سے اس لئے ہٹایا کہ اسلامی افغانستان پر حملہ کرنے کا اسے جواز مل سکے۔

علامہ اقبال نے کہا تھا

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی

یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی

جب ۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء کو روس نے افغانستان پر قبضہ کرنے کے لئے حملہ کیا تو افغانستان کے مردان کوہستانی علم جہاد لے کر اس کے مقابلے میں ڈٹ گئے اور دس سال میں اسے تباہ کن اور شرمناک شکست سے نہ صرف دوچار کیا بلکہ عظیم سوویت سلطنت تین ہی سال کے بعد ایسے بکھر کر رہ گئی جیسے ان کا خواب پریشان کمیونسٹ روس ۱۹۹۲ء میں ختم ہو گیا اور دس ملک اس کے بطن سے برآمد ہوئے۔

علامہ اقبال نے افغان ملت کو بجا طور پر یہ اخراج تحسین پیش نہیں کیا تھا!

آسیا یک پیکر آب وگل است ملت افغان در آن پیکر دل است

از فساد او فساد آسیا از کشاد او کشاد آسیا

تا دل آزاد است، آزاد است تن ورنہ کاہے در رہ باد است تن

اس یادگار تاریخی واقعے پر اگر صدر پاکستان جنرل ضیاالحق زندہ ہوتے تو پاکستان میں جہاد افغانستان کی کامیابی پر شاندار جشن منایا جاتا اور جیسا کہ انہوں نے ایک بار اشارہ دیا تھا روس کے اخراج اور کٹھ پتلی حکومت کے خاتمے پر مجاہدین کے ساتھ کابل میں خود داخل ہوئے۔ جنہوں نے عہد حاضر میں نئی تاریخ انسانی میں بے مثال جرأت وشجاعت کا باب رقم کیا تھا۔ اس سے قبل دنیا میں کب کسی ملک پر ڈیڑھ لاکھ فوج حملہ کیا ہوا تھا۔ اور اس سے قبل کب پندرہ لاکھ انسانوں نے اپنے وطن اپنے عقیدے اور آزادی کے تحفظ کے لئے جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہوگا۔ اس سے قبل دنیا میں کبھی پچاس لاکھ انسانوں نے وطن کی جنگ آزادی کی کامیابی کے لئے گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی ہوگی۔ صرف قیام پاکستان کے وقت ایک کروڑ افراد کی نقل مکانی کی مثال موجود ہے۔ لیکن یہ افغانستان سے مختلف ہجرت تھی اور اس سے قبل کب کسی ملک نے روسی سامراج کی افواج کو پسپائی پر مجبور کیا تھا ۔ یہ سارے واقعات تاریخ انسانی میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

جب امریکی صدر جمی کارٹر نے پاکستان کی فوجی اور اقتصادی امداد پر کئی سال سے عائد پابندی ختم کر کے چالیس کروڑ ڈالر کی امداد کی پیش کش کی تو جنرل ضیاؤالحق نے اسے ،، مونگ پھلی کا دانہ ،، (کارٹر کے پیشے پر طنز) قرار دے کر مسترد کر دیا۔ تین سال کے بعد ۱۹۸۳ء میں صدر ریگن کے دور میں ۳ ارب چھ کروڑ ڈالر کی امداد پاکستان کے لئے منظور کی گئی۔

مجاہدین کا دور حکومت

روسی فوجوں کے نکلنے کے بعد افغان مجاہدین کا جہاد زور شور سے جاری تھا۔ ملک کے چار پانچ وسطی اور جنوبی صوبوں جیسے پکتیکا، ہلمند اور رزوگان وغیرہ پر ان کا تسلط مضبوط ہوگیا تھا۔ ادھر نجیب اللہ کے ساتھی جنرل تنی نے اس سے بغاوت کی اور پاکستان بھاگ آیا۔ اب کمیونزم کی آخری نشانی ڈاکٹر نجیب اللہ جو روس کا مقرر کردہ تھا۔ مجاہدین کے مقابلے میں تنہا رہ گیا قبائلی اور لسانی وحدت اس کے کوئی کام نہ آئی اور ڈیڑھ دو سال کی مزاحمت کے بعد وہ شکست کھا کر بھاگا اور کابل میں اقوام متحدہ کے دفتر میں پناہ گزیں ہوگیا۔ ۱۹۹۱ء کے مارچ کے مہنے میں سات مجاہد تنظیموں کے اجلاس میں صبغت اللہ مجددی کو چھ ماہ کے لئے جمہوری اسلامی افغانستان کا صدر مقرر کر دیا گیا اور یہ طے پایا کہ ہر تنظیم کا سربراہ چھ چھ ماہ کے لئے صدر ہوگا۔ پاکستان میں اس اثنا میں پیپلز پارٹی کی بے نظیر بھٹو کی جگہ پاکستان مسلم لیگ کے میاں نواز شریف عام انتخابات میں کامیاب ہو کر ملک کے وزیر اعظم بن گئے تھے۔ انہوں نے کابل کا دورہ کر کے مجاہدین کو حکومت کے قیام پر مبارکباد دی اور مجددی کو ملک کے نظام کے لئے چار کروڑ روپیہ کا عطیہ بھی تھا۔ انہوں نے مسجد پل خشتی میں ظہر کی نماز ادا کی اور شام کو واپس ملک آ گئے۔

مجددی کی مدت حکومت ختم ہونے پر جمعیت اسلامی کے سربراہ پروفیسر برہان الدین ربانی جنہیں احمد شاہ مسعود پنجشیر والے کی حمایت بھی حاصل تھی افغانستان کے صدر مقرر ہوئے۔ انہوں نے دو ماہ یا چھ ماہ کی بجائے جیسا کہ وعدہ تھا۔ دو سال تک حکومت کو نہ چھوڑا جس سے غلط فہمیاں روز بروز بڑھنے لگیں۔ اور انجنیئر گلبدین حکمت یار نے سارے جنہیں وزیر اعظم عہدے کے لئے نامزد کیا گیا تھا۔ کابل سے شمال کی طرف اپنی فوج کے ساتھ ڈیرے جمائے رکھے اور آخر کار ربانی اور حکمتیار یا حزب وحدت اور حکمتیار کے درمیان خوفناک محاذ آرائی شروع ہوئی۔ حزب وحدت کے وحشیوں نے کابل یونیورسٹی۔ دارلامان اور دوسرے علاقوں پر قبضہ جمالیا تھا ۔لہذا ان کے اور گلبدین کے دستوں میں گولہ باری اور راکٹ باری جاری رہی جس سے کابل شہر کھنڈروں میں تبدیل ہوگیا جبکہ روسی قبضے میں شہر ثابت و سالم رہا تھا۔

روس کے خلاف دس سالہ جہاد میں مجاہدین اسلام کو کئی محیر العقول واقعات سے سابقہ پڑا۔ ان پہاڑوں میں جہاں مجاہدین کے ٹھکانے تھے اکثر زہریلے سانپ دیکھنے میں آتے ہیں۔ لیکن آج تک ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا

کہ سانپ نے کسی مجاہد کو ڈسا ہو۔ ایک مجاہد وزیر محمد خان نے بتایا کہ ایک زخمی افغان مجاہد شدید حالت میں جنرل ہسپتال لاہور میں داخل تھا کہ جان بحق ہو گیا اس کے ہمراہ کوئی تیمار دار نہیں تھا اس لئے شہید کی میتو میتو ہسپتال میں رکھوادی گئی۔ اور پشاور میں حزب اسلامی کے دفتر کو اطلاع کر دی گئی۔ مجاہد کا انتقال دن کے گیارہ بجے ہوا تھا دفتر والوں نے رات کو ایک بجے پہنچ کر میت وصول کی لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس وقت بھی شہید کے چہرے پر پسینے کے قطرے موجود تھے اور اس کے جسد خاکی سے ایک مخصوص خوشبو آرہی تھی۔ بالکل ویسی جیسی کہ ہر شہید مجاہد کے بدن سے آتی ہے۔

انجینئر نیاز منیر نے ایک واقعہ بتایا کہ ایک مقام پر نیپام بم پھٹا تھا۔ اور ایک مجاہد مٹی کے ڈھیر میں دفن ہو کر رہ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد جب مٹی کھودی گئی تو وہ مجاہد زندہ سلامت برآمد ہو۔ انہوں نے ایک اور واقعہ بتایا کہ خوست کے محاذ پر ایک مجاہد دو سال قبل شہید ہوا تھا۔ دو سال بعد جب اس کی لاش ملی تو اس وقت بھی درست حالت میں تھی۔ خوست کے قریب تائی کے محاذ ایک مجاہد نے اپنے ساتھیوں سے تصویروں کی فرمائش کرتے ہوئے کہا کہ میں جلد شہید ہو جاؤں گا، کچھ دیر بعد لڑائی کے دوران وہ مجاہد شہید ہو گیا اور اس کا بھائی فورس کے ساتھ لڑائی میں شامل تھا ۔ ران میں گولی لگنے سے زخمی ہو گیا۔ شہید اور زخمی کو خچر پر لاد کر محاذ واپس لایا جانے لگا تو زخمی مجاہد نے جو ہوش میں تھا اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ کون لوگ ہیں جو سفید کپڑوں میں ملبوس ہیں جو ہاتھ اٹھا کر دعائیں کر رہے ہیں۔ حالانکہ ساتھیوں کو ایسا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ صحت یابی کے بعد بھی وہ مجاہد اسی پر قائم رہا۔

ایک عالم دین مجاہد کا کہنا تھا۔ کہ جہاں وہ محاذ پر برس پیکار تھے وہاں بڑے اور زہریلے بچھو بکثرت پائے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ مسلسل کئی دن تک لڑائی میں مصروف رہنے کے بعد تھکن سے چور ہو گئے اور اس کے بعد سے اپنے سلیپنگ بیگ میں بند ہو کر رہ گئے۔ گہری نیند سو گئے۔ رات بھر جسم پر کھجلی محسوس ہوتی رہی۔ صبح اُٹھ کر انہوں نے سلیپنگ بیگ جھاڑا تو اس میں سے ایک بڑا بچھو نکل کر پتھروں میں بھاگ گیا۔ یہ بچھو رات بھر اس کے ساتھ بیگ میں بند رہا۔ لیکن حیرت انگیز طور پر اپنی فطرت کے برعکس ڈنگ مارنے سے باز رہا۔ مجاہدین کو راڈار کی سہولت حاصل نہیں تھی۔ غیب کی مدد اس طرح حاصل ہوئی کہ دشمن طیاروں کے حملے سے چند منٹ پہلے سفید کبوتروں کے کچھ پرندے آکر غل مچانے لگے مجاہدین چوکنے ہو کر اپنی طیارہ شکن توپوں کو حرکت میں

لے آتے اور دشمن کے طیاروں کو مار کر گراتے یا بھگا دیتے۔

۲۷ دسمبر ۱۹۸۸ء میں مجاہدین افغانستان کے عبوری صدر انجینئر احمد شاہ کا انٹریو روزنامہ،، جنگ،، کراچی میں شائع ہوا ہے جو پشاور میں ان سے لیا گیا تھا۔ انجینئر احمد شاہ نے کابل انجینئرنگ یونیورسٹی سعودی عرب میں تین سال تک پڑھایا۔ پھر عبدرب الرسول سیاف کے ''اتحاد اسلامی افغانستان'' میں شامل ہوکر جہاد میں حصہ لیا۔ انہوں نے بتایا کہ چند ہفتے افغان مجاہدین نے روس کے خلاف جہاد شروع کیا تھا۔ وہ بغیر تنخواہ کے اسلامی عبادات کا اہم ترین رکن سمجھ کر جہاد کر رہے تھے۔ اللہ نے انہیں فوجی سیاسی اور اخلاقی فتح سے نوازا اور انہوں نے یہ جنگ جیتی۔ تاکہ افغانستان میں اسلامی حکومت قائم ہو۔ پندرہ لاکھ جانوں کی اہل افغانستان قربانی دی۔ اور پچاس لاکھ سے زائد افراد وطن سے بے وطن ہوئے۔

انہوں نے کہا کہ جنرل ضیاء الحق رحمہ اللہ ایک مضبوط آدمی تھے۔ انہوں نے کوئی دباؤ قبول نہیں کیا اب بھی مجاہدین افغانستان کے لئے رسد کا اہم ذریعہ پاکستان ہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ حالیہ طائف مذکرات جو براہ راست مجاہدین کے ساتھ ہوئے ان کی گہری کامیابی ہے اور دراصل روس نے اپنی شکست کا اعتراف کرلیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ آج افغانستان کے کل رقبے کے فی چھ ہزار مربع کلومیٹر کے نوے فیصد پر مجاہدین قابض ہیں۔ جلال آباد سے صرف سات کلومیٹر دور جنگ جاری ہے۔ خوست کا شہر مجاہدین کے محاصرے میں ہے۔ گردیز اور کابل پر مجاہدین کے حملے جاری ہیں، غزنی، قندھار، ہرات، قندز، مزار شریف اور کئی صوبے مکمل طور پر آزاد کرائے جا چکے ہیں کنڑ محاذ اور پکتیکا کا نوے فیصد حصہ مجاہدین کے قبضے میں ہے۔ کابل شہر میں ساٹھ ہزار روسی فوج موجود ہے۔ زابل میں صرف ایک بڑا قلعہ دشمنوں کے قبضے میں رہ گیا ہے۔ پشاور سے لے کر کابل سے صرف گیارہ میل ادھر تک سڑکیں ہمارے مجاہدین کے قبضے میں ہیں اس وقت تقریباً دس لاکھ مجاہدین جہاد میں مصروف ہیں۔ کابل شہر میں خلق اور،، پرچم،، پارٹی کے درمیان محاذ آرائی اس قدر شدت اختیار کرگئی ہے کہ روسیوں کو مداخلت کرنا پڑ رہی ہے۔

انہوں نے مجاہدین کی غیر معمولی کامیابیوں کو اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت وحدت اور حقیقی اسلامی جذبے کا مرہون منت قرار دیا ہے۔ اگر میں کامیاب ہوگیا تو غازی اور اگر جان سے گیا تو شہید ہوں گا اور سیدھا جنت میں جاؤں

گا ہمارا ہر عمل رضائے الٰہی کے حصول کے لئے ہے۔خدانخواستہ اگر روس افغانستان پر قبضہ کرے تو پاکستان کا وجود چند برس بھی قائم نہیں رہ سکتا۔امریکہ کو کھربوں ڈالر کا نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔امریکہ نے اتحاد کے گہرے تجزئے کے بعد مجاہدین کی حمایت کا فیصلہ کیا ہے۔ابتدائی چار برس میں امریکہ یا کسی اور نے مجاہدین کو ایک پیسے کی امداد تک فراہم نہیں کی۔لیکن بعد میں صرف اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر امداد پر امریکہ آمادہ ہوا۔نہ کہ اسلام یا اسلامی ممالک کی کوئی فکر ہے۔بلکہ اسلامی حکومت کے قیام کا امریکہ بھی اتنا ہی مخالف ہے جتنا روس۔

افغان مجاہدین کے مختلف گروپوں کی موجودگی کے بارے میں عبوری افغان حکومت کے سربراہ نے کہا کہ دراصل یہ پورے عالم اسلام کا مسلہ ہے۔پاکستان میں بھی متعدد مذہبی و سیاسی جماعتیں ہیں۔آخر کیوں؟ یہ ہم سب کی بدقسمتی ہے کسی اسلامی مملکت میں جب اسلامی قانون نافذ ہو تو وہاں سیاسی جماعتیں حرام ہو جاتی ہیں اسلامی طاقت اور اس کے قیادت ایک ہونی چاہیئے۔موجودہ صورت حال سے ظاہر ہے کہ ہم آچھے مسلمان نہیں ہیں اور ہمارے ذہن صاف نہیں،،

،،جنگ،، کراچی کے جمعہ ایڈیشن مورخہ ۱۸ مارچ ۱۹۸۸ء میں عظیم افغان مجاہد فلسطینی الاصل عبد اللہ لمراہ مغفور مرحوم کا انٹریو اخباری رپورٹر مزمل حسین کا پڑیا نے لیا اور درج کیا ہے۔عبد اللہ غرام کے ساتھ حرکتہ الجہاد الاسلامی پاکستان سیف اللہ اختر، شیخ ارسلان ریحانی اور شیخ محمد یاسر بھی تھے۔

اتحاد اسلامی کی سیاسی کمیٹی کے سربراہ

شیخ محمد یاسر خیر نے مقدمی کلمات کا جواب دیتے ہوئے افغانستان کی اس وقت کی موجودہ صورت حال کے متعلق یوں کہا،،دس سالہ جہاد کے حالات آپ کے سامنے ہیں۔اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مسلح جنگ میں روس کے خلاف نصرت عطاء کی۔جبکہ لوگ تردد اور تذبذب کی حالت میں تھے کہ جہاد افغانستان کا انجام کیا ہوگا۔بہت سے لوگ اسے امریکہ اور روس کا ایک سیاسی معرکہ سمجھتے تھے۔روس اور دیگر ممالک کو اس کا اعتراف ہے کہ مسلح جہاد میں تو روسیوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔اب یہ جہاد ایک نئے مرحلہ میں داخل ہو گیا ہے۔دیکھنا یہ ہے کہ اس سیاسی اور ملکی مسئلہ میں مجاہدین کس طرح کامیاب ہوتے ہیں۔آدھی منزل ہم نے طے کر لی ہے۔بقیہ آدھی منزل

افغانستان میں اسلامی حکومت کا قیام ہے۔ جو مجاہدین کی ہو،،

''مکتبہ الخدمت'' کے امیر شیخ عبد اللہ عظام نے کہا کہ۔ روس اب افغانستان سے بھاگنے پر مجبور ہے۔ جہاد افغانستان میں اب تک اس کے ۲۶۰۰ ہوائی جہاز جن میں مگ ۲۱ سے جیسے جہاز شامل ہیں مار گرائے گئے ہیں ۔جس وقت روس افغانستان میں داخل ہوا تو حکومت افغانستان کے پاس دو ہزار ٹینک تھے۔ اور اب تک ہم اس کے چودہ ہزار ٹینک تباہ کر چکے ہیں۔ افغانستان کی حکومت کے پاس اسّی ہزار فوج تھی اور اس میں مزید بھرتی کر کے اضافہ کیا گیا۔ اب تک ایک لاکھ فوجی مارے جا چکے تھے۔ جبکہ ایک لاکھ افغان فوجی بھاگ چکے ہیں۔ روسیوں کی پچاس ہزار فوج ماری جا چکی ہے۔ اس وقت روس افغانستان میں اپنی اور افغان فوج پر یومیہ ۳۶ ملین ڈالر ساڑھے تین کروڑ روپے خرچ کر رہا ہے۔،،

ایک صحافی نے گورباچوف سے سوال کیا کہ آپ افغانستان میں کس طرح داخل ہوئے تھے۔ اور اب اس قدر نقصانات اُٹھانے کے بعد افغانستان سے کس طرح نکلیں گے۔ گورباچوف نے جواب دیا کہ اصل میں میں نے تو روسی فوجی کو افغانستان میں داخل نہیں کیا۔ اور نہ ہی میں اس وقت حکومت میں تھا۔ بلکہ روسی فوج کو افغانستان میں داخل کرنے کے ذمہ دار وہ چھ افراد تھے جو کہ مجھ سے قبل تھے۔ ان میں سے پانچ تو مر چکے ہیں اور ایک کو خود ہم نے معزول کر دیا ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ میں کبھی بھی روس کے افغانستان میں داخل ہونے کا حامی نہیں تھا۔ نجیب اللہ کے کہنے کے مطابق اسّی فیصد زمین مجاہدین کے ہاتھ میں ہے۔ روسی فوجوں کی واپسی پر روسی ٹیلیویژن پر ایک صحافی نے ان سے پوچھا کہ تم لوگوں کا افغانستان میں کیا حال تھا تو انہوں نے جواب دیا کہ جب ہم وہاں پر،، اللہ اکبر،، کی آوازیں سنتے تھے تو ہمارا پیشاپ خطا ہو جاتا تھا۔ شیخ عبد اللہ عزام نے کہا کہ اب تک تقریباً پانچ سو سے زائد فلسطینی اور عرب جہاد افغانستان میں شریک ہوئے ہیں۔ اس سوال پر فلسطینی اور عرب باشندوں کو جہاد افغانستان سے کیا دلچسپی ہے جبکہ فلسطین میں بھی جہاد کی ضرورت ہے شیخ عبد اللہ عزام نے کہا کہ درحقیقت جہاد بھی نماز اور روزہ کی طرح ایک عبادت ہے۔ البتہ یہ فرض کفایہ تھا اور بعض اوقات فرض عین بن جاتا ہے۔ ہم نے فلسطین میں بھی اسرائیل کے خلاف جہاد کیا۔ لیکن جب سے بعض عرب ممالک نے اسرائیل کی حمایت میں ہم پر ایسی پابندیاں عائد کر دیں کہ جس کی وجہ سے ہم ان سب ممالک کی حدود پار کئے بغیر اسرائیل

سے نبرد آزما نہیں ہو سکتے اور ہمارے جہاد روکنے کی کوشش کی گئی تو ہم نے اس جہاد کو ترک نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ موقع غنیمت عطا کیا کہ ہم افغانستان میں اس وقت کی سپر پاور اور کافرانہ حکومت کے خلاف جہاد کریں۔ صرف فلسطین ہی نہیں بلکہ دنیا کے تمام اسلامی ممالک پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ جہاد افغانستان میں شریک ہوں۔ جس طرح کسی بھی اسلامی ملک کے مسلمان باشندوں کے لئے نماز اور روزہ فرض عین ہے ۔اس طرح ہر اسلامی ملک کے مسلمان باشندوں پر جہاد افغانستان میں عملی شرکت فرض کیا ہے۔ آج ہم اپنے آپ کو جہاد افغانستان میں شریک نہ کریں تو گنہگار سمجھتے ہیں اس طرح اگر کل افغانستان آزاد ہو جاتا ہے۔ اور فلسطین قربانی طلب کرتا ہے تو بشمول افغانستان کے جو کوئی اسلامی ملک اس جہاد میں شرکت کی اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کرتا اس کو ہم گناہ گار تصور کرتے ہیں۔

شیخ محمد یاسر نے کہا کہ ہم افغانستان کی آزادی سے قبل فلسطینیوں کی جدوجہد میں شریک ہونے میں تیار ہیں بشرطیکہ اسرائیل کی سرحدوں سے متصل عرب ممالک لو، لبنان۔ شام اور اُردن وغیرہ ہمیں اسرائیل کی سرحدوں تک پہنچنے کے لئے راستہ دے دیں۔ لیکن اسرائیل کی سرحدوں سے متصل ممالک ہی سیکولر ہوتے جا رہے ہیں اور اس ذمہ داری کو پورا کرنے کا موقع نہیں دے رہے ہیں۔

جس وقت ۱۹۸۲ء میں اسرائیل نے لبنان پر حملہ کیا تو بقول عبداللہ غرام ہمارے قائد استاد سیاف نے سعودی عرب میں متحدہ کانفرنس میں تجویز پیش کی کہ میں افغان مجاہدین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ اسرائیل کے خلاف جنگ کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن ایک شرط یہ ہے کہ ہم صرف اسلام کے جھنڈے کے نیچے جنگ کریں گے۔ کسی سیکولر بالا دین جھنڈے کے تحت جنگ نہیں کریں گے۔ لیکن اس کی منظوری ابھی تک نہیں آئی۔

کمانڈر ارسلان رحمانی نے خوست کے محاصرے کے بارے میں کہا کہ افغان مجاہدین نے چھ سال تک روسیوں کو خوست کی سڑک پر قبضہ نہیں کرنے دیا۔ جہاں پاکستان کی اہم سرحد بھی ملتی ہے۔ روسیوں نے اس محاصرے کو توڑنے کی جان توڑ کوشش کی کہ مردار تک کھانے پر مجبور ہوئے۔ پھر بہت سا عسکری ساز وں سامان اور مال لگا کر استعمال کر کے وہ اس محاصرے کو توڑنے میں کامیاب ہو گئے مگر خوست کے راستہ اور متعلقہ سڑک پر اب بھی قبضہ نہیں کر سکے۔ شیخ عبداللہ غرام نے کہا کہ محاصرہ توڑنے کے بعد روسیوں کے بھاری نقصانات کی رپورٹیں آئی

ہیں۔روسیوں کے ساڑھے سات سو فوجی مارے گئے۔ساڑھے بارہ سو زخمی ہوئے۔ان کی ستر گاڑیوں، تیس ٹینکوں اور دس گاڑیوں کو تباہ کیا گیا اس کے مقابلے میں ستر مجاہدین اور تیس شہری شہید ہوئے۔

اس محاصرے کے دوران ڈاکٹر نجیب اللہ نے ہمارے کمانڈر جلال الدین حقانی کو خط لکھا جس میں ان پر چلائے گئے غالب کے مقدمے میں سزائے موت اٹھالیں۔حقانی صاحب نے نجیب اللہ کو لکھا کہ اول تو تمہارے وعدے جھوٹے ہیں۔پھر قرآن کی آیت لکھی کہ اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو نہ کرسکو اور یہ بات اللہ کے نزدیک بہت ہی ناراضگی کی ہے کہ تم ایسی بات کہو جو نہ کرسکو،، اس کے بعد لکھا کہ اگر تم سچے مسلمان ہو تو تمہارے لئے ایک ہی راستہ ہے کہ تم روس چھوڑ کر ہمارے ساتھ مل جاؤ۔کیونکہ روس کی وفاداری میں تم کو قتل نصیب ہوگا یا جیل۔

اس سے پہلے داود، ترہ کئی اور حفیظ اللہ امین کو روسیوں نے قتل کرادیا یا ان کو جیل میں ڈال دیا جیسے ببرک کارمل۔ باقی تمہاری معافی سے میرے لئے شہادت بڑھ کر ہے۔میں ظلم کا ساتھ دینے کے لئے تمہارے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا اور میں اس جہاد سے اس وقت تک نیچے نہیں بیٹھوں گا جب تک ایک ایک روسی کو افغانستان سے نہ نکال دوں۔

گلبدین حکمتیار جن کے خیالات پاکستان کی جماعت اسلامی سے ملتے جلتے ہیں۔قندوز کے خروٹی غلجی قبیلے سے ہیں۔جب ظاہر شاہ کے عہد میں افغان تعلیمی اداروں میں کمیونزم کی تبلیغ نوجوانوں کے ذہنوں کو مسموم کرنے لگی تو ۱۹۷۲ء میں کابل یونیورسٹی کے طلباء نے جو حقیقی اسلامی جذبے سے سرشار تھے۔اسلامی مملکت کو کمیونزم کے سیلاب سے بچانے کا بیڑہ اٹھایا۔اور صرف تین ہزار روپے چندے سے،، نوجوانان اسلام،، کے نام سے ایک تنظیم قائم کرکے کمیونزم کے خلاف جہاد کا آغاز کر دیا۔ان جیالے مجاہدین میں سے اب صرف انجینئر گلبدین حکمتیار حیات ہیں۔بقیہ تمام مجاہدین جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔بصیر ہاشمی نے اپنے دورۂ خوست کی رپورٹ لکھتے ہوئے گلبدین حکمت یار کے کیمپ واقع خوست کا حال جنگ کراچی میں شائع کیا ہے۔اس وفد نے پہاڑوں اور غاروں میں قائم حزب اسلامی کے میگزین، دفتر، مسجد اور شفاخانہ کا دورہ کیا۔روسیوں سے چھینی گئی ایک بھاری توپ بھی دیکھی جو ایک بلند پہاڑی پر نصب تھی۔

اخبار جنگ کراچی نے ۱۹۸۸ء میں ،،حزب اسلامی،، کے رہنما انجینئر گلبدین حکمت یار کا ایک انٹریو شائع کیا ہے۔ جس میں روسی فوج کے انخلاء کے پس منظر پر گفتگو کرتے ہوئے حکمت یار نے کہا کہ ساری دنیا کی نظریں افغانستان پر مرکوز ہیں، روسی اس کوشش میں ہیں کہ واشنگٹن کے ساتھ سازش کر کے افغانستان کے مسئلہ کا کوئی ایسا حل تلاش کیا جائے جس میں ان کی کچھ عزت وآبرو رہ جائے۔ اوران کی افغانستان سے واپسی کو شکست تصور نہ کیا جائے بلکہ دنیا بھر میں یہ تاثر دیا جائے کہ روس نے امن پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود اپنی مرضی سے واپس جانے کا فراخدلانہ فیصلہ کیا ہے۔ آپ کے لئے شاید بات تعجب کی ہو کہ عبوری حکومت کی تجویز سے سب سے پہلے روس نے دی تھی۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ اگر افغانستان سے ان کی افواج کے انخلاء کے ساتھ ہی عبوری حکومت نہ بنی تو افغانستان میں موجود ان کے دوستوں کی سالمیت خطرے میں پڑ جائے گی۔ حتیٰ کہ روس نے عبوری حکومت کے لئے ہمیں نام دیکر بھجوائے۔ مگر جوں جوں مذاکرات آگے بڑھتے گئے اور روسی افواج کے انخلاء کا نظام الاوقات طے پایا گیا۔ تو انہوں نے عبوری حکومت پر اپنا موقف بدلتے ہوئے اصرار کیا کہ معاہدے پر موجودہ شکل میں دستخط کئے جائیں۔ مسٹر کارڈوویز سکرٹری ملت متحد نے عبوری حکومت پر اچھا خاصہ کام کیا تھا۔ روسی افغانستان میں ایسی مخلوط حکومب پر اصرار کرنے لگے۔ جس میں موجودہ نجیب حکومت کے ساتھ مجاہدین بھی شامل ہوں۔ اب روس نے روس ایک اور نیا موقف اختیار کیا تھا کہ افغان عوام کو اپنی حکومت قائم کرنے کا حق حاصل ہے۔ تعہم اس کے جواب میں ٹینکوں کی مدد سے ایک غیر نمائندہ حکومت کو کیوں مسلّط کیا۔ ہم چاہتے ہیں کہ جس دن روسی فوج کا انخلا ہوا نجیب انتظامیہ سرنگوں ہوا۔ اور مجاہدین کی حکومت بنے۔ جب روسیوں نے نہیں مانا تو ہم نے فیصلہ کرلیا کہ ہم یہ حکومت افغانستان کے آزاد کردہ علاقے میں قائم کریں گے ۳ مارچ ۱۹۸۹ء کو پشاور میں سات جماعتی سربراہی اجلاس میں اس کی مزید تفصیلات پر غور کیا گیا۔ ظاہر شاہ کے اس بیان پر کہ اسے اب بھی ستر فیصد افغان مہاجرین کی حمایت حاصل ہے مگر جب تک نمائندہ جرگہ اس کا فیصلہ نہیں کرے گا وہ افغانستان کی سربراہی قبول نہیں کرے گا۔ گلبدین نے کہا کہ ظاہر شاہ کے لئے اب افغانستان میں کوئی جگہ نہیں وہ روسیوں کی مدد سے نجیب اور ببرک تو بن سکتا ہے لیکن افغان ملت کا نمائندہ یا حکمران کبھی نہیں بن سکتا۔ وہ ایک ایسا بدقسمت شخص ہے کہ جب اسے اقتدار سے ہٹا کر پھینک دیا گیا۔ تو پورے افغانستان میں اس کے حق میں ایک

گولی بھی نہیں چلی۔ دس سالہ طویل جنگ کے نتیجے میں تیرہ لاکھ افراد شہید ہوئے۔ پچاس لاکھ سے زیادہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ سارا ملک ویرانے میں تبدیل ہو گیا۔ لیکن اس شخص کو اتنی توفیق نہیں ہو گی کہ وہ کسی ایک یتیم کے آنسو پونچھتا یا کسی مصیبت زدہ مہاجر کے چہرے کی گرد صاف کرنے کی زحمت گوارا کرتا۔ افغان ملت نے یہ جنگ اور آزادی اپنے لہو سے جیتی ہے۔ افغانستان پر صرف مجاہدین ہی حکومت کریں گے۔ کسی کی مجال نہیں کہ ان کی مرضی کے بغیر اقتدار میں آسکے۔ ظاہر شاہ کو اقتدار سونپنے میں اصل دلچسپی روس اور بھارت لے رہے ہیں کیونکہ وہ مسلمانوں یا مجاہدین کی حکومت کابل میں نہیں دیکھ سکتے۔ بھارت ایک سپر پاور کی کاسہ لیسی میں افغانستان میں ایک کمیونسٹ حکومت دیکھنا چاہتا ہے وہ ایک روس اور بھارت دشمن حکومت نہیں دیکھنا چاہتا۔ اس کے خیال میں مجاہدین کی حکومت کے قیام سے پاکستان کی سرحد محفوظ ہو جائے گی اور اس کی ڈیڑھ لاکھ فوج ڈیورنڈ لائن سے ہٹ کر بھارت کی سرحد پر آبیٹھے گی۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ افغانستان اور پاکستان کے درمیان پاسپورٹ اور ویزے کی پابندی بھی نہ ہو۔ ہمارا طویل المیعاد ہدف تو یہ ہے کہ اگر افغانستان اور پاکستان ایک ملک نہیں تو کنفیڈریشن کی شکل میں باہم مل جل کر رہیں۔ انشاء اللہ ہمارے درمیان سرحدی تنازعات کبھی بھی باعث نزاع نہیں ہوں گے۔

خانہ جنگی

جب پیر صبغت اللہ مجددی کو جو ،،جبہہ ملی افغانی،، کے سربراہ تھے اپریل ۱۹۹۱ء میں مجاہدین حکومت کا دوبارہ کے لئے سربراہ بنایا گیا تو پاکستان کے وزیر اعظم محمد نواز شریف نے کابل جا کر افغان حکومت کے روزمرہ کے اخراجات اور تباہ شدہ حکومتی ڈھانچے کی بحالی کے لئے دس کروڑ روپیہ کی خطیر رقم عطا کی اور شہر کی مشہور مسجد پل خشتی میں ظہر کی نماز پڑھ کر شام کو واپس آ گئے۔

دو ماہ گزرنے کے بعد مجددی نے جو کہ سابق شاہ ظاہر شاہ کے حامی تھے۔ صدارت کی کرسی جمیعت اسلامی تاجک دھڑے کے پروفیسر برہان الدین ربانی کے لئے خالی کر دی۔ جس کے دو ماہ گزارنے کے بعد شاید گلبدین حکمتیار،، صدر حزب اسلامی،، کی صدارت کی نوبت آئی مگر ربانی جس کے روس کے ساتھ نیز امریکہ کے ساتھ خفیہ روابط رہے تھے۔ کرسی سے ایسا چمٹا کہ دو ماہ تو کیا دو سال تک بھی صدارت چھوڑنے پر تیار نہ ہوا۔ پشتون جو

ملک کی آبادی کا ۴۰ فیصد تھے۔ ۲۵ فیصد تاجکوں کی بالادستی کیسے تسلم کرے۔ اس طرح ،، حزب وحدت ،، کا ہزارہ شیعہ گروپ اور صرف ۷ فیصد آبادی کا اور ایک گروپ شمالی اتحاد کے جامع نام سے کابل شہر کے شمالی حصے پر قابض ہوگئے۔ ان وحشیوں نے غازی امان اللہ خان کے منائے ہوئے تین منزلہ خوبصورت دارالامان کو جو کابل سے سولہ میل کے فاصلے پر لغمان کے درختوں سے ڈھکے ہوئے خوبصورت صحت افزاء واقع تھا اپنا مرکز بنا کر کابل یونیورسٹی اور ایک علاقوں جیسے جمال مینہ

وغیرہ پر بے تحاشا گولہ باری کی۔ جس سے شہر کا وہ حصہ کھنڈر بن گیا۔ سعودی عرب اور دوسروں کی مداخلت سے سات افغان جہادی تنظیموں کے اجلاس کو مکہ معظمہ میں بلایا گیا اور اتفاق کے ایک سمجھوتے پر دستخط کرنے کے باجود یہ لوگ یک جان و دو قالب نہ بن سکے۔ گلبدین حکمت یار اپنی آٹھ ہزار فوج کے ساتھ کابل کے باہر پڑا ہوا تھا۔ اسے موتمر مکہ کی رو سے افغانستان کا وزیر اعظم نامزد کیا گیا تھا۔ مگر تاجک دھڑا آسانی سے اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس لئے اس کی فوج نے کابل پر راکٹوں کی بارش کر دی۔ جس اے یہ خوبصورت شہر چند دنوں میں کھنڈرات کا منظر پیش کرنے لگا۔ ،، حزب وحدت ،، کے شیعہ وحشیوں نے کابل یونیورسٹی اور ،، پشتو ٹولنہ ،، کے تمام مطبوعات کو جو لاکھوں نخوں پر مشتمل تھے۔ سرد ترین راتوں میں خود کو گرم رکھنے کے لئے جلا جلا کر پھونک دیا۔ یوں علم و ثقافت کو بہت زیادہ نقصان پہنچا۔ انہی لوگوں نے مشہور زمانہ کابل میوزیم میں گھس کر نہایت نادر اور قیمتی اشیاء ، نیز سونے چاندی کے سکے اور برتن اور دیگر اشیا چرا چرا کر عالمی چور منڈی ، سیاہ منڈی (BLACK MARKET) میں بیچ دیں۔ البتہ خوش قسمتی سے نومی عجائب گھر (NATiONA ARCHIVES) میں موجود مخلوطات ان کی دستبرد سے بچ گئے جن میں مشہور زمانہ ،، پٹہ خزانہ ،، مولف محمد ہوتک ۱۱۴۲ھ کا سخت جان نسخہ بھی شامل ہے۔ جس کو جعلی ثابت کرنے میں پشاور کے خطے سے تعلق رکھنے والے پشتون قلمکاروں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر خاک پشاور ہی کے رہنے والے مرد درویش ھمیش خلیل مہمند نے اپنی مشہور عالم کتاب ،، تول پارسنگ ،، لکھ کر نہ صرف مخالفین کو بغلیں جھانکنے پہ مجبور کیا بلکہ ان کے بورے اور غیر علمی دلائل کی بنیادیں ہی ہوائیں اُڑا دیں مگر

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

کے مصدق یہ متحرفین اب بھی دلائل اعتراضات اور بے جا الزامات سے باز نہیں آئے۔ انسانی تاریخ کا یہ المیہ رہا ہے کہ ہر دور میں ہر غلط موقف رکھنے والے اور بے بنیاد دعوی کرنے والے کو کچھ نہ کچھ ساتھی ملتے رہے ہیں۔ اور یہ لوگ سورج پر خاک اڑانے کے ساتھ ساتھ ایسا کمزور سا دیا بھی اسے دکھانے لگے ہیں۔ حتی کہ ختم نبوت ﷺ جیسے امت کے متفقہ اور متواتر عقیدے میں کیڑے نکالتے ہوئے بعض افراد اور گروہوں نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لیا ہے۔ جناب ہمیش خلیل نے اپنی کتاب کے دوسرے حصے ،،حقیقت دادئی،، میں بھی محترضین ،، پٹہ خزانہ،، کو دندان شکن جوابات دئے ہیں۔ اس کتاب کو انہوں نے راقم الحروف کے نام منسوب کر کے مشکور وممنون بنایا ہے۔

۱۹۹۵ء میں انتشار اور خانہ جنگی اپنی اانتہا کو پہنچ گئی۔ امریکہ نے روس انخلا کے بعد یکا یک آنکھیں پھیر لیں اور روسیوں کی فضیحت کی صورت میں اپنا مطلب پورا ہونے کے بعد افغانوں کے لئے ہر قسم کی مدد بند کر دی، روس تو پہلے ہی افغانوں کا دشمن تھا وہ بھی کمیونزم کی ٹوٹ پھوٹ کے بعد اپنے اندرونی اور اقتصادی معاملات کو سلجھانے میں اتنا الجھا کہ افغانستان کی طرف توجہ نہ دے سکا۔ ادھر ہر جہادی اور غیر جہادی تنظیم اپنے اپنے حلقہ اثر مین خود مختار تھی اور ہر جگہ زنجیر لگا لگا کر مظلوم افغانوں سے پیسے بٹور رہی تھی۔ حکومت نام کی کوئی شے موجود نہ تھی۔

برہان الدین ربانی کی مرکزی حکومت صرف شہر کابل یا اس کے آبائی صوبے بدخشاں اور دوسرے چار پانچ تاجک آبادی والے شمال مشرقی صوبوں تک محدود تھی۔ نہ باقاعدہ ادارے تھے اور نہ حکومتی نظم نسق تھا کرنسی تک دوسرے ممالک سے چھپ کر آتی تھی اور وہ بھی دو قسم کی نہ راستے محفوظ تھے نہ سفر آسان تھا کہنے کو تو اسلامی حکومت تھی اور اقوام متحدہ کی رکن تھی مگر یہ دوسروں کی سہارے کی محتاج تھی۔

طالبان دور حکومت

افغانستان کے یہی دگرگوں حالات تھے جن میں پشتونوں کے مرکز قندہار کے بعض اسلامی مدارس کے طلبہ نے ایک گم نام تحریک کی ابتداء کی "طالب" پشتو میں مسجد یا اسلامی مدرسہ سے دینی علم حاصل کرنے والے کو کہتے ہیں۔اس کی جمع پشتو میں "طالبان" ہے یعنی اسلامی طلباء۔ان لوگوں کی رہنمائی جید علماء نے کی اور طالبان کے لشکر نے ملک میں جاری ظلم وستم کے تدارک کا ارادہ کیا۔شروع میں ملا عمر دامت برکاتہ' کی رہنمائی میں بیس پچیس طالب علم منظم ہوئے۔انہوں نے یکدم اٹھ کر ظلم وستم کرنے والوں کا ہاتھ روکا

مردے از غیب بروں آید کارے بکند

ملا محمد عمر آخوند جو محض طالب علم کی سطح تک پڑھے ہوئے تھے اور پورے عالم نہ تھے روسی سرخ فوجوں سے لڑتے رہے تھے اور ان کی ایک آنکھ بھی جہاد میں ضائع ہوگئی تھی۔سب سے پہلے انہوں نے قندہار کے علاقے میں خانہ جنگی کمانڈروں دیگر جنگجوؤں کی بنائی ہوئی پھاٹکوں اور لگائی گئی زنجیروں کو اکھاڑ کر علاقے میں آمد ورفت پر عائد رکاوٹوں کو دور کیا۔اور ایک بدنام ڈاکو منصور کو پھانسی پر چڑھایا۔یہ ۱۹۹۳ء کا واقعہ ہے۔

جلد ہی اس جمیعت کے ساتھ جوق در جوق طالبان شامل ہونے لگے۔ان سے اکثر طلباء اور علماء جامعہ اکوڑہ خٹک علاقہ پشاور اور مدرسہ دارالعلوم بنوری ٹاؤن کراچی کے فارغ التحصیل تھے۔

ہم سفر ملتے گئے اور کارواں بنتا گیا

حضرت سید احمد شہید ۱۸۳۱ء کے بعد یہ پہلی جمیعت تھی جو بیسوں سے سینکڑوں اور ہزاروں میں سرعت سے بدلتی گئی۔قندھار کا تمام صوبہ جلد ہی ان کا مطیع ہوگیا۔اور قندھار ہی طالبان کا مرکز قرار پایا چونکہ طالبان ۹۰ فیصد پشتون تھے۔اس لئے پشتو ہی نئی حکومت کی سرکاری زبان ٹھہری حالانکہ اس سے پہلے سدوزئی اور محمد زئی حکمران پشتو کی سرکاری زبان بنانے میں ناکام رہے تھے اور ایران کی زبان فارسی نہ صرف ان کے دربار سرکار کی دوسو سال تک زبان رہی بلکہ ان کے گھر اور حرم کو بھی لپیٹ میں لے کر اس پر بری طرح جما گئی تھی۔طالبان جو کٹر مذہبی سنی حنفی تھے پشتو کو دفتری زبان بنانے میں ذرا نہیں ہچکچائے۔

قندھار کے لوگ جو اسلام کے سچے پرستار واقع ہوئے ہیں۔طالبان کی اس حزبی تحریک کی پشت پناہ بنے۔قندھار

سے متصل ارزگان اورزابل نیز پکتیا اور دیگر صوبے ہلمند وغیرہ بغیر جنگ وجدل کے طالبان کے زیر نگیں آ گئے ۔اور طالبان نے ہر جگہ پر عدل وانصاف شرعی نظام قائم کر کے امن وامان کا ماحول پیدا کیا۔لوگوں نے چین اور سکھ کا سانس لیا۔ابھی صدر مقام کابل برہان الدین ربانی کی تحویل میں تھا۔اوراس کا ہم قبیلہ مسعود تاجک جو پنجشیر کا نام نہاد شیر بنا ہوا تھا اور روسیوں سے خفیہ تعلقات رکھتا تھا۔جہاد افغانستان کے دس سالوں میں مسلسل خاموش رہا۔صرف ایک مرتبہ روسیوں سے ہاتھا پائی کی۔وہ ربانی کا حامی تھا اور طالبان نیز پشتونوں سے شدید نفرت کرتا تھا۔

طالبان تحریک نے دوسال بعد ہی ۱۹۹۵ء میں دارلسلطنت کابل پر قبضہ کرلیا۔اس سے دنیا حیرت میں پڑ گئی۔اس سے پہلے طالبان نے کوئٹہ اور دیگر پشتو بولنے والے علاقوں پر ایک گولی چلائے بغیر قبضہ کر کے ہر جگہ شرعی احکام نافذ کیے ۔کمیونسٹ دور کا نمائندہ ڈاکٹر نجیب اللہ ۱۹۹۰ء میں سقوط کابل کے بعد اقوام متحدہ کے دفتر میں پناہ لئے ہوئے تھا طالبان نے کابل پر قبضہ کر کے ڈاکٹر نجیب اللہ کو اقوام متحدہ کے دفتر سے نکالا اور اسے لاکھوں پشتونوں کے مصائب وآلام کا سبب گردانتے ہوئے برسر عام پھانسی دی۔

طالبان نے پہلے اپنے مفتوحہ علاقوں میں مکمل اسلامی نظام نافذ کیا اسلامی تعزیرات جیسے چور کے لئے قطع ید، ڈاکو کے لئے قطع ید وقطع رجل، غیر شادی شدہ کے لئے سو درے اور شادی شدہ زانی کے لئے رجم یعنی پتھروں سے سنگسار کرنے کی سزائیں نافذ کیں۔جس سے جرائم کا خاتمہ ہوا۔انہوں نے اہتمام نماز کے ساتھ ساتھ وصول زکوٰۃ کا نظام قائم کیا۔بے شمار مساجد اور مدارس تعمیر کرائے۔پاکستان سعودی عرب اور عرب امارات نے ان کی اسلامی حکومت کو تسلیم کیا مگر باقی دنیا نے طالبان کی صدفی صد اسلامی حکومت کو تسلیم نہیں کیا جو ہزار سال کے بعد مکمل صورت میں اس خطے میں قائم ہوئی تھی۔اقوام متحدہ نے تاجک نژاد برہان الدین ربانی کی حکومت کو افغانستان کے نمائندہ حکومت کے طور پر تسلیم کئے رکھا حالانکہ ربانی طالبان کے حملہ کابل سے پہلے کابل چھوڑ کر بھاگ گیا تھا البتہ احمد شاہ مسعود پنجشیر میں ان کے مقابلے میں ڈٹ گیا اس کے بیرونی طاقتوں روس اور بھارت سے بہتر اور ایران سے خفیہ تعلقات قائم تھے۔

تاجکوں اور ازبکوں نے سنی ہونے کے باوجود نژادی اور لسانی اختلاف کے سبب اور حزب وحدت کے شیعہ

ہزارہ گان نے جو کہ ایران میں مقیم تھے نژادی، لسانی نیز مذہبی اور ملکی اختلاف کے سبب طالبان کی شدید مخالفت کی۔

فتح کابل کے بعد طالبان کی یلغار شمال مشرق کی طرف جاری رہی اور ایک ہی ہلے میں وہ بگرام گلبھار چاریکا اور جبل سراج کو فتح کرتے ہوئے مزار شریف اور حیرتان بندر کے اوزبک علاقوں تک پہنچ گئے سابق کمیونسٹ گلم جم ملیشیا کا طویل القامت اوزبک کمانڈر دوستم ترکی کی طرف بھاگ گیا اور اپنی جگہ جنرل عبدالمالک کو چھوڑ گیا۔ جس نے شیطانی حیلہ جوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سادہ دل اور پر جوش طالبان کو مزار شریف پر قبضہ کرنے دیا۔ بعد میں کوئی دس ہزار طالبان کو روباہی طریقے سے گرفتار کر کے دشت لیلیٰ کے ریگ زار میں لے جا کر نہایت بے دردی سے شہید کیا گیا جس کے نتیجے میں ترکی النسل سُنی اوزبکوں کے علاقوں کے ساتھ ساتھ سُنی فارسی زبان تاجکوں کے علاقوں کو بھی چھوڑنا پڑا۔ ہزاروں طالبان کے قاتل جنرل عبدالمالک نے جوروانی سے پشتو بولتا ہے۔ امریکہ بھاگ کر پناہ لی سابق کمیونسٹ لیڈر جنرل روستم تو اس سے پہلے ہی غالباً ترکی کی طرف بھاگ گیا تھا۔ شمال کے تاجک علاقوں میں شدید تعصب کی بناء پر وہاں کے مرد وزن نے مل کر طالبان کی مزاحمت کی۔ اکا دکا طالبان پر وحشیانہ مظالم روا رکھے اور پکڑ کر ان کے سروں میں کیلیں ٹھونکیں اور بالوں میں آگ لگائی۔ طالبان متعصب تاجکوں جنگجو احمد شاہ مسعود کو ٹھکانے لگانے اور دشوار گزار وادئ پنجشیر کو مسخر کرنے میں ناکام رہے اگرچہ انہوں نے دو دفعہ شمال کی طرف یلغار کی۔ تاجکوں نے سر بفلک پہاڑوں سے گھری ہوئی وادی پنجشیر کے واحد داخلے کی راہ پر واقع پُل کو اڑا دیا تھا۔ اور دریائے پنج شیر کی شوخ اور تند و تیز لہروں کے سامنے ان کی کوئی پیش نہ گئی۔ روس، تاجکستان اور ایران مسعود کو ہلاشیری دیتے اور ہوائی جہازوں میں سامان جنگ و سامان ضرورت بھیجتے رہے۔

امریکہ نے جو صحیح اسلامی حکومت کو برداشت کرنے کے لئے کسی طور پر تیار نہیں تھا۔ اقوام متحدہ کی آڑ میں طالبان حکومت کی پر طرح طرح کی پابندیاں لگوانا شروع کر دیں۔ مغربی زرائع ابلاغ نے خواتین کے حقوق کو غصب کرنے کا پروپیگنڈہ کیا اہل مغرب نے اسلامی تعزیرات کو عیاز اباللہ ظالمانہ قرار دیا۔ قصاص قطع ید قطع رجل نیز شادی شدہ زانی اور زانیہ کو سنگسار کرنے کی سزاؤں کو اچھالا۔ دوسری طرف شمالی اتحاد کے ازبک، تاجک اور

ہزارہ دھڑوں نے بغاوت ومزاحمت کی روش جاری رکھی سوائے بدخشاں اور ایک دو اور تاجک صوبوں کے باقی تمام ملک میں طالبان کی اسلامی حکومت کی عملداری تھی۔ لوگ امن اور سکون سے رہتے تھے۔ فحاشی، عریانی اور بے حیائی کو بیخ وبُن سے اکھاڑ دیا گیا تھا۔ مگر کفر وشرک وارتداد کی قوتیں کب یہ برداشت کرسکتی تھیں۔

چنانچہ ۲۰۰۱ کے اغاز ہی سے امریکہ نے پہلے افغان ائر لائنز کے طیاروں پر پابندی لگائی پھر حکومت افغانستان کے تمام بیرونی اثاثوں کو منجمد کیا اقوام متحدہ کے ادارہ خوراک وصحت کے بعض کارکنوں نے اپنے قانونی دائرے سے باہر نکلتے ہوئے عیسائیت کی تبلیغ جاری رکھی۔ جب طالبان نے ایسے اداروں میں کام کرنے والی خواتین پر پابندی لگائی تو مذکورہ ادارے اپنا بوریا بستر سمیٹ کر چلے گئے۔ ایسی ہی ایک جرمن تنظیم شیلٹر ناؤ کے کارکنوں کو امداد کی آڑ میں جب رنگے ہاتھوں طالبان حکومت نے پکڑا تو اس سے فارسی اور پشتو میں عیسائیت کی تبلیغ کے کچھ کتابچے پکڑے گئے۔ اور کچھ افغانوں کو عیسائی ہونے کے جرم میں پکڑا گیا طالبان حکومت نے ان لوگوں کو گرفتار کرکے اُن پر مقدمہ چلانا شروع کیا۔ مگر اسلامی قوانین کے مطابق ان پر کوئی جسمانی یا ذہنی تشدد نہ کیا۔ خود کم کھا کر ان کو کھلایا اور آرام سے انہیں رکھا مگر کفار ان کے حسنِ سلوک سے متاثر نہ ہوئے۔ بلکہ برابر اس کوشش میں لگے رہے کہ کسی نہ کسی بہانے افغانستان کی اسلامی حکومت کو ختم کیا جائے۔

ایک سعودی باشندہ اسامہ بن لادن جو کہ کروڑ پتی تھا سوویت روس کے خلاف لڑنے کے لئے افغانستان آیا۔ امریکہ جو اس وقت کمیونسٹ روس کو تباکرنے کے لئے پانی کی طرح ڈالر بہا رہا تھا، اسامہ بن لادن کو جو کہ یمنی الاصل عرب ہے جلال آباد کے کوہ سفید اور پکتیا کے گردنر کے پہاڑوں میں سرنگیں کھودنے کا ٹھیکہ دیا۔ جس میں افغان چھاپہ مار مجاہدین سوویت یونین کے دس سالہ طویل اور وحشیانہ حملوں اور بمباری سے بچ کر پناہ لیتے رہے۔ اسی اسامہ کی ''بن لادن کمپنی'' نے حرمین شریفین کی دونوں مقدس مساجد کی توسیع کا کام ۱۹۸۹ء سے ۱۹۹۱ء تک کیا تھا۔

سوویت یونین کے ٹوٹنے اور کمیونزم کے خاتمے پر جہاں امریکہ نے اطمینان کا سانس لیا وہاں اسے افغان مجاہدین کی سرفروشی اور جانبازی ایک آنکھ نہ بھائی، چنانچہ عیسائی امریکہ ویورپ اور مشرک ہندوستان طالبان حکومت کے کٹر مخالف بن گئے۔ ادھر ۱۹۹۴ء میں افریقہ کے ملک کینیا میں اور ایک دوسرے ملک کے امریکی

سفارت خانوں میں دھماکے ہوئے جن میں سینکڑوں افراد ہلاک اور زخمی ہوئے۔ امریکہ نے اس کا الزام اسامہ بن لادن پر لگایا جو ۱۹۹۲ء میں افغانستان میں سوڈان سے آکر مقیم ہو گیا تھا۔ اسامہ نے ۱۹۹۲ء کی جنگ خلیج کے بعد سعودی عرب میں اس کے دفاع کے بہانے مقیم امریکی افواج کو وہاں سے نکالنے کا مطالبہ کیا۔ کیونکہ حدیث شریف کی روح سے مسلمان جزیرۃ العرب میں یہود و نصاریٰ کا وجود برداشت نہیں کر سکتے۔

اسامہ نے افغانستان آکر طالبان کی اسلامی حکومت کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ اسی اثناء میں امریکہ کے اشارکا چشم و ابرو پر مرمٹتے ہوئے سعودی حکومت نے اپنے اس معزز شہری کی شہریت منسوخ کر کے اسے دہشت گرگرد قرار دیا۔ ۲۰۰۰ء کے نصف اول میں طالبان حکومت نے مہاراجہ اشوک یا کشک کے بامیان کے پہاڑوں میں تراشے گئے دو عظیم اور دیوہیکل بتوں کو بارود کی بہت زیادہ مقدار لگا کر اڑا دیا۔ طالبان نے اپنی مالی تنگدستی کے باوجود جاپان کی طرف سے بتوں کو نہ اڑانے کے بدلے کروڑوں روپے کی پیش کش کو حقارت سے ٹھکرا دیا ان کے اس عمل پر عیسائی اور بدھی ممالک آگ بگولا ہو گئے۔

ادھر پنج شیر کا نام نہاد شیر احمد شا مسعود اچانک مغربی دنیا کی آنکھ کا تارا بن گیا۔ یورپی یونین نے اسے طالبان مخالف کی حیثیت سے پیرس بلا کر یورپی پارلیمنٹ سے خطاب کرنے کا اعزاز بخشا۔ اس کی واپسی پر دو عرب صحافیوں نے جو غالباً القاعدہ کے ارکان تھے۔ احمد شاہ کا انٹرویو لینے کا بہانے مائیکروفون میں بڑی قوت کا چھوٹا سا بم چھپا کر اسے اڑا دیا مسعود کا باڈی گارڈ اور دونوں صحافی بھی جان بحق ہو گئے۔ اس پر امریکہ جو خود کو مغربی عیسائی دنیا کا سرپرست اور بہت بڑی فوجی قوت سمجھتا ہے سیخ پا ہوا۔ اور فوراً طبل جنگ بجایا۔

طالبان نے ۱۹۹۵ء سے لے کر ۲۰۰۱ء تک چھ سال تک ۹۵ فیصد افغانستان پر حکومت کی ان کی حکومت اسلامی سادگی خلوص، خدمت عوام، ایثار اور کفایت شعاری کا نمونہ تھی ایک پاکستانی صحافی محمد طفیل نے قندھار میں تین دن گزارنے کے بعد اپنے تاثرات کو یوں بیان کیا کہ جو روزنامہ جنگ کے ۳ مئی ۱۹۹۸ء کے شمارے میں چھپے ہیں۔

افغانستان کے خلاف روسی جارحیت نے امریکہ کو موقع فراہم کر دیا تھا کہ وہ روس سے ویت نام میں شکست کا بدلہ چکا سکے عام تاثر یہی تھا کہ روس ایک مرتبہ جس ملک میں داخل ہو گیا پھر وہاں سے واپس نہیں گیا لیکن افغان قوم

نے کبھی کسی کی غلامی اور تسلط کو برداشت نہیں کیا۔

امریکہ کو افغان عوام کے ساتھ قطعاً کوئی ہمدردی نہ تھی وہ روس کو شکست اور ہزیمت سے دوچار تو کرنا چاہتا تھا لیکن افغان مجاہدین کو فاتح کی حیثیت سے کابل میں داخل ہوتے نہیں دیکھنا بھی ہرگز گوارا نہ تھا، وہ افغانستان کو نسلی اور لسانی بنیادوں پر تقسیم کرنے کا خواہاں تھا۔۔وہاں ایک اسلامی حکومت کا قیام تو امریکہ کے لئے کسی بھی صورت ، قابل برداشت نہ تھا،

صبغت اللہ مجددی کے بعد جب برہان الدین ربانی نے اقتدار سنبھالا تو اس نے ہوس اقتدار کا بدترین مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اقتدار کو غیر آئینی طور پر طول دینے کی کوشش شروع کردی۔ملک خانہ جنگی کا شکار ہو گیا اور افغان عوام طویل جدوجہد اور بے پناہ قربانیوں کے باوجود آزادی کی نعمتوں اور برکتوں سے محروم رہ گئے۔بالآخر طالبان نے ربانی کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔محب وطن افغان عوام اور خانہ جنگی سے اکتائے ہوئے مختلف افغان دھڑوں نے طالبان کا بھرپور ساتھ دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ربانی کا اقتدار خس و خاشاک کی طرح بہہ گیا۔افغانستان کے ۸۰ فی صد علاقے پر طالبان نے اپنی حکومت قائم کرکے ملک میں نفاذ اسلام کا اعلان کردیا۔ احمد شاہ مسعود، دوستم اور بعض دوسرے لیڈروں نے شمالی اتحاد کے نام سے ایک الگ دھڑ قائم کرکے باقاعدہ جنگ شروع کردی اس کے نتیجے میں اگرچہ زبردست جانی نقصان بھی ہوا لیکن طالبان کے اقتدار کو متزلزل نہ کیا جا سکا اس مسئلہ پر پاکستان اور ایران کے درمیان اختلافات بھی پیدا ہوئے۔

جامعہ اشرفیہ لاہور کے مولانا فضل الرحیم کی قیادت میں طالبان کی دعوت پر قندھار کا دورہ کیا راقم الحروف (محمد طفیل) کے علاوہ ممتاز صحافی جناب عطاؤ الرحمن بھی اس وفد میں شامل تھے۔لاہور سے چمن تک اس وفد کی قیادت کی ذمہ داری مولانا فضل الرحیم پر تھی۔چمن پہنچ کر اس کی قیادت مولانا حکیم محمد مظہر نے سنبھالی لاہور سے کوئٹہ تک کا سفر فضائی تھا کوئٹہ سے چمن اور چمن سے قندھار تک سڑک کا سفر تھا۔چمن سے بارڈر کراس کرنے کے بعد قندھار کی حدود میں داخل ہوئے تو یہاں ایک مہمان خانے میں مختصر قیام کیا اور طالبان کی گاڑیوں میں قندھار کے لئے روانہ ہو گئے قندھار تک سڑک کا سفر انتہائی مشکل اور تکلیف دہ ہے کیونکہ روسی فوجوں نے واپس جاتے ہوئے بارودی سرنگوں کے ذریعے سڑک کو تباہ کردیا تھا۔صرف سڑک کا نشان باقی ہے۔جگہ جگہ گڑھے پڑے ہیں

شکستہ حال سڑک پر پڑی ہوئی بجری اور کنکریٹ پر سے گاڑیاں گزارنا بڑا مشکل اور صبر آزما کام ہے۔ لیکن طالبان حکومت اور کے قائم کردہ نظام کو آنکھوں سے دیکھنے کا جذبہ ان تمام مشکلات اور تکالیف کو بھلا دیتاہ۔ پہلے ایک قابل ذکر بات یہ کہ چمن سے قندھار تک سڑک کے دونوں جانب حدِ نگاہ تک گندم کی فصل لہلہاتی تھی۔ فصل انتہائی جاندار تھی اور طالبان کے نمائندوں کا کہنا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم ہے کہ ملک میں نفاذ اسلامی کی برکت سے ان کی غذائی ضرورت پوری ہوگئی ہے اور پھلوں میں ایک نیا رنگ پیدا ہوا ہے۔

اور اگر گندم کی پیداوار کا یہی عالم رہا۔ تو وہ اس سال اپنی ضروریات سے زیادہ گندم برآمد کرنے کی پوزشن میں آجائیں گے۔ راستے میں کئی ایک مقامات پر ابپاشی کے لئے ڈیزل ٹیوب ویل لگائے جارہے تھے سڑک کے ساتھ کئی آبادیاں بھی نظر آئیں جنہیں روسی طیاروں نے بمباری کر کے تباہ کر دیا تھا۔ جواں ہمت افغان عوام ان کی تعمیر نو میں مصروف ہیں قندھار شہر کی اکثر عمارتوں پر گولیوں کے نشانات دیکھے جاسکتے ہیں لوگوں کا کہنا ہے کہ قندھار کے گلی کوچوں میں جنگ لڑی گئی۔ اور طالبان نے مخالف فوجوں کو اس بری طرح سے شکست دی کہ پھر انہوں نے اس طرف کا رخ نہیں کیا۔

قندھار پہنچنے کے بعد ہماری پہلی ملاقات گورنر قندھار سے ہوئی مولانا محمد حسن رحمانی گورنر قندھار مدرسہ حقانیہ اکوڑہ خٹک کے فارغ التحصیل ہیں، جہاد میں ان کی ایک ٹانگ ضائع ہوگئی۔ بیساکھی کے سہارے چلتے ہیں نہایت خوبصورت اور توانا نوجوان ہیں شلوار قمیص میں ملبوس سر پر بڑی سی پگڑی اور بغل میں بیساکھی۔ محمد حسن رحمانی اس حال میں ہمارے پاس مہمان خانے میں تسریف لائے کہ ان کے ساتھ کوئی حفاظتی دستہ تک نہ تھا۔ بڑی خندہ پیشانی سے ملے اور وفد کی آمد پر ارکان کا شکریہ ادا کیا طالبان حکومت کے مخالفین کے متعلق ان کا موقف یہ تھا کہ '' افغان مجاہدین نے ۱۴ سال تک بے پناہ قربانیاں دیں لیکن اکثر قائدین پشاور اور اسلام آباد کے محلات میں عیش و آرام کی زندگی بسر کر کے اقتدار کے لئے لڑنے میں مصروف تھے۔ انہیں افغان اعوام کے مصائب اور ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کی کوئی فکر نہ تھی۔ ان کے رویّے نے افغان عوام کے خواب کو چکنا چور کرائے۔ چنانچہ قندھار ہی سے چند مجاہدین نے امیر المومنین ملا عمر کی قیادت میں تحریک شروع کی اور چند دنوں کے اندر اندر عوام کی اکثریت ان کے پرچم تلے جمع ہوگئی۔ ابتداء میں دینی مدارس کے طلبہ اس تحریک کے روح رواں تھے۔ اس تحریک

کے سامنے او متعین مقصد ملک میں نظام اسلامی کا نفاذ تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا گیا یہ وعدہ انہوں نے پورا کر دکھایا یہی ان کی کامیابی اور کامرانی کا راز ہے۔ آج افغان عوام بلا شبہ اس نظام کی برکتوں سے بہرہ ور امن وسکون کی زندگی بسر کرر ہے ہیں۔ بعض بیرونی ممالک نے بھی طالبان کی حمایت کی۔ البتہ اسلام دشمن عناصر کو طالبان کی یہ کامیابی ایک آنکھ نہیں بھائی اور وہ طالبان کے خلاف بے سرو پا اور غلط پروپیگنڈے میں مصروف ہیں''

مولانا محمد حسن رحمانی کا کہنا تھا کہ طالبان کی حکومت سے پہلے ملک میں بے حیائی اور مخلوط معاشرے کی تمام برائیاں پورے عروج پر تھیں ظالم کا ہاتھ روکنے والا کوئی نہ تھا۔ کسی کو جان و مال کا تحفظ حاصل نہ تھا۔ طالبان کی حکومت نے ہر شعبہ زندگی میں اسلامی قوانین کا نفاذ کیا معاشرے سے سود کی لعنت کو ختم کرنے کے لئے ہر قسم کا سرکاری سود معاف کر دیا گیا۔ نجی سطح پر بھی سود کی لعنت ختم ہوگئی۔ مردوں کے اسپتالوں میں خواتین نرسوں پر پابندی لگادی گئی۔ البتہ خواتین ہسپتالوں میں خواتین نرسیں آج بھی حسب معمول فرائض انجام دے رہی ہیں اس طرح طالبات کے لئے الگ مدارس قائم کئے گئے ہم نے دو ایسے مدارس دیکھے ایک طلبہ اور دوسرا طالبات کا مدرسہ تھا۔ طالبات کے مدرسے میں تین سو کے لگ بھگ طالبات تعلیم حاصل کرر ہی تھی۔ اسی طرح طلبہ کے مدرسے میں ڈھائی ہزار طلبہ تعلیم حاصل کرر ہے تھے ان مدارس میں دینی تعلیم کو بنیادی اہمیت دی جاتی تھی قندھار میں سب سے بڑے مدرسے کا نام ''مدرسہ امام اعظم ابو حنیفہؒ'' ہے۔ اس کی عمارت بڑی کشادہ ہے لیکن سادگی کا نمونہ ہے۔ طالبات کے مدرسے کا نام ''مدرسہ عائشہ للبنات ''ہے۔ اس مدرسے کی نگران اعلیٰ بی بی حلیمہ ہیں منتظمین کا کہنا تھا کہ وہ طالبات کے لئے مزید مدرسے قائم کرنا چاہتے ہیں لیکن خواتین اساتذہ دستیاب نہیں۔ تعلیم میں شرعی علوم کو بنیادی اہمیت دی جاتی ہے۔ قندھار میں ایک بہت بڑا مدرسہ زیر تعمیر ہے۔ یہاں پہلے قندھار کا سب سے بڑا سینما گھر تھا۔ اسے مسمار کرنے کے بعد مدرسے اور مسجد کی بنیادیں رکھ دی گئی ہیں۔ اس کے تمام اخراجات ایک افغان تاجر برداشت کر رہا تھا۔ جس کا کراچی میں بہت بڑا کاروبار ہے۔ پورے قندھار شہر میں کہیں پولیس نظر نہیں آئی۔ صرف ایک بڑے چوک میں ٹریفک پولیس اہلکار دکھائی دیا۔ لوگ اطمینان کے ساتھ کاروباری زندگی میں مصروف ہیں۔ حکومت نے معاشرے کو جائز اور ناجائز اسلحے سے پاک کر دیا ہے۔ یہ

حکومت کی ایک عظیم کامیابی ہے۔

افغان قائدین کی اپنی زندگیاں بھی عوام کے لئے مثالی نمونہ ہیں۔ایک صبح گورنر قندھار مہمان خانے میں تشریف لائے۔تو ان کی تواضع باسی روٹی اور لسی سے کی گئی۔وہ ایک نہائت معمولی سے گھر میں رہائش پذیر ہیں۔کوئی حفاظتی دستہ ان کے ساتھ نہیں ہوتا۔جہاں جی چاہیئے انہیں روک لو اور اپنا مسئلہ پیش کردو۔وہ وہیں پر احکامات جاری کر دیتے ہیں۔کسی کو ان کی خلاف ورزی یا انہیں مسترد کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔جب انصاف کا حصول اتنا آسان ہو تو پھر کسی کو ظلم وزیادتی کی جرأت کس طرح ہو سکتی ہے۔قندھار میں سابق حکمران کے محل کو سرکاری مہمان خانہ بنا دیا گیا ہے۔یہیں پر مرسڈیز گاڑی بھی کھڑی ہے جس میں نجیب سفر کرتا تھا۔اب یہ کسی کے زیر استعمال نہیں۔تمام مہمان فرش پر سوتے ہیں۔مہمان خانے کے اندر ایک شاندار مسجد تعمیر کی گئی ہے۔البتہ سکے کی قیمت نہایت کم ہے۔ایک پاکستانی روپیہ سات ہزار افغانی کے برابر ہے۔

امریکہ کا استعماری حملہ اور افغانستان پر قبضہ

ویسے تو امریکہ مدت سے طالبان کی اسلامی حکومت کو مٹانے اور ہٹانے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا کہ ۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ ہی کی مسافر ہوائی کمپنیوں کے تین چار طیاروں کو کچھ لوگوں نے اغوا کر کے نیویارک کی دو جڑواں ایک سو چھ منزلہ عمارتوں یعنی ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکروا دیا۔جس سے ڈھائی تین سو سواریوں کے مرنے ساتھ دونوں مینار بھی زمین بوس ہو گئے۔ایک ہوائی جہاز امریکی فوجی مرکز پینٹاگون سے ٹکرایا۔جس سے وہاں کے تقریباً ایک سو اسی آدمی مر گئے۔اور اس قلعہ نما عمارت کا ایک حصہ تباہ ہو گیا ایک ہوائی جہاز کو جو اغوا شدہ تھا امریکی جنگی طیاروں نے پنسلوانیا کے قریب مار گرایا۔یہ شاید وائٹ ھاؤس سے ٹکرایا جانا تھا۔یہ دیکھ کر امریکی حکومت سہم گئی۔امریکی صدر بش نے جب ۳۶ گھنٹے تک فضائیہ کے طیاروں کے جھرمٹ میں فضا میں معلق رہنے کے بعد قوم سے ٹی وی پر خطاب کیا تو اس کے آنسو نکل پڑے۔اس نے اس واقعے کو 'امریکہ پر حملہ'' کہتے ہوئے نامعلوم دہشت گردوں کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی ایک سو چھ منزلوں میں جو کہ امریکہ کی سب سے اونچی عمارت تھی ،دنیا کی سینکڑوں کمپنیوں کے دفاتر اور بینک تھے عمارت میں ،اس وقت موجود تقریباً چھ ہزار آدمیوں کے مرنے کا اعلان کیا گیا۔جو ۶۵ ملکوں سے تعلق رکھتے تھے۔کئی ٹن سونا بھی جڑواں عمارتوں کے ملبے تلے دب گیا۔آئندہ چھ

ماہ تک بمشکل ان عمارتوں کا ملبہ ہٹایا جاسکا۔ باوجود اس کے کہ سنٹر میں کام کرنے والے ہزاروں یہودی اس دن دفتروں سے غیر حاضر تھے۔ امریکہ نے عمارت کی تباہی کا الزام افغانستان میں مقیم طالبان کے مہمان اسامہ بن لادن پر لگایا جس نے قطر کے الجزیرہ ٹی وی پر خود کو اس سے بری الذمہ قرار دیا۔ البتہ امریکیوں کے جانی نقصان پر خوشی کا اظہار کیا۔ ۲۰۰۵ء میں کہیں جا کر اسامہ بن لادن نے اس تباہی کی ذمہ داری ایک ویڈیو ٹیپ میں قبول کی۔ امریکہ نے اسامہ بن الادن کی گرفتاری پر کروڑوں روپے انعام مقرر کر کے اسلامی حکومت طالبان کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کا فیصلہ کیا۔ علاوہ ازیں وہ وسط ایشا کے آزاد شدہ ممالک تک بھی رسائی چاہتا تھا تا کہ وہاں کے قدرتی ذخائر تک اس کی رسائی ہو وہ چاہتا تھا کہ افغانستان میں حسب نخواہ حکومت قائم کر کے ترکمانستان ،اوزبکستان اور کرغیزستان کے تیل اور گیس کے زرائع تک رسائی حاصل کرے۔

دوسرے وہ خود افغانستان کے پوشیدہ تیل اور گیس کے زخیروں اور سونے چاندی، لاجورد اور زمرد کی معدنیات پر حریصانہ نظر رکھتا تھا۔ چنانچہ اس نے اُسامہ بن لادن کی گرفتاری پر کروڑوں روپے کا انعام مقرر کر کے طالبان سے اس کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔ بصورت دیگر حملہ کرنے کی دھمکی دی۔ طالبان کے ثبوت مانگنے پر امریکہ نے نہ صرف اُسامہ کے ملوّث ہونے کا ثبوت فراہم کرنے سے انکار کیا۔ بلکہ ساتھ ہی اُٹھتیس اسلامی وغیرہ اسلامی ممالک کو ساتھ ملا کر خلیج فارس میں سینکڑوں بحری جہازوں، طیارہ برادر جہازوں وغیرہ کا اجتماع کیا۔ امریکی صدر بش نے جو مسلمانوں کے خلاف انتقام کی آگ میں جل بُھن رہا تھا پاکستان کے فوجی صدر جنرل پرویز مشرف کو فون پر دھمکی دی کہ یا تو تم ہمارے دوست ہو یا دشمن اور دشمن بننے کی صورت میں یعنی امریکہ کا ساتھ نہ دینے کی صورت میں اسے پتھر دور میں پہنچانے کی دھمکی دی۔ مشرف مذکور نے طالبان کے خلاف امریکہ کا ساتھ دیتے ہوئے کہا کہ پاکستان اس لئے امریکہ کا ساتھ دے رہا ہے کہ اس کے ایٹمی اثاثے محفوظ رہیں اور مسئلہ کشمیر کے حل میں معاونت حاصل ہو۔

مگر بعد کے واقعات نے ان تمام باتوں کو غلط ثابت کیا۔ امریکہ پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کے پیچھے پڑ گیا۔ اور محافظ پاکستان ڈاکٹر عبد القادر خان کو امریکی دباؤ پر نظر بند ہو کر خانہ نشین ہونا پڑا۔ ملک کو کوئی ذکر بیرونی امداد نہیں ملی جس سے ترقی کا عمل آگے بڑھتا۔

اس سے تین سال پہلے اگست ۱۹۹۸ء کو امریکہ نے اسامہ بن لادن کے خلاف پاکستان کے بلوچستانی ساحل کے قریب آکر اپنے بحری جہازوں سے کوئی ستر اسی کروز میزائیل داغے جس سے پکتیا کے جنوب مشرقی صوبہ افغانستان میں اسامہ بن لادن کے مجاہدین کا کیمپ تباہ ہوا۔ کوئی پچیس آدمی شہید ہوئے۔ اس وقت کے وزیر اعظم پاکستان نواز شریف کو اس وقت اطلاع دی گئی جب پہلا میزائیل پاکستانی فضاؤں میں بغیر پاکستان کے مرضی کے بلند ہوا۔ اب امریکہ نے طالبان سے مذاکرات کئے کہ یا تو اسامہ بن لادن کو ملک سے باہر نکال دیا جائے ورنہ پہلے قدم کے طور پر اسے امریکہ کے حوالے کیا جائے۔ اسلامی امارات افغانستان کے سربراہ ملا محمد عمر مجاہد نے اسامہ بن لادن کو بغیر کسی ثبوت اور تحقیق کے افغانستان سے نکالنے کا مطالبہ مسترد کیا۔ مگر اسامہ سے کہا کہ وہ خود اپنی مرضی سے جہاں چاہے چلا جائے مگر افغان اپنے مہمان کو زبردستی کبھی نہیں نکالیں گے۔ نیز واضح کیا کہ وہ اسامہ کو کبھی امریکہ کے حوالے نہیں کریں گے۔ پاکستان نے امریکہ کے کہنے پر دو دفعہ علماء کا وفد اُسامہ بن لادن کو اپنی راہ پر لانے کے لئے بھیجا۔ مگر افغانستان کے ایک ہزار علماء نے اُسامہ کو نکالنے یا کسی غیر ملکی طاقت کے حوالے کرنے کی مخالفت کی۔ اس سے چند ماہ بیشتر جب عرب ممالک کے علماء کا وفد بامیان کے بتوں کو نہ توڑنے کی ترغیب دینے کے سلسلے میں کابل پہنچا تو طالبان حکومت کے مضبوط اسلامی موقف کو سن کر نہ صرف قائل ہو گئے بلکہ اظہار ندامت بھی کیا تھا۔

جب دنیا کی سب سے بڑی ظالم جارح طاقت امریکہ کے سب وار اوچھے گئے تو اس نے ۷ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو پر امن اسلامی افغانستان پر اپنے بحیرۂ عرب میں کھڑے اپنے بحری جہازوں سے بھاری بھرکم کروز مزائلوں اور اپنے دیو ہیکل بی ۵۲ بمباری ہوائی جہازوں کے ذریعے قندھار، کابل، جلال آباد، مزار شریف، غزنی، ہرات اور دیگر شہروں پر بلاتمیز لوہے اور آگ کی بارش شروع کر دی۔ طالبان کے پاس نہ تو باقاعدہ جنگی طیارے تھے نہ دور مار توپیں اور نہ دور مار میزائیل لہٰذا وہ فضائی سائبان سے بالکل محروم تھے۔ کیونکہ ساری دنیا ان کی دشمن تھی۔ کسی ملک نے انہیں مطلوبہ ہتھیار دئے۔ نہ ان درویش صفت لوگوں کے پاس مطلوبہ رقم موجود تھی کیونکہ روس کی سُرخ وحشی فوجوں نے نہ کسی کارخانے کو ثابت چھوڑا تھا۔ نہ باغ اور کھیت کھلیان کو۔ اب یہ دوسری بلائے ناگہانی ٹوٹ پڑی۔

یہ شہادت کہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

امریکی ہوائی جہاز دس پندرہ ہزار فٹ کی بلندی سے بمباری کرتے رہے اور پُل، سڑکوں، چھاؤنی، بیرک، غرض ہر چیز کو ایک ہفتے کے اندر تباہ و برباد کر دیا۔

پاکستان نے دالبندین، پسنی، ژوب اور جیکب آباد کے ہوائی اڈے،، لاجسٹک سپورٹ،، کے نام پر امریکیوں کے حوالے کیئے اور خفیہ معلومات بھی بہم پہنچائیں۔ امریکی طیاروں کو ان ہوائی اڈوں پر پیٹرول لینے۔ اپنے مردوں اور زخمیوں کو لاکر رکھنے اور دیگر ضروری سامان لینے کی ہر سہولت حاصل تھی۔ دو سال کے بعد امریکیوں نے انکشاف کیا کہ انہوں نے ان اڈوں سے ایک لاکھ اسی ہزار اُڑانیں بھر بھر کر افغانستان کے مختلف حصوں پر حملے کیئے۔ جب جمعیت علمائے اسلام کے کارکنوں نے جیکب آباد کے ہوائی اڈے کا گھیراؤ کرنا چاہا تو پاکستانی فوج نے گولی چلا کر تین آدمیوں کو شہید کر دیا۔ متعدد کو مجروح اور بقیہ کو منتشر کیا۔ مذہبی جماعتوں نے ہر جمعہ کو حکومت نواز اور اسلام دشمن کاروائیوں کے خلاف دو ماہ تک جلوس نکالے۔ ملک بھر میں کئی شہروں میں مسلمان عوام شہید ہوئے۔

۸ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو کوئٹہ میں مشتعل مظاہرین نے امریکی صدر بش کا پتلا جلاتے ہوئے فحاشی کے مراکز چند سینماؤں اور سودی مراکز دو تین بینکوں کو نذر آتش کر دیا۔ چنانچہ اس کے کہنے پر حکومت پاکستان نے دو ہفتے کے بعد جلوسوں پر مکمل پابندی لگادی اور محض ایک مخصوص یا محدود جگہ پر جلسہ کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ متحدہ مجلس عمل پاکستان کے چوٹی کے رہنماؤں کو نظر بند کیا گیا۔ بلوچستان، جنوبی پنجاب اور سرحد کے دیگر شہروں میں بھی طالبان کی حمایت میں امریکہ مخالف مظاہرے کیئے گئے۔ اور جلسے ہوئے۔ ادھر کابل کے شمال میں طالبان کے مقابلے میں شمالی اتحاد کے لوگ امریکی حوصلہ افزائی اور طالبان کے مورچوں پر بے دریغ امریکی وحشیانہ بمباری سے شیر ہو کر ڈٹے رہے۔

دو ماہ کے بعد بے پناہ اور وحشیانہ فضائی بمباری کے وجود طالبان کا جانی نقصان بہت کم رہا۔ البتہ، مکانوں، ہسپتالوں اور دیگر عوامی مقامات پر بلا تمیز بمباری سے کوئی پانچ ہزار شہری شہید ہوئے۔ طالبان نے راکٹوں اور

سنگر میزائلوں سے دشمن امریکہ کے ۲۵ طیارے اور ہیلی کاپٹر گرائے۔ دو تین طیارے پاکستانی حدود میں آ کر گرے۔ کم از کم ایک ہزار امریکی اور دوسرے عیسائی فوجی جہنم واصل ہوئے۔ مگر امریکہ نے حرت انگیز طور پر اپنے نقصانات چھپائے رکھے۔ اگر کبھی بامر مجبوری اظہار کیا تو اسے خراب موسم اور حادثے کا نتیجہ بتایا تا کہ اس کی فوج میں بزدلی نہ پھیلے اور طالبان کی نیکنامی نہ ہو۔ امریکی میدان جنگ کے مرد نہیں۔ صرف سائنسی ٹیکنالوجی کی بنا پر اپنے مدمقابل پر برتری کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ چھ ماہ کے بعد مارچ ۲۰۰۲ء کے دو ہفتوں میں گردیز کے برف پوش پہاڑوں میں طالبان نے پہلی زمینی جنگ میں چار سو امریکی فوجیوں کو شکست دے کر کابل کے بگرام ہوائی اڈے کی طرف بھگایا۔ طالبان اور القاعدہ کے عرب غازی بھی تعداد میں چار سو تھے۔ اس جنگ میں ساٹھ امریکی فوجی جہنم واصل ہوئے۔ اور اتنے گرفتار ہوئے۔ چالیس سے زیادہ ان کے ساتھی دین فروش افغان سپاہی بھی مارے گئے۔

شمالی اتحاد نے امریکی بمباری کے سائے میں اواخر نومبر ۲۰۰۱ء میں شمال کے اہم شہر مزار شریف کا محاصرہ کیا۔ کوئی دس ہزار طالبان اور اسامہ بن لادن کی تنظیم القاعدہ کے عرب جنگجو محصور ہو کر رہ گئے۔ محصورین دو ہفتے تک بے جگری سے لڑتے رہے۔ اس اثنا میں سابق کمیونسٹ رہنما رشید دوستم بھی وطن واپس پہنچ چکا تھا۔ آخر اپنوں کی بعض کمزوریوں اور غیر افراد طالبان خصوصاً اوزبک اور تاجک لوگوں کی غداریوں کے باعث اچانک طالبان نے شمال کو چھوڑ کر قندھار آ کر دم لیا جو ملا محمد عمر آخوند مجاہد کا مرکز تھا۔ آخری دو ہفتوں میں امریکیوں نے چنگیزیت کو بروئے کار لاتے ہوئے پندرہ پندرہ ہزار پاؤنڈ وزنی ڈیزی کٹر بم (DAISSY CUTTERS) استعمال کئے۔ جس سے ایک ہی جگہ پانچ سو طالبان اپنے مورچوں میں شہید ہوئے۔ ایٹم بم سے کچھ ہی کم اس بم سے چار سو مربع میٹر میں آکسیجن ختم ہو جاتی ہے۔ چار کلومیٹر کے علاقے میں زلزلہ آ جاتا ہے۔ اور کچی پکی کوئی عمارت ثابت نہیں رہتی۔ زمین بالکل ہموار ہو جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آخری دنوں ڈیزی کٹر (DAISY CUTTEER) اور تھر بیرک (THERMO BEARIC) بموں کی بارش سے اس پندرہ ہزار طالبان شہید ہوئے۔ ان کے چھوڑے ہوئے علاقوں پر ان کے حریف ترکی اور فارسی بولنے والے شمالی اتحاد نے قبضہ کیا۔

مگر پشتونوں کے علاقوں میں طالبان نے تین بڑے صوبوں کو اپنے ہمدردوں اور سابق سوویت روس کے خلاف لڑنے والے دیندار کمانداروں کے حوالے کیں مگر جلال آباد میں سابق گورنر عبدالقدیر نے پھر سے قبضہ جمالیا تھا۔ جس کے بھائی عبدالحق کمانڈر کو طالبان نے غداری کے الزام میں پھانسی دی تھی۔ اور یہ امریکی حملے سے چند دن قبل کا وقعہ ہے۔ شمالی افغانستان کو چھوڑ کر طالبان نے اپنی قوت یعنی ہزاروں گاڑیاں، سینکڑوں ٹینک اور درجنوں طیارے قندھار، ہلمند، زابل اور اورزگان میں مجتمع کئے۔ خود ملا محمد عمر مجاہد اور ان کے اکثر اہم ساتھیوں کا تعلق اورزگان اور زابل سے اور مشہور قبیلہ غلجی سے ہے۔ خود ملا محمد عمر ہوتک ہیں۔

جنگ کے تیسرے مہینے یعنی دسمبر ۲۰۰۱ء میں امریکہ نے مراکز امارات قندھار اور اس کے اطراف میں بے پناہ بمباری جاری رکھی۔ اس دوران پاکستان کی خفیہ فوجی تنظیم آئی، ایس، آئی کے پروردہ دو افراد امریکی ڈالروں اور قبائلی تعلقات اور قبائلی رنجشوں اور تعصب کے بل بوتے پر قندھار کی امارات کے دعویدار بنے۔ ایک پوپلزئی دُرانی قوم کا حامد کرزئی جو امریکہ میں افغان کھانوں کے ریسٹورنٹوں کے ایک سلسلے کا مالک اور گزشتہ بیس سال سے کوئٹہ میں مقیم تھا۔ دوسرا گل آغا شیرزئی جو بارکزئی دُرانی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ اور وہ بھی کوئٹہ میں مقیم اور قندھار کا سابق گورنر رہا تھا۔ اس ان پڑھ پشتون کا والد قندھار میں سگبان یعنی کُتے لڑانے والا رہا تھا۔

امریکی اور برطانوی ذرائع ابلاغ یعنی سی، این، این اور بی بی سی نے ان کے حق میں جھوٹ بول کر اور حقائق کو توڑ مروڑ کر پراپیگنڈہ کیا دو مرتبہ امریکی سی، آئی، اے اور پاکستانی آئی، ایس، آئی کی مدد سے خاک افغانستان پر قدم رکھنے پر طالبان نے ان کو دو افراد کے سینکڑوں آدمی مار دیئے جن میں سے بعض سڑی ہوئی لاشیں پشین کے علاقے میں ایک خشک ندی میں پھینکی ہوئی پائی گئیں۔ اور خود حامد کرزئی جو بعد میں امریکہ کے بل بوتے پر کابل کی عبوری انتظامیہ کا صدر بنا طالبان کے ہاتھوں گرفتار ہونے سے بال بال بچا۔ اور امریکی ہیلی کاپٹر نے اسے کوئٹہ پہنچایا۔ کابل، مزار اور جلال آباد کے سقوط کے بعد طالبان نے ایک ماہ تک یعنی ۷ دسمبر ۲۰۰۱ء تا ۷ جنوری ۲۰۰۲ء کو امریکی بمباری کا مقابلہ کیا ۔ آخر رمضان شریف کے اواخر میں انہوں نے قندھار شہر کو خالی کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے شہر کو الکوزئی دُرانی قبیلے کے ایک متدیّن فرد ملا نقیب اللہ کے حوالے کیا۔ جس میں فوجی چھاونی اور پچاس ٹینک بھی شامل تھے اور عید الفطر یعنی ۱۸ دسمبر ۲۰۰۱ء سے چند ہی دن قبل کوئی دس ہزار مسلح

ساتھیوں سمیت عظیم مجاہد ملا عمر آخوند شہر سے نکل کر پہاڑوں کی نامعلوم منزلوں میں جا کر روپوش ہو گئے۔ کیونکہ زمین پر امریکی ڈالروں پر بکے ہوئے کرزئی اور شیرزئی کے لوگ تھے اور فضا سے صلیبی عیسائیوں کے طیاروں کی طرف سے آتش و آہن کی نہ تھمنے والی بارش تھی۔

جرمنی کے شہر بون میں امریکہ کے کہنے پر اقوام متحدہ کی زیر نگرانی چار پانچ روزہ افغانستان کانفرنس ہوئی۔ جس میں میں تمام باغی اور شکست خوردہ افغان دھڑوں نے شرکت کی۔ امریکی مہرے حامد کرزئی کو ۲۲ دسمبر ۲۰۰۱ء کو چھ ماہ کے لئے افغان عبوری حکومت کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ تاکہ وہ چھ ماہ میں ،،لویہ جرگہ،، کے ذریعے آئندہ افغانستان کے مستقل سربراہ کا فیصلہ کرے۔ ادھر وسط نومبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء امریکی بھاری بی باون بمبار طیاروں نے جلال آباد کے قریب کوہ سفید میں موجود غاروں میں چھپے ہوئے اسامہ بن لادن کے ساتھیوں کے چھپے ہونے کے شبہ میں ایک ماہ تک بے پناہ بمباری کی۔ چار سو عرب مجاہدین جان توڑ کر لڑے۔ تقریباً اکتالیس غازی درجہ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ بقیہ بخریت فرار ہوئے۔ بہت تھوڑے مجاہدین کو جلال آباد کے ایمان فروش حضرت علی کے آدمیوں نے گرفتار کیا جو امریکیوں کے حوالے کئے گئے۔ کچھ جو خفیہ راستوں سے پاکستان کے قبائلی علاقے میں پناہ لینے کی خاطر آئے پاکستانی لیویز کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ پانچ سات ایسے مجاہد خالی ہاتھ لڑتے ہوئے پانچ چھ پاکستانی سپائیوں کو مار کر رتبہ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ بقیہ کو حکومت پاکستان نے امریکہ کے حوالے کر کے بدترین دین فروشی کا مظاہرہ کیا۔ امریکہ نے ان سب عرب افغان اور بعض پاکستانی مجاہدین کو جزیرہ کیوبا (وسطی امریکہ) کے قریب اپنے بحری اڈے گوانتانا موبے کے عقوبت خانوں میں پہنچا دیا جہاں انسانیت کا نہیں وحشت کا قانون چلتا ہے۔

قندھار میں طالبان کی مجموعی قوت تقریباً ۳۵ ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھی۔ قندوز کے شمالی شہر میں جہاں پشتونوں کی آبادی پچاس ہزار تک تھی۔ طالبان اور عرب مجاہدین نے دس دن تک شمالیوں اور امریکیوں کا جان توڑ مقابلہ کیا۔ آخر پر فریب مذاکرات سے انہیں دھوکہ دیا گیا۔ پانچ ہزار طالبان نے مجبوراً ہتھیار ڈالے۔ لیکن دوستم کی فوج نے انہیں جنگی قیدی بنا کر شبرغان اور قلعہ جنگی میں قید کر دیا۔ شبرغان لے جائے جانے والے سینکڑوں ہزاروں قیدی بند کنٹینروں میں ٹھونسے گئے۔ جہاں ہوا اور روشنی کا گزر تک نہ تھا۔ نہ ہی راستے میں کسی کو پانی پینے دیا گیا

نتیجتاً شیرغان پہنچنے پر مجاہد دم گھٹنے سے شہید ہو گئے۔

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

یوں دشت لیلیٰ کی تاریخ پھر دہرائی گئی۔قلعہ جنگی کے قیدیوں پر گزری وہ تاریخ کا ایک خونریز باب ہے۔جہاں مسلمان مجاہدوں نے صرف ایمان کی قوت سے جابر وقاہر صلیبی کفار اور ان کے مددگار شمالی اتحاد کے باغی منافقین کا بے نظیر مقابلہ کیا۔ملا عبدالباقی جو طالبان کے مایۂ ناز کمانڈروں میں سے اور قلعہ جنگی کے معرکے کے چشم دید گواہ ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کی مشیت سے اس خونیں معرکے سے بچ کر زندہ نکلے اور چھپتے چھپاتے تین ماہ سفر کرنے کے بعد ایک محفوظ مقام پر پہنچے انہوں نے کراچی کے رنگین اور حق گو ہفت روزہ ضرب مومن میں معرکے کا چشم دید حال بیان کیا ہے۔ملا عبدالباقی نے کئی مرتبہ موت کو بہت قریب سے دیکھا۔سروبی کی جنگ میں یہ شدید زخمی ہو کر قریب المرگ ہوئے۔مگر بعد میں اللہ نے ہسپتال میں شفا بخشی۔یہ شمال کی جنگوں میں ملاداد اللہ کے ساتھ کارہائے نمایاں انجام دیتے رہے۔جب طالبان قندوز میں محصور ہوئے اور ملا عبدالباقی نے دیکھا کہ وحشی جنگی مجرم دوستم عرب اور پاکستانی مجاہدین کو کسی صورت راستہ دینے پر تیار نہیں ہے۔تو انہوں نے جان پر کھیل کر مہمانوں کو نکال لے جانے کا منصوبہ بنایا۔راستے میں مخبری ہوئی۔اور یہ گرفتار ہو کر قلعہ جنگی پہنچ گئے۔

ان کا یہ بیان تقریباً تمام محاذوں کا احاطہ بھی کرتا ہے۔ان سے یہ عجیب وسادہ ورنگین مگر خونین داستان سنئے۔

"جب امریکہ نے افغانستان پر فضائی حملہ کیا تو میں کابل میں تھا۔امیر المومنین نے مجھے قندھار طلب کیا۔میری تشکیل قندھار کے ضلع پنجوائی اور میوند میں کردی گئی۔تاکہ وہاں کا دفاعی نظام مضبوط کروں۔میرے پہنچنے کے بعد امریکیوں نے میوند اور پنجوائی میں بھی بمباری شروع کردی۔طیارے بہت بلندی پر پرواز کرتے ہوئے بم گراتے۔طیارے ہمارے اسلحہ کی پہنچ سے دور تھے۔اس لئے ہم ہوائی حملہ روک نہیں سکتے تھے۔میوند کے علاقے صالحان اور کرناوک میں عربوں کے بارہ افراد شہید ہوئے۔نوروزی باغ پل تلوکان میں ۵ افراد شہید ہوئے۔دس دن کے بعد تشکیل بغلان میں کردی گئی۔کیونکہ اوزبکستان کے راستے مزار شریف پر امریکی حملہ کی منصوبہ بندی کی خبریں آنے لگی تھیں۔جب طالبان کی فوجیں اوزبک سرحد کے قریب بندرگاہ حیرتان اور دریائے آمو کے کنارے جمع ہوئیں تو امریکا نے مزار شریف کے جنوب میں درۂ صوف کے علاقے میں دوستم کی

مدد کے لئے ہیلی کاپٹروں کے زریعے امداد پہنچانا شروع کردی۔ انہیں جدید اسلحہ دیا۔ حتیٰ کہ گھوڑوں کے لئے نئی لگامیں بھی فراہم کی گئیں ۔تا کہ مزار شریف پر اچانک حملہ کر کے قبضہ کرلیا جائے ۔میں بھی بغلان سے دوسو مجاہدین لے کر درۂ صوف پہنچا۔ امریکی دن رات بمباری جاری رکھے ہوئے تھے ۔آخری دنوں میں یہ صورت حال ہوگئی تھی کہ جو دستہ شام کے وقت مورچوں کی حفاظت کے لئے جاتا وہ بمباری سے صبح تک شہید ہو چکا ہوتا چنانچہ ہم نے پرانے مورچے چھوڑ کر نئی جگہوں پر دفاعی مورچے بنائے تھے۔ وہاں صرف میرے گروپ کے ستّر آدمی شہید ہوئے۔

بغلان کے ضلع نہرین سے اطلاع ملی کہ شمالی اتحاد کی فوجیں حملہ کا ارادہ رکھتی ہیں۔ وائرلیس کے زریعہ سپہ سالار ملا فضل آخوند کی طرف سے مجھے نہرین پہنچنے کا حکم ملا۔ میرے ساتھی نہرین میں پہلے سے موجود تھے۔ میں نے درۂ صوف کے محاذ کی کمان اپنے معاون کمانڈر عبد الغفار کے سپرد کی ۔اور نہرین روانہ ہوگیا۔ رات کے آخری پہر میں مخالفین نے بہت زوردار حملہ کیا۔ ہم جواب کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ دو گھنٹے میں ہم نے ان کا حملہ ناکام بنادیا ۔شمالی اتحاد والے آٹھ لاشیں ، درجنوں زخمی بہت سارا اسلحہ اور مردہ گھوڑوں کی بڑی تعداد چھوڑ کر بھاگ گئے ۔اسی دن مزار شریف میں نواح میں زبردست بمباری کی خبریں موصول ہونے لگیں ۔امریکا نے ایٹم بم کے بعد سب سے بڑا بم استعمال کرنا شروع کردیا تھا۔ درۂ صوف اور ٹو لگرہ بہت بڑے جانی نقصان کے بعد طالبان کو چھوڑنا پڑا۔

پھر اگلے دن شام کے وقت مزار شریف کے سقوط کی خبر ملی ۔ملا فضل نے مجھے بغلان پہنچے کا حکم دیا۔ جب میں بغلان پہنچا تو سمنگان کا بھی سقوط ہو چکا تھا۔ مزار شریف سے پسپا ہو کر آنے والے طالبان پل خمری مین جمع ہو چکے تھے۔ جبکہ طالبان کی ایک بڑی تعداد بمباری سے شہید ہوئی صرف تاشقرغان سے کوتل رباط و پل خمری تک امریکی طیاروں نے طالبان کی ۸۵ گاڑیوں کو گائیڈڈ میزائیلوں سے نشانہ بنا کر ان میں سوار طالبان کو شہید کردیا۔ اس کے بعد طالبان نے گاڑیاں راستے میں چھوڑ کر پیدل سفر کرنا شروع کردیا سمنگان کے گورنر عبد المنان حنفی اور پولیس سربراہ عبد العلی اپنی گاڑیاں سمنگان ہی میں چھوڑ کر پیدل سفر کرتے ہوئے پل خمری پہنچے کیونکہ امریکی طیارے گاڑیوں کو آسانی سے نشانہ بنا رہے تھے۔

اگلی رات کمانڈروں کی شوریٰ میں فیصلہ کیا گیا کہ شمال خالی کر کے بامیان کے راستے کابل جانا ہے اس سلسلے میں کندوز سے کابل تک جانے والے راستے کو آٹھ حصوں میں تقسیم کر کے اس کی حفاظت کی ذمہ داری مختلف کمانڈروں کو سونپ دی گئی۔ کیونکہ خطرہ تھا کہ مخالفین راستے نہ کاٹ دیں ملا فضل نے بغلان کے قدیم شہر سے پل خمری تک کے راستے کی نگرانی میرے ذمے لگائی۔ پل خمری سے دوشی تک کے راستے کی نگرانی ملا عبدالمنان حنفی اور ملا عبدالعلی کے ذمہ لگائی گئی۔

دوشی سے خنجان تک ملا شہزادہ۔ دوشی سے درۂ کیان تک ملا عبدالباقی ان کے ساتھی مقرر ہوئے۔ درۂ کیان سے تالہ برفک تک کمانڈر باز محمد اور مولوی عبدالسلام مقرر ہوئے بامیان کی دوراہی سے جلریز تک ملا غلام نبی جہادیار مقرر ہوئے جلریز سے بیرون شہر ورد گ تک راستہ کی حفاظت کی ذمہ داری کمانڈر غلام محمد وردگ کے ذمہ تھی۔ اس پلان کے مطابق اگلے دن مرحلہ وار طالبان دستوں کو کابل کی طرف روانہ ہونا تھا۔ لیکن دوسرے دن دو بجے اطلاع ملی کہ خلیلی نے بھاری نفری کے ساتھ بامیان پر حملہ کر دیا اور ملا عبدالسلام کو ساتھ ملا کر بامیان پر قبضہ کر لیا۔ بامیان کے سقوط سے ہمارا پلان ختم ہو گیا ہماری واپسی کے تمام ممکنہ راست بند ہو گئے شمال میں ایک مرتبہ پھر طالبان کا بہت بڑا لشکر محاصرے میں آ گیا۔ ادھر پل خمری میں امریکی طیاروں نے شدید بمباری شروع کر دی تھی۔ طیاروں نے ٹینک زرہ دار پر اور آس پاس کے علاقوں میں جہاں طالبان ٹھرے تھے آگ برسانا شروع کر دی تھی۔

بامیان کے بعد شام کے وقت خنجان کا بھی سقوط ہو گیا شوریٰ نظار کے جنرل کبیر نے نہرین پر حملہ کر کے خنجان پر قبضہ کیا اور دوشی اور پل خمری کی طرف پیش قدمی کی ملا شہزادہ نے بامیان کا راستہ بند ہونے اور جنرل کبیر کی پیش قدمی کے بعد مغرب کے بعد اپنے ساتھیوں کو نکال کر پل خمری کی طرف روانہ کر دیا تا کہ محاصرہ میں نہ آ جائیں۔ ادھر رات کے گیارہ بجے پل خمری شہر بھی طالبان کے ہاتھ سے نکل گیا مخالفین کے ایک گروپ نے خفیہ طور پر داخل ہو کر شہر کے مرکزی چوک کے ارد گرد کی عمارتوں پر مورچے سنبھال لئے۔ شہر کے چور اُچکے بھی مسلح ہو کر لوٹ مار کرنے اور گاڑیاں چھیننے کے لئے باہر نکل آئے۔

طالبان پل خمری سے بغلان کی طرف روانہ ہو گئے بغلان کے عوام نے بغاوت نہیں کی بلکہ تعاون کیا۔ ملا شہزادہ کا

قافلہ دوشی سے پل خمری پہنچا تو وہاں مخالفین قبضہ کر چکے تھے۔ان پر چوک کی طرف سے بڑھتے ہوئے فائرنگ ہوئی۔چند ساتھی زخمی ہوئے اور یہ شہر سے باہر ہی رک گئے اعلیٰ قیادت کی طرف سے لمحہ بھر بھی تاخیر نہ کرنے کا حکم تھا۔دوشی کی جانب سے جنرل کبیر مسلسل پیش قدمی کرتا ہوا آ رہا تھا۔آگے سے راستہ اور ادھر سے طیارے بم برسا رہے تھے سب مجاہدین کے محاصرے میں آنے کا خطرہ تھا۔

ملا شہزادہ نڈر تجربہ کار اور حاضر دماغ کمانڈر تھا وہ جنگوں میں کئی بار زخمی ہو چکا تھا۔اس کی پسلیوں میں اب بھی فلر پکچر تھا۔اس نے ہمت نہ ہاری اور گاڑیاں وہیں چھوڑ کر پل خمری کی شمالی پہاڑیوں کو پیدل عبور کر کے تین سو تیس مجاہدین کے ہمراہ بغلان کی جانب جا اترا۔پہاڑی راستہ کی نشاندہی کے لئے ایک مقامی شخص کو جگا کر اپنے ہمراہ لے لیا تھا۔

نہرین پر مخالفین کے قبضہ کے بعد بغلان میں ٹھرنا مشکل تھا اس لئے کندوز روانہ ہو گئے میں رات ایک بجے بغلان سے کندوز کے لئے روانہ ہو گیا ملا فضل نے بغلان اور کندوز کے مابین علی آباد کے مقام پر دفاعی خط بنانے کا فیصلہ کیا اور کندوز کے ملا مجاہد کو اس خط کا مسئول بنایا مزار، تخار اور پل خمری وغیرہ میں پسپا ہونے والے طالبان کندوز میں جمع ہوئے مخالفین نے ہر طرف شہر پر حملے شروع کر دئے امریکی طیارے دن رات کندوز شہر اور ارد گرد بمباری کر رہے تھے۔طالبان نے زمینی حملہ تو روکے رکھا لیکن فضائی دفاع نہ کر سکے۔اس دوران شمالی افغانستان کے چند سرکردہ پشتون اور ازبک کمانڈروں نے جو کسی حد تک طالبان سے ہمدردی رکھتے تھے اور شمالی اتحاد سے تعلقات بھی اچھے تھے۔دوستم کی پیش کش اپنی شخصی ضمانت کے ساتھ طالبان کو پیش کی کہ اگر طالبان اپنا بڑا اسلحہ اور دوستم کے حوالے کر دیں تو انہیں مزار شریف سے ہرات کے راستے قندھار جانے کے لئے راستہ فراہم کر دے گا دوستم کی طرف سے ضمانت دینے والے کمانڈروں میں ارباب ہاشم، عامر لطیف، بہرام، غوث الدین، شمس الحق اور کمانڈر عابدی شامل تھے۔انہوں نے خوب اطمینان دلایا تو ملا فضل اخوند نے اپنے کمانڈروں کی شوریٰ بلائی اور دوستم کی پیش کش سامنے رکھی کیونکہ اسلحہ ختم ہو رہا تھا رسد میں بھی کمی واقع ہو رہی تھی آخر علماء کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ ہوا کہ علماء کا فیصلہ سب کو منظور ہوگا۔

مولانا عبد العلی دیوبندی مولوی سدوزئی آغا، مولوی نور محمد نے ٹیلی فون کے ذریعے جواب دیا کہ اگر جنگ کی

صورت میں کامیابی کا کوئی امکان نہ ہو تو معاہدہ کرنا جائز ہے۔علماء کا فیصلہ تمام کمانڈروں کو ریکارڈ کر کے سنایا گیا جسے سب نے تسلیم کیا۔

جب معاہدے کا فیصلہ ہوا تو طالبان کا مشہور دلاور کمانڈر ملا داد اللہ مجلس سے اٹھا اور سب کو مخاطب کرتے ہوئے اور اپنی کلاشنکوف اور روسی میگا روف پستول دکھاتے ہوئے کہا میں کبھی بھی یہ اسلحہ دوستم کے حوالے نہیں کرونگا میں زندہ ہوتے ہوئے دوستم کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ملا داد اللہ نے ملا فضل سے کہا کہ اپ مجھے اللہ کے سپرد کرتے ہوئے رخصت کی اجازت دیں ملا داد اللہ معاہدہ پر عمل درآمد سے پہلے ہی بلخ کے ایک کمانڈر کی گاڑی میں تین ساتھیوں کے ہمراہ خفیہ طور پر روانہ ہو گیا۔

وہ مزار شریف سے گزر کر بلخ کے ایک گاؤں میں جا ٹھہرا، ملا داد اللہ نے شمالی اتحاد کے ساتھ کندوز میں سخت جنگیں لڑی تھیں شمالی اتحاد والے ان کے سخت دشمن تھے دوستم نے معاہدہ میں شرط رکھی تھی کہ وہ غیر ملکی یعنی عرب، پاکستان، اور اُزبکستان وغیرہ کے مجاہدین کو نہیں جانے دے گا معاہدہ کا اطلاق صرف افغانی طالبان پر ہوگا۔ملا فضل نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح دوستم غیر ملکی طالبان کو جانے دے۔لیکن وہ نہ مانا ہم غیر ملکی مہمان مجاہدین کے متعلق سخت پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔ان کو حفاظت سے نکالنے کی تدابیر کی جانے لگیں۔

آخر کار ملا فضل نے بلخ کے کمانڈروں سے رابطہ کر کے غیر ملکی مجاہدین کو خفیہ راستوں سے بحافظت نکالنے کا انتظام کر لیا۔معائدے پر عمل درآمد سے صرف ایک دن قبل ملا فضل نے مجھے بلا کر منصوبے سے آگاہ کیا اور چھ سو غیر ملکی طالبان میرے حوالے کر دیئے۔میں ہلکے اسلحہ کے ساتھ بڑی ٹرک گاڑی میں غیر ملکی مجاہدین کو لے کر کندوز سے چار درہ پہنچا اندھیرا پھیلتے ہی رات کے وقت سپہ سالار ملا فضل اخوند ہمیں دعاؤں کے ساتھ ہر کنگ پل تک رخصت کرنے آئے ہم نے دشت ابدان میں سفر شروع کر دیا۔راستہ میں بلخ کے اس کمانڈر شمک سے ملاقات ہوئی جو ملا داد اللہ کو محفوظ مقام پر چھوڑ کر واپس کندوز آرہا تھا اس نے ہماری رہنمائی کے لئے کمانڈر کریم آغا کو ہمارے ہمراہ کر دیا۔رات کے پچھلے پہر تاشقرغان پہنچے۔دوستم کے اپنے معاون پہرداروں نے ہمیں پھاٹک پر روکا کمانڈر کریم آغا نیچے اترا ان سے اپنا تعارف کرایا اور پھاٹک کھول دیا اور ہم روانہ ہو گئے، ہماری منزل بلخ تھی ہمیں مزار شریف کے بجائے حیرتان کی دوراہی سے پھر کر اور مزار شریف سے باہر ہو کر کچے راستے کے ذریعے

رات کے وقت گزرنا تھا لیکن شمک کا کمانڈر ہمیں دوراہی سے سیدھا مزار شریف لے گیا اس پر مجھے شک گزرا۔۔۔

اندھیرا پھیلنے لگا قلعہ میں کشیدگی بڑھنے لگی حزب وحدت کا کمانڈروں کی ہلاکت کا سن کر جوق در جوق مسلح نفری قلعہ میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ مسلح جنگجو انتقام میں آگ بگولہ ہو کر قیدیون کی طرف لپکے قیدی فصیل کے ساتھ گھاس پر سہمے بیٹھے ہوئے غیر یقینی سورتحال کا سامنا کر رہے تھے۔ بڑے کمانڈروں کی مداخلت پر وقتی طور پر خون خرابہ رک گیا اور ایک مرتبہ پھر قیدیوں کی تلاشی کا سلسلہ شروع کر دیا گیا تلاشی کے بعد چھ سو قیدیوں کو تنگ و تاریک تہہ خانے میں بند کر دیا گیا۔ اس چھوٹے سے تہہ خانے میں جگہ کم تھی سب نے بیٹھ کر رات گزاری ٹانگیں لمبی نہ کر سکتے تھے

جگہ کی تنگی اور اندھیرے کی وجہ سے گھٹن زیادہ تھی، روٹی پانی نہ تھا۔ سب کے منہ خشک ہو گئے، حالت نہایت بگڑ گئی آج دوسری رات تھی کہ ہم بھوکے پیاسے تھے۔ دن میں روزہ بھی بغیر کھائے پیے رکھا۔ ہر ایک نے عشاء کی نماز اپنی اپنی جگہ بیٹھے تیمم کر کے اشاروں سے پڑھی سجدہ کی جگہ نہیں تھی عرب مجاہدین مجھ سے شکوہ کرنے لگے کہ ہم نے اپ کے کہنے پر اسلحہ ان کے حوالے کیا۔ اور انہوں نے وعدہ خلافی کر کے ہمیں قید کر کے قلعہ میں بند کر دیا میں عرب مجاہدین کو جواباً تسلّی دیتے ہوئے کہتا کہ اس وقت میں بے اختیار ہوں کچھ نہیں کر سکتا میں بھی آپ کے ساتھ قید ہوں۔

رات کے کوئی دس بجے ہونگے کہ تہہ خانہ زوردار دھماکے سے گونج اُٹھا اور بارودی دھویں اور بو سے بھر گیا شمالی اتحاد کے خونخوار جنگجوؤں نے ہنڈ گرنیڈ روشن دانوں کے زریعے اندر پھینک دئے تھے۔ جس کے نتیجہ میں سات طالبان موقع پر شہید ہو گئے بڑی تعداد رات میں زخموں سے رات بھر کراہتی رہی اندھیرے میں پتہ نہیں چلتا تھا کہ کون کتنا زخمی ہوا۔ رات بیٹھے بیٹھے بے چینی میں گزاری ذکر و تلاوت کرتے کرتے فجر ہو گئی نماز فجر بیٹھے بیٹھے تیمّم سے پڑھی۔ ۲۵ نومبر کی صبح ہوتے ہی ایک ایک قیدی کو باری باری تہہ خانے سے باہر نکال کر تلاشی لیتے اور ہاتھ پیچھے باندھ کر بے تحاشا زدوکوب کرتے ہوئے نامعلوم مقام کی طرف لے جانے لگے۔ قیدیوں کو خدشہ تھا کی شہید کرنے کے لئے لے جا رہے ہیں۔ تہہ خانے میں ہم صرف پچاس قیدی باقی رہ گئے اچانک باہر سے تکبیر

کے بلند ہونے کی آوازوں کے ساتھ زوردار دھماکہ ہوا اور ساتھ ہی گولیاں چلنا شروع ہوگئیں۔ جنگ اس وقت شروع ہوئی جب حزب وحدت سے تعلق رکھنے والے ایک ہزارہ جنگجو نے عرب مجاہد کی تلاشی کے دوران اس کی جیب سے قرآن پاک نکالا اور پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ عرب مجاہد نے جواب میں کہا کہ یہ قرآن مجید ہے بد بخت ہزارہ جنگجو نے حقارت سے مغلظات بکتے ہوئے اسے دور پھینک دیا عرب مجاہد قرآن پاک کی توہین برداشت نہ کرسکا اس نے پیچھے کھڑے دوسرے عرب مجاہد کو اشارہ کیا جو پہلے سے ہینڈ گرنیڈ چھپائے ہوئے تھا۔ اس نے نعرہ لگا کر گرنیڈ کی پن نکالی اور اسے ہزارہ جنگجوؤں کی طرف اچھال دیا کئی ایک دھماکے سے اڑ گئے باقی ماندہ بدحواسی کے عالم میں اپنی گنیں چھوڑ کر الٹے پاؤں بھاگے برجوں پر پہلے سے متعین بندوق برداروں نے چاروں طرف سے طالبان پر فائر کھول دیا عرب مجاہدین نے گری ہوئی بندوقیں اٹھا کر اور دوسری چھین کر مردانہ وار مقابلہ شروع کر دیا۔

فائرنگ شدید سے شدید تر ہوتی گئی اور اتنی تیز ہوگئی کہ ہم سر اٹھا کر باہر نہ دیکھ سکتے تھے قلعہ کی چاروں دیواروں اور برجوں پر کھڑے شمالی جنگجو پیٹھ پیچھے ہاتھ بندھے نہتے قیدیوں پر بارش کی طرح گولیاں برسانے لگے حتیٰ کہ ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا ہم نے نماز پڑھی سورۃ یٰسین کا ورد کیا اور اللہ سے مدد مانگی سب ساتھیوں نے ایک دوسرے کو گلے مل کر کہا سنا معاف کیا۔ ہمیں یقین ہوگیا تھا کہ باہر نکالے جانے والے تمام قیدیوں کو شہید کر دیا گیا ہے اور اب ہمیں ضرور قتل کر دیا جائے گا۔ اچانک تہہ خانے کا بند دروازہ کھلا اور ایک عرب مجاہد اندر داخل ہوا اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں پتھر اٹھائے ہوئے تھے میں نے اس سے پوچھا کیا ہوا اس نے کہا الحمد للہ کامیابی شکراً میں اٹھا اور اس کے ساتھ باہر نکلا باقی ساتھیوں کو انتظار کے لئے کہہ دیا میں جب تہہ خانے سے باہر نکلا تو قیامت صغریٰ کا منظر تھا قلعہ کے وسط میں دور دور تک شہدا کی لاشیں بکھری پڑی تھیں شہیدوں کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے عرب مجاہد شاید شہادت کو کامیابی کہہ رہا تھا۔ شہیدوں کے درمیان پڑے ہوئے زخموں سے چور چور بڑی تعداد میں زخمی کراہ رہے تھے ان کے ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے تھے اور کچھ طالبان سامنے دیواروں کے ساتھ بیٹھے تھے ان کے ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے تھے اور کچھ طالبان نے گڑھوں کی آڑ لے رکھی تھی ان کے پاس گنیں تھیں اور مقابلہ کر رہے تھے چاروں طرف برجوں سے فائرنگ بغیر کسی وقفے کے جاری تھی۔

شمالی اتحاد نہتے قیدیوں کا ردعمل برداشت نہ کر سکا تو اس نے امریکی طیاروں کی مدد طلب کر لی ظہر کی نماز کے بعد فضا میں طیارے نمودار ہو کر قلعے کے جنوبی حصہ پر بم برسانے لگے دوستم کے ٹینک قلعہ کے شمالی حصہ سے آگے بڑھ کر گولہ باری کرنے لگے۔ باہر سے قلعہ کے اندر مارٹر توپوں سے بھی گولے پھینکے جا رہے تھے ٹینک توپیں اور طیارے اکٹھے آگ برسانے میں مشغول تھے۔ ہر طرف دھواں ہی دھواں چھا گیا سخت غبار اڑنے لگا اس گرد وغبار کی وجہ سے ہماری نقل وحرکت آسان ہوگئی مقابلہ کرنے والے مجاہدین اِدھر اُدھر آجا رہے تھے اور دشمن کی گولیوں سے محفوظ تھے۔

اتنے میں ایک زخمی عرب مجاہد میرے پاس آیا جس کا کٹا ہوا ہاتھ لٹک رہا تھا صرف جلد کے ساتھ جڑا ہوا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ مرا ہاتھ کاٹو شاید اس کے ذہین مین حضرت معاذؓ کی سنت پر عمل کا خیال آیا تھا میں نے اس کے لٹکتے ہوئے ہاتھ کو اس کے بازو کے ساتھ باندھ دیا جب میں نے پوچھا کہ زیادہ تکلیف تو نہین ہو رہی تو جواب میں الحمد اللہ ''جوڑیم جوڑیم'' کہتا ہوا پھر لڑنے کے لئے خندقوں کی طرف چلا گیا جنگ شروع ہونے سے قبل تہہ خانے سے نکال کر باہر لائے جانے والے طالبان اور عرب مجاہدین کو قطار میں بٹھا کر امریکی سی۔ائی۔اے کے دو افسران تفتیش، سی آئی اے کے ایجنٹ تصاویر کھینچتے اور ویڈیو فلمیں بنا رہے تھے ان دونوں افسران نے اپنی ٹانگوں کے ساتھ پستول باندھے ہوئے تھے ایک نے افغانون جیسا حلیہ بنا رکھا تھا اور داڑھی رکھی ہوئی تھی جبکہ دوسرے کی بڑی بڑی مونچھیں تھیں وہ خاص کر صبح سے عرب مجاہدین سے خصوصی تفتیش کر رہے تھے۔ جب تہہ خانے کے قریب دھماکے اور فائرنگ کی آواز آئی تو مونچھوں والے سی۔آئی۔اے کے ایجنٹ نے اپنا پستول نکال کو سیدھا طالبان پر فائر شروع کر دیا لیکن اگلے ہی لمحے اس کے قدموں کے قریب تفتیش کے لئے اپنی باری کا انتظار میں بیٹھے عرب مجاہد نے جھپٹا مار کر پستول والا ہاتھ قابو کر لیا اور دوسرے مجاہدین نے آگے بڑھ کر اسے دبوچا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا کام تمام کر دیا یہ ماجرا دیکھ کر دوسرا ایجنٹ اپنے پستول سے فائر کرتے ہوئے جان بچانے کی خاطر الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوا۔

امریکی طیاروں نے قلعہ مین محصور قیدیوں پر دو ہزار پونڈ وزنی بم گرانے شروع کر دئے آگ لگنے کے بعد عمارتیں گرنے لگیں میدان میں گڑھے بن گئے بموں کے دھماکوں کی لہر سے مجاہدین بیس میٹر دور جا گرتے اور جسموں

سے خون کے فوّارے پھوٹ پڑتے زرودار دھماکوں سے میرے کانوں کے پردے پھٹ گئے اور ان سے خون بہنے لگا امریکہ نے خاص قسم کے کیمیائی بم بھی استعمال کئے میرے بدن میں اب بھی کیمیائی اثرات ہیں میرا سارا جسم درد کرتا ہے طیاروں کی بمباری دوستم کے ٹینکوں کی گولہ باری سے ان کے اپنے سینکڑوں گھوڑے ہلاک اور زخمی ہوگئے جو قلعہ کے اندر بندھے ہوئے تھے۔

اسی اثناء میں عرب مجاہدین جو مقابلے کے لئے کسی ہتھیار کی تلاش میں بے تاب تھے میرے پاس آئے اور پوچھا کہ قلعہ کا اسلحہ خانہ کہاں ہے۔ میں نے چونکہ گاڑی میں سوار ہو کر قلعہ میں داخل ورکشاپ میگزین ڈپو دیکھا تھا۔ اس لئے گولیوں کی بوچھاڑ میں بھاگتے ہوئے میں عرب مجاہدین کو لے کر سیدھا اسلحہ گودام پہنچا۔ دروازے توڑ کر اندر داخل ہوئے۔ تو وہاں سے ایک عدد مارٹر گن اچھی حالت میں مل گئی۔ جبکہ دو عدد بڑی مشین گنیں، ایک کلاشنکوف ایک اینٹی ائیر کرافٹ گن اور آر۔ پی۔ جی کے راکٹ بھی مل گئے۔ ہماری فورس کی ضرورت پوری ہو چکی تھی۔ اب ہم محصور ہو کر بھی اپنے دل کا ارمان نکال سکتے تھے۔ عرب چونکہ بہت جفاکش اور اسلحہ کے ماہر ہوتے ہیں۔ اس لئے ہم نے ایک عرب مجاہد کو ٹینک شکن راکٹ اور دوسرے کو اینٹی ائیر کرافٹ دے کر قلعہ کے دروازے کے قریب بٹھا دیا جہاں سے ٹینکوں کا آنے کا امکان تھا۔ باقی مجاہدین میں تقسیم کرتے انہیں مختلف پوزیشنوں پر بٹھا دیا گیا اب عملاً قلعہ پر ہمارا قبضہ ہو گیا۔ دشمن کی بھاری نفری قلعہ کے باہر جمع ہو گئی۔ انہوں نے قلعہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ٹینک اور بکر بند گاڑیاں بھی لائی گئیں۔ جن میں امریکی اور برطانوی بکتر بند گاڑیاں بھی تھیں۔ دشمن کی جانب سے پھینکے جانے والے ٹینکوں اور گولوں کے جواب میں قلعہ کے اسلحہ خانہ میں پڑے پرانے گولوں اور راکٹوں کو آگ لگا کر چلا دیتے وہ قلعہ سے باہر جا کر دھماکے سے پھٹ جاتے۔

اس شدید ترین جنگ کے دوران ایک عرب مجاہد قلعہ میں گھومتا پھرتا بلند آواز سے پر جوش انداز میں کہتا جاتا تھا ۔،، واللہ رائحۃ المسک، واللہ رائحۃ المسک،، (اللہ کی قسم! مشک کی خوشبو آرہی ہے) مجاہدین مختلف گروپوں میں تقسیم ہو کر لڑ رہے تھے۔ شام تک یونہی جنگ جاری رہی۔ جب گولہ باری میں کچھ کمی ہوئی۔ تو ہم نے پانی سے روزہ افطار کیا۔ اور مغرب کی نماز پڑھی۔ میرے گروہ کے ساتھی پوچھنے لگے کہ اب کیا کیا جائے۔ ہمارے پاس لڑنے کے لئے کافی اسلحہ و خوراک نہیں ہے۔ کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ میں چونکہ مزار شریف کے

سارے علاقے سے واقف تھا۔ میں نے مشورہ دیا کہ قلعہ کی جنوب مغربی سمت میں واقع برج پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کرلیا جائے اس برج کی قریبی آبادی پشتونوں کی ہے۔ رات کے اندھیرے میں وہاں سے نکلنا آسان پڑے گا۔

ہم نے یکبارگی جنوب مغربی برج پر حملہ کر دیا۔ جہاں دوستم کے سپاہی مورچہ زن تھے۔ انہوں نے تھوڑی دیر مزاحمت کی اور برج سے پسپا ہو کر بھاگ گئے۔ ہم نے برج پر قبضہ کرلیا۔ اب قلعہ کے باہر سے اس برج پر بھی گولیاں برسائی جانے لگیں۔ قبل اس کے کہ برج پر ٹینک کے گولے آلگیں ہم نے اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے قلعہ سے اترنے کا فیصلہ کرلیا۔ برج سے پگڑیاں لٹکا کر ایک ایک ساتھی کو نیچے دیوار سے باہر اتارا جانے لگا ۔ دو دو، تین تین ساتھی آہستہ بچتے بچاتے بستی میں داخل ہو گئے۔ دشمن کے آدمی دائیں بائیں کی جگہوں میں تھے ۔ لیکن ان کی پوری توجہ قلعہ کی طرف تھی۔ اور وہ ادھر ہی گولیاں چلا رہے تھے۔ تقریباً تیس عرب پاکستانی اور افغانی مجاہد قلعہ سے باہر کودنے میں کامیاب ہو گئے۔ میں نے باقی عرب مجاہدین کو بھی نکل جانے کا مشورہ دیا۔ تو انہوں نے ''اِمّا الْفَتْحُ وَ اِمّا الشہادۃ'' یا فتح یا شہادت کہتے ہوئے جانے سے انکار کر دیا۔ جب وہ کسی صورت جانے پر راضی نے ہوئے تو آخر میں نے بھی قلعہ سے اتر کر آہستہ آہستہ سے آبادی کی طرف بڑھا۔ قلعہ کے باہر مزید فوج جمع ہو رہی تھی۔ اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مزار شریف سے باہر نکل کر ہم تین جماعتوں میں بٹ گئے۔ دو جماعتیں چار برجک کی طرف روانہ ہوئیں اور ایک جماعت بلخ کی طرف۔ ہم ساری رات پیدل چلتے ہوئے سحر کے وقت بلخ کے ایک گاؤں میں پہنچ گئے۔ جب ہم نے ان گاؤں والوں کو بتایا کہ ہم قلعہ جنگی سے آئے ہیں۔ تو وہ ہماری حالت دیکھ کر رونے لگے۔ انہوں نے آگ جلائی۔ گرم پانی لائے۔ ہمارے منہ دھوئے، بارود دھویں اور مٹی کی وجہ سے ہماری بُری حالت تھی اور کئی پہر سے کھانا نہ کھانے کی وجہ سے نقاہت بہت تھی۔ گاؤں والوں نے ہمیں روٹی دی۔ ہم نے روزہ رکھا۔ اذان کے بعد فجر کی نماز پڑھ کر روانہ ہو گئے۔ اور کمانڈر کے گاؤں کا پتہ پوچھتے پوچھتے اس کے ڈیرے پر پہنچ گئے۔ وہاں طالبان کے ساتھ کمانڈر انچیف ملا داد اللہ، گورنر سمنگان ملا عبد المنان اور ملا عبد العلی پہلے سے موجود تھے۔ ان سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ اور ہم تین دن تک اس ڈیرے پر رہے۔

تیسرے دن ہمیں اطلاع ملی کہ دوستم نے امریکی فوج کی مدد سے قلعہ جنگی پر قبضہ کرلیا ہے۔ سینکڑوں مجاہدین کو شہید کردیا گیا اور کچھ کو زندہ گرفتار کیا گیا ہے۔ امریکیوں نے تہہ خانے میں پانی اور پیٹرول چھوڑ کر اسے آگ لگادی۔ تہہ خانے میں دھواں بھر گیا۔ ٹھنڈے پانی اور دھویں کی وجہ سے زخمی مجاہدین شہید ہوگئے۔ جو بچ گئے وہ ساری رات ٹھنڈے پانی میں کھڑے رہے۔ ان کے پاؤں سُن ہوگئے۔ وہ حرکت نہ کرسکتے تھے۔ صبح کے وقت ریڈ کراس کے اہلکاروں نے باہر نکالہ اور پھر انہیں گرفتار کرلیا گیا۔ زخمیوں کے ساتھ بہت برا سلوک ہوا۔ ان کے سروں کو بھاری پتھروں سے کچل دیا گیا۔ ان کے پیٹوں کو چیرا گیا۔ کمانڈر کی عدم موجودگی میں اس کے ڈیرے پر ہمیں سارے حالات پہنچتے رہے۔ تیسرے دن ہم رات کے وقت چھپ کر روانہ ہوگئے۔ ہمیں خطرہ تھا کہ کمانڈر ہمیں لالچ میں دوستم کے حوالے کردے گا۔ ملا داد اللہ کسی اور سمت چلے گئے۔ میں نے دو ساتھیوں کے ہمراہ قریبی گاؤں میں پناہ لے لی۔ میں جس گھر میں ٹھہرا تھا انہیں دو کلاشنکوف اور ایک وائرلیس دے دیا۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ تیسرے دن مخبری ہوگئی۔ دوستم کی فوج ٹینک کے ساتھ گاؤں کا محاصرہ کرنے لگی۔ گھر والوں نے محاصرہ ہونے سے پہلے اپنا لڑکا ہمارے ساتھ روانہ کردیا وہ ہمیں پچھلی جانب سے دوسرے گاؤں میں اپنے رشتہ داروں کے ہاں لے گیا۔ وہاں کچھ دیر ٹھہرے رہے پھر باہمی مشورے سے میرے دو ساتھی وہیں ٹھہرے رہے اور میں پھر پہلے والے گھر میں واپس آگیا۔ میں وہاں تقریباً تین ماہ ٹھہرا رہا۔

ظہر کے بعد ایک دن میں گاؤں سے باہر نکلا تو لوگوں نے مجھے بتایا کہ آپ کا ایک اور مجاہد ساتھی بھی ہے۔ جوان قریبی کھیتوں میں کام کررہا ہے۔ میں جب کھیت کی طرف گیا تو وہاں ایک عرب مجاہد تھا۔ جس کے شانے پر زخم تھا وہ زخمی حالت میں قلعہ جنگی سے نکلنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اس نے ازبکی لباس پہن کر ایک کسان کا روپ دھارا ہوا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ میں بیلچہ اور دوسرے ہاتھ میں کتا پکڑا ہوا تھا۔ وہ طائف کا رہنے والا تھا۔ ہماری ایک کھیت کے کنارے بیٹھے باتیں ہوئیں۔ جیب خرچ دیا۔ چھوٹی عید کے بعد دوستم کی ملیشیا نے چھاپہ مار کر اس عرب مجاہد اور میرے دو طالبان ساتھیوں کو گرفتار کرلیا۔ میں پھر بچ گیا۔ اس گاؤں میں میرا نام عبدالغفار تھا۔

میں کب تک بچتا رہتا۔ اس لئے آخر کار ایک دن کابل جانے کا پروگرام بنایا۔ یہ بہت خطرناک سفر تھا۔ قدم قدم پر پکڑے جانے کا خطرہ تھا۔ مجھے پناہ دینے والوں کی تدبیر اور دلیری کی داد دینی پڑتی رہے۔ انہوں نے اپنے گھر

کی ایک برقعہ پوش بوڑھی خاتون اور دو بچے میرے ساتھ روانہ کئے۔ اور خود پیچھے پیچھے آنے لگے۔ اس نے سر پر پکول (پنجشیری ٹوپی) رکھی۔ سگریٹ منہ میں حلیہ تبدیل کر کے مسافر کے روپ میں مزار شریف لاری اڈے پہنچا وہاں سے ٹیکسی میں کابل روانہ ہوئے۔ راستوں کی چیک پوسٹوں پر سگریٹ کا دھواں نکالتے ہوئے لاپروہی سے بچے کو گود میں اٹھائے بیٹھا رہتا۔ شمالی اتحاد کے پہرے داروں سے بچتے بچاتے رات کو کابل پہنچے۔ اور رات ہوٹل میں بسر کی۔ رات کے وقت میں نے اپنے محسنوں کو اپنا تفصیلی تعارف کروایا۔ اور اپنا تمام قصہ سنا دیا۔ وہ حیران رہ گئے۔ میں نے انہیں تین ماہ تک اپنے بارے میں اب تک کچھ نہ بتایا تھا۔ صبح اُٹھ کر نماز پڑھی۔ اپنے محسنوں سے الوداعی ملاقات کی اور انہیں واپس مزار شریف روانہ کر دیا۔ اب یہاں سے آگے مجھے تنہا سفر کرنا تھا میں کابل سے غزنی پہنچا۔ لاری اڈے پر اترتے ہی ایک شخص نے مجھے دیکھا تو بغیر کوئی بات کئے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی گاڑی کی طرف لے جا کر آگے والی سیٹ پر بٹھایا۔ اور جلدی سے شہر سے نکل کر قندھار کی طرف روانہ ہو گیا ۔یہ ٹیکسی ڈرائیور میرا پرانا دوست تھا جو جنگی محاذوں پر میرے ساتھ رہ چکا تھا۔ راستہ میں میں نے اپنے اس دوست کو سارا قصہ سنایا۔ وہ بہت خوش ہوا۔ رات شہر میں گذاری۔ صبح اطلاع ملی کہ آگے قندھار تک کوئی چیک پوسٹ نہیں۔ اس طرح قندھار شہر سے گزر کر اپنے گھر پہنچ گیا۔

قندوز میں ہمارے ساتھ کیا دھوکہ ہوا؟ قلعہ میں کیا قیامت ڈھائی گئی۔ اور اللہ کی راہ میں نکلنے والے قیدیوں پر کیا مظالم ہوئے؟ یہ باتیں میں کبھی نہیں بھلا سکتا۔ شہداء کے ایک قطرۂ خون کا حساب قدرت ضرور لے گی۔ اللہ سے امید ہے کیونکہ وہ حالات کو پھرنے والا ہے۔ یہاں پر ملا عبد الباقی کا قلعہ جنگی کا آنکھوں دیکھا حال اور خونریز داستان ختم ہوئی۔

امریکہ نے دیگر عیسائی طاقتون برطانیہ، آسٹریلیا، جرمنی، اٹلی کی فوجوں کو اپنی نگرانی میں کابل۔ قندھار اور دیگر بڑے بڑے شہروں میں متعین کر دیا۔ خود اپنی فوج کو بگرام ہوائی اڈے پر رکھا۔ بعد میں نیٹو یعنی شمال معاہدہ اوقیانوس کی فوجوں کو افغانستان میں متعین کر کے اس کی کمان ترکی جیسے مسلم آبادی والے ملک کے حوالے کر دی۔ جو کہ نیٹو کا رکن ہے۔ مگر اسلامی ملک ہونے کی بنا پر یورپی یونین کے پندرہ بیس عیسائی ممالک اسے اپنا رکن بنائے او تجارتی واقتصادی فوائد سے بہرہ مند ہونے کے مخالف ہیں۔

۲۰۰۴ء میں امریکہ کی نگرانی اور خواہش کی پیروی میں افغانستان کا صدارتی انتخاب ہوا جو ایک شخص ایک ووٹ کی بنیاد پر افغانستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہوا۔ پاکستان میں مقیم نوّے فیصد پشتون رائے دہندگان نے حامد کرزئی کے حق میں ووٹ ڈالے۔ کچھ قوم پرست پارٹیوں نے بھی جعلی ووٹ بھگتائے۔ شمالی اتحاد کے نمائندے کرزئی کے مقابلے میں ہار گئے۔ کرزئی نے پاکستان امریکہ اور دوسرے ممالک کے دورے کئے اور کاسۂ گدائی ہاتھ میں لئے رکھا۔ ہندوستان نے افغانستان کے شہروں قندھار، ہرات، جلال آباد وغیرہ میں اپنے قونصل خانے کھولے تاکہ پاکستان کے خلاف ریشہ دوانیاں کر سکیں۔ بھارت نے بسوں اور ٹرکوں کا تحفہ بھی افغانستان کو دیا۔ پاکستان نے بھی موٹروں کا تحفہ دیا۔ مگر شمالی اتحاد والوں کا جھکاؤ پہلے کی طرح بھارت کی طرف رہا۔ اور یہ عناصر پاکستان کو زک پہنچانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے۔

افغانستان کا نیا آئین بھی ،،لویہ جرگہ،، میں منظور کیا گیا۔ قومی ترانہ پشتو میں رہنے دیا گیا۔ پشتو اور فارسی سرکاری زبانیں رہیں۔ بظاہر جمہوری اسلامی آئین ہے۔ افغان پارلیمانی کے انتخاب کے لئے تیاریاں جاری ہیں۔

امریکہ نے کوشش کی کہ افغانوں کو عیسائی بنایا جائے۔ افغانستان کے معدنی وسائل سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے۔ اگر ممکن ہو تو افغانستان میں فوجی اڈّے بنائے جائیں گے۔ امریکی افغانستان میں فحاشی عریانی اور بے حیائی کو رواج اور فروغ دے رہے ہیں۔ کابل میں سینما، شراب خانے، اور بیوٹی پالر قائم کر دئے گئے ہیں۔ نصاب تعلیم کو سیکولر بنانے کے لئے کئی لاکھ نصابی کتب شائع کر دی گئی ہیں۔

مگر دوسری طرف طالبان اور اسامہ بن لادن پہلے کی طرح فعّال ہیں۔ اور امریکہ کی چھاتی پر مونگ دل رہے ہیں۔ وہ موقعہ پاتے ہی امریکیوں پر پل پڑتے ہیں۔ ان کی گاڑیوں کو بارودی سرنگوں اور ریموٹ کنٹرول بموں سے اڑاتے ہیں۔ گرمیوں کے موسم میں وہ روزانہ کہیں نہ کہیں چھاپہ مار کر کاروائی کرتے ہیں۔ اور ہر حملے میں کم از کم پانچ سات امریکیوں اور ان کے حلیفوں یعنی افغان کرزئی کے فوجیوں کو مارتے ہیں۔ اور خود حیرت انگیز طور پر بچ جاتے ہیں۔ انہوں نے خوست، باگرام اور دیگر امریکی چھاؤنیوں پر پے در پے راکٹ اور میزائیل پھینک پھینک کر دشمنوں کو بھاری جانی و مالی نقصان پہنچایا ہے۔ ہر چھاؤنی مین آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ مگر امریکہ حیرت انگیز طور پر اپنے نقصانات پر پردہ ڈالے ہوئے ہے۔ اور اپنے نقصان کو کم سے کم ظاہر کر کے دکھاتا ہے۔ اب تک

اس کے ہزار حملوں میں کھپت رہے ہیں۔طالبان کے کسی بھی اچانک حملے کے بعد امریکی اپنی فضائی تک طلب کرتے ہیں۔مگر طالبان آناً فاناً اپنے خفیہ ٹھکانوں پر پہنچ جاتے ہیں۔امریکہ کی پیش کش اور صلح جوئی کی ہر کوشش کو انہوں نے پائے استحقار سے ٹھکرایا ہے۔ملا محمد عمر مجاہد بدستور زندہ اور زیر زمین ہیں۔

افغانستان کا کل رقبہ

محمد ظاہر کے زمانے میں افغانستان کی ولایت صوبے یہ تھے بعد میں ایک ایک نئی ولایت بنی جسکا پُرانا نام نئے نام سے بدلا ہے۔

نام ولایت	رقبہ	مرکز شہر
ارزگان	۳۲۵۳۷ مربع کلومیٹر	ترین کوٹ
بادغیسات	۲۵۴۹۷	قلعۂ نو
بامیان	۲۰۲۴۲	بامیان
بدخشان	۴۴۹۹۸	فیض آباد
بغلان	۱۳۴۹۳	بغلان
بلخ	۱۵۶۲۶	مزار شریف
پروان	۸۹۵۱	چاریکار
پکتیا	۱۵۷۶۲	گردیز
تخار	۱۷۴۴۹	تالقان
جوزجان	۲۱۷۲۶	شبرغان
نیمروز	۵۴۳۳۶	زرنج
زابل	۲۰۶۷۱	قلات
سمنگان	۱۵۷۷۲	ایبک
غزنی	۳۱۳۲۹	غزنی

غورات	۳۵۷۶۲	چغچران
فاریاب	۱۲۳۳۶	میمنہ
فراہ	۵۹۵۹۰	فراہ
کابل	۳۵۲۸۰	کابل
کاپیسا	۴۶۵۸	محمود راقی
کندوز	۸۰۸۰	کندوز
کندھار	۴۵۸۳۳	کندھار
کونڑ	۹۶۹۴	چغاں سرائے
لغمان	۸۳۳۴	مہترلام
لوگر	۴۳۳۴	برکی برک
ننگرھار	۷۱۷۶	جلال کوٹ۔جلال آباد
وردگ	۱۰۶۷۵	میدان باز
ہرات	۴۱۷۱۸	ہرات
ہلمند	۵۱۸۸۸	بُست

ماخذومراجع

۱:۔درز دایا کے تاریخ معاصر افغانستان' از احمد علی کہزاد، ناشر انجمن تاریخ، کابل، افغانستان ۱۳۳۱ھ ش، ۱۲۵۱ء

۲:۔بادشاہان متاخر افغانستان (فارسی) جلد دوم، تالیف مرزا یعقوب علی خانی، طبع دولتی مطبعہ ۱۳۳۲ھ ش، ۱۹۵۲ء

۳:۔تاریخ اسلام اُردو، چار حصص، از مرتضیٰ احمد خان میکش دُرّانی، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور ۱۹۶۳ء

۴:۔پشتانہ دتاریخ پہ رنا کی (پشتو) از سید بہادر شاہ ظفر کاکا خیل۔طبع یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار

۔پشاور، ۱۹۵۹ء

۵:۔ ،،ہدیت افغانی،، از ہدیت اللہ سوہدروی، طبع وزیر آباد ۱۹۳۶ء

۶:۔ تاریخ ہند، اُردو، کتاب نصاب مصنف نامعلوم۔ طبع ۱۹۳۶ء

۷:۔ تاریخ ہند، اُردو کتاب نصاب، از میاں عبدالحکیم بی۔اے۔بی ٹی۔ پندرھواں ایڈیشن، طبع بعد از ۱۹۵۳ء

۸:۔ دولت دُرانیہ، اُردو، از مولوی محمد رحیم بخش، ترجمہ از فارسی۔ طبع احسن التجارت، دہلی۔ ۱۹۴۳ء

۹:۔ ،،تواریخ حافظ رحمت خانی،، ترجمہ اُردو، کتاب ،، خلاصہ الانساب،، از حافظ رحمت اللہ خان بڑیچ شہید۔ طبع پشتو اکیڈمی۔ پشاور۔ طبع اول ۱۹۷۱ء، طبع دوم ۱۹۷۶ء از ترتیب وحواشی، روشن خان مرحوم

۱۰:۔ ،،مذکرہ،، (اُردو) از روشن خان۔ طبع کراچی۔

۱۱:۔ ،،مخزن افغانی،، (اُردو) از خواجہ نعمت اللہ ہروی، طبع مرکزی اُردو بورڈ، لاہور ۱۹۷۸ء، اُردو ترجمہ مولانا غلام رسول مہر۔ حواشی غلام رسول مہر و عبدالحی حبیبی مرحوم

۱۲:۔ ،،تواریخ خوشیدہ جہان،، فارسی مصنفہ شیر محمد گنڈاپور۔ طبع مکرر بذریعہ عکس برادری، ناشران عبدالقیوم، حاجی سیدالرحمن افغانستان (شہر نعمان)

۱۳:۔ ،،طبقات ناصری،، از منہاج السراج جوزجانی۔ ترجمہ اُردو از مولانا غلام رسول مہر۔ طبع اردو مرکزی بورڈ۔ لاہور ۱۹۷۵ء

۱۴:۔ ،،پشتانہ نومیالیان،، (پشتو) از صاحبزادہ حمید اللہ۔ طبع پشتو اکیڈمی کوئٹہ۔ ۱۹۷۶ء

۱۵:۔ ،،شیر شاہ سور،، (پشتو) از صاحبزادہ حمید اللہ۔ طبع پشتو اکیڈمی۔ کوئٹہ (۱۹۷۷ء)

۱۶:۔ ،،پٹہ خزانہ،، (پشتو) از محمد ہوتک۔ محقق و مرتب آقائے عبدالحی قندھاری۔ طبع چہارم۔ مطبوء پشتو ٹولنۂ۔ کابل ۱۹۷۶ء

۱۷:۔ ،،پشتونیات،، (اُردو) طبع دوم صاحبزادہ حمید اللہ۔ ناشر انجمن ترقی پشتو۔ پشین ۱۹۹۴ء

۱۹:۔ این۔ڈبلیو۔ایف پی انگریزی، از ایچ۔اے اورروز۔ طبع سنگ میل پبلی کیشنز لاہور

۲۰:۔ ،،دنیائے اسلام کا ماضی اور مستقبل،، (اردو) از خدا بخش اظہر۔ لاہور۔ تقریباً ۱۹۴۵ء)

۲۲:۔،،جہاد افغانستان،،(اردو) باتصویر از موسیٰ خان جلالزئی۔ناشر افغان جہاد ریفرنس۔(۱۹۸۹ء

۲۳:۔،،پشتانہ،،(پشتو) از ڈاکٹر حبیب اللہ تیزئی۔طبع پشاور ۱۹۹۹ء)

۲۴:۔،،دپشتو تاریخ،،تین جلد،پشتو از قاضی عطاؤاللہ جان مرحوم۔طبع ادارۂ نشرواشاعت سرحد۔قصہ خوانی بازار۔پشاور قبل از ۱۹۴۷ء

۲۵:۔،،پشتونوئی پخوانی تاریخ،،از ڈاکٹر عبدالرازق پالوال

۲۶:۔،،سراج التواریخ،،(فارسی) از فیض محمد ہزارہ۔طبع مطبع شاہی کابل۔۱۳۳۱ھ)(۱۹۱۲ء)

۲۷:۔،،تاریخ سلطانی،،(فارسی) از محمد موسیٰ خان دُرّانی۔طبع ممبی ۱۲۶۸ھ(۱۸۴۷ء)

۲۸۔تاریخ یوسف زئی پٹھان،،(اردو) از اللہ بخش یوسفی۔طبع محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی۔تین ہٹی۔کراچی،طبع چہارم ۱۹۷۳ء

۲۹:۔،،بریلی سے بالاکوٹ،،از قمر احمد وعثمان،طبع ادارۂ اسلامیات۔انارکلی۔لاہور(۱۹۸۳ء)

۳۰:۔،،پہ ہندکی دپشتو دوای پڑاوونہ(یہ پشتو) از سر محقق زنمی ھیوادمل۔طبع پشاور(۱۹۹۴ء)

۳۱:۔،،درحمٰن انتخاب،،پشتو۔اردو) مرتب صاحبزادہ حمید اللہ۔طبع انجمن ترقی،پشتو،پشین۔۱۹۹۶ء

۳۲:۔حافظ رحمت خان(اردو)،از سید الطاف علی بریلوی۔طبع آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس ناظم آباد،کراچی ۔طبع ثالث(۱۹۸۰ء)

۳۳:۔،،تاریخ فاغنہ،،(اردو) طبع ثالث ۱۹۸۰ء

۳۴:۔،،روزنامہ جنگ،،کوئٹہ۔مختلف شمارے)

۳۵:۔،،ہوتکی ہا،،(فارسی) از عبدالرؤف بینوا۔طبع انجمن تاریخ کابل ۱۹۶۵ء)

۳۶:۔،،احمد شاہ دُرانی،،(اردو) از سید نصیر احمد جامعی۔طبع سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔۱۹۸۶ء)

۳۷:۔،،قدیم پشتون اور پشتو،،از سلطان محمد صابر۔طبع پشتو اکیڈمی۔کوئٹہ

۳۹:۔،،احمد شاہ درانی،،تالیف یہ زبان انگریزی از گنڈا سنگھ۔پشتو ترجمہ از نصراللہ سوبمن۔طبع کابل ۱۳۶۶ھش ۱۹۷۶ء

۴۰:۔،،تاریخ الیمینی،،(عربی) از عبدالجبار العتبی۔طبع لاہور۔۱۸۷۶ء)

غزنوی پبلشرز کی چند اہم کتابیں

دی ھولی سینرز بہترین ناول

رائٹر: پروفیسر راز محمد خان

صفحات 120 قیمت 90روپے

تبلیغی جماعت کا آغاز ونشو ونماء۔ تبلیغی جماعت کی تاریخ ونظریات پر Ph.D مقالہ۔

(سہ ملکی تقابلی مطالعہ)

رائٹر: یوکیندز سکند ترجمہ: سعود الحسن خان روہلیہ

صفحات: 336 قیمت-/200

تاریخ بنوامیہ۔ انساب اور ابتدائی حالات۔

مصنف: سعود الحسن خان روہلیہ

صفحات:128 قیمت:-/100

آپ بیتی ابن خلدون۔ التعریف بابن خلدون ورحلۃ شرقا وغرباء کا مکمل اردو ترجمہ۔

تصنیف: علامہ عبدالرحمٰن ابنِ خلدون

ترجمہ وتحقیق: سعود الحسن خان روہیلہ

صفحات:516 قیمت:350روپے

ہندوستانی ثقافت پر اسلام کے اثرات۔

مصنف: ڈاکٹر تاراچند ترجمہ: سعود الحسن خان روہلیہ

صفحات:400 قیمت:300روپے

گھاٹے کا سودا۔

چیخوف کے منتخب افسانے۔ ترجمہ: یعقوب شاہ غرشین

صفحات:160 قیمت:-/100 روپے

پشتون۔ تحریر :ڈاکٹر حبیب اللہ توی ترجمہ:شوکت ترین

قدیم روایات، نئے نظریات اور قدیم متون پشتونوں کے نسب، نام، زبان، ابتدائی معاشرتی زندگی اور ملک کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

صفحات:230 قیمت:-/200 روپے

دی گریٹ پشتون۔ (انگلش)

پشتو، ادب، جمالیات اور سیاست کے سرخیل بابائے پشتون عبدالصمد خان اچکزئی شہید کے نادر اور نایاب پریس کانفرنسوں' اخباری بیانات اور انٹرویوز پر مشتمل انگریزی کتاب۔

مرتب:شوکت ترین

صفحات:150 قیمت:-/150 روپے

حضرت محمد ﷺ کے بارے میں انجیل (بائبل) کیا کہتی ہے؟

مصنف :احمد دیدات ترجمہ:شیر محمد

صفحات:64 قیمت:-/60 روپے

ع سے علم ع سے عشق تحریر:بہادر خان سفیر

صفحات 90 قیمت:100 روپے

حیوانات کی دنیا کا حیرت کدہ۔

اس کتاب میں آپ بہت ساری نئی چیزوں کے بارے میں جانیں گے جن میں سے چند ایک آپ ابتک دیکھی بھی نہ ہوں گی جوں جوں آپ یہ کتاب پڑھتے جائیں گے آپ حیران ہوتے جائیں گے کی یہ پیاری سی مخلوقات اتنے مشکل کام کیسے سرانجام دیتی ہیں۔

مصنف:ہارون یحیٰی ترجمہ:عبدالصمد

صفحات:128 کلر سائز 8+30+20 قیمت:-/450 روپے

نوادرات خطاطی۔

یونیورسٹیوں، کالجوں، اور عام شائقین کے لیے یکساں مفید۔

مصنف: مقصود علی جواہر رقم (انٹرنیشنل گولڈ میڈلیسٹ خطاط)

•

صفحات: 100 قیمت: -/150 روپے

بڑا اندر جال باتصویر۔ (اردو) مصنف: پنڈت راجیشو کمار چاڑری بازار ڈھلی

یہ ایک ایسا علم ہے کہ کوئی سفل علم اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا آپ نے سنا ہوگا کہ بنگال میں بہت جادوگر ہوا کرتے تھے۔ خاص کر کے عورتیں کہ وہ آدمی کو سفل شکتی سے بکرا، مینڈا، طوطا پتہ نہیں کیا کیا بنا کر اپنی قید میں رکھتی تھیں۔ تو یہ بھی اہلِ علم وفن ہے جس کا عملی طور پر کرنا کفر ہے۔ جس کو اب بھی کچھ نادان لوگ کرتے ہیں۔ لہٰذا عاملوں کا کام ہے کہ اس علم کی باریکیوں سے آگاہ رہیں تاکہ وہ روحانی طور پر اس کا توڑ کر سکیں۔ اس کتاب میں اُن جادوگروں کے کالے کرتوت جوں کے توں لکھے ہوئے ہیں جن پر عمل کر کے وہ لوگوں کو اپنے بس میں کر لیتے تھے جس میں، موہنی، تلک، بھوت پریت کا جنتر، کام ناشک جنتر، مداری پچھار جنتر، مسانکا جنتر، گر بھ، سرپ ناشک جنتر، دشی کرن جنتر، چندر بھرمن اچار، سپاری منتر، پان منتر، کامروپ جادو، غرض کہ ہر قسم کے منفی مثبت منتر، جنتر، دشار، تلک، تنتر وغیرہ درج ہیں سینکڑوں قسم کی کاریگریاں اور چاتر پس کا بھنڈار یہ کتاب ہے۔

صفحات: 255 قیمت: -/200 روپے

سب سے بڑا پرائیویٹ لائف کوک شاستر باتصویر مصنف: مول کیلکھ کوکا پنڈت (کشمیر والا)

اصلی چکرورتی کاشمیری (بہو چر چت) کمپلیٹ، سیکشول گائیڈ، حکمت وعملیات کا بھنڈار، کام دیو شاستر، کام سوتر، دواہت جیون راہنما، مہاراجہ کشمیر کے وزیر باتدبیر کوکا پنڈت جی کے چرترا، استری پرشوں کے گپت انگ تھا اسنوں ک بھہ، برتھ کنٹرول، بالک واسٹوڈنٹ جو اس کی اہل نہیں اُن کے ساتھ نہ لگے، صرف بالغوں کے لیے ہے، ہند عالموں کے لیے منتر موہنیاں وسلفی تعویزات، کرنتھ کیا ہے۔ عملیات وحکمت کا ساگر ہے، تمام بھیدوں کو ظاہر کیا گیا

ہے۔کوکا پنڈت نے جس کا کام شاستر کا سہارہ لیا سب اس کتاب میں موجود ہے، کیونکہ سیکس کوئی بچوں کا کھلوار نہیں،
مکتی پروان کرنے والے، جنتروں، منتروں، تنتروں کی سدھیاں، حکمت ودیدک کا مکمل خزانہ۔

منتروں، جنتروں، تیتروں، تعویذات کی کرامات

صفحات:303 قیمت:/400روپے

گولڈن ایس ایم ایس سب کیلئے مصنف روزالدین غزنوی

صفحات113 قیمت60روپے

جغرافیہ افغانستان تالیف لطف اللہ صافی ترجمہ شوکت ترین

صفحات61 قیمت50روپے

مختصر ترین تاریخ افغانستان تحریر: حبیب اللہ رفیع۔ترجمہ نصرت افغانی

صفحافت:60 قیمت:50روپے

۴۱:۔ منتخب التواریخ،،(اردو) از ملا عبدالقادر بدایونی۔طبع شیخ غلام علی اینڈ سنز۔کچہت روڈ۔لاہور۔۱۸۶۲ء)

۴۲:۔،،ہمایوں نامہ،،(فارسی) از جوہر آفتابچی۔طبع کاروان ادب۔کراچی ۱۹۶۰ء)

۴۳:۔،،تزک بابری،،ترجمہ اردو از رشید اختر ندوی۔طبع سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔۱۹۶۹ء

۴۴:۔،،تزک جہانگیری،،ترجمہ اردو از مولوی احمد علی رامپوری۔طبع سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۷۰ء

۴۵:۔،،طبقات ناصری ،،(فارسی) دو جلد۔مقدمہ وحواشی از آقائی عبدالحی حبیبی طبع انجمن تاریخ۔کابل ۱۳۴۳ھ ش مطابق ۱۹۶۴ء

۴۶:۔،،شاہ جہان نامہ،،(فارسی) تین جلد) از محمد صالح کمبوہ۔ترجمہ اردو۔طبع مجلس ترقی ادب لاہور،۱۹۶۵ء

۴۷:۔)"AFGHANISTAN AND ITS INHABITANTS,,

Henry Priestley,A Translation Of"HAYAT-E-AFGHANI,, By Muhammad Hayat Khan C.S.I, Frist Editoin 1874 Reprinted 1981 By Sange-Meel Publications Chouk Urdu Bazar Lahore(1981)

۴۸:۔تاریخ ابنِ خلدون (اردو) جلد ششم،غوری وغزنوی سلاطین۔طبع نفیس اکیڈمی بلاسس اسٹریٹ کراچی (۱۹۶۶ء)

۴۹:۔تتمۃ البیان فی تاریخ الافغان 'عربی' از علامہ جمال الدین افغانی ترجمہ اردو از محمد عبدالقدوس ہاشمی

۵۰:۔تاریخ مرصع (پشتو از افضل خان خٹک مقدمہ از دوست محمد خان کامل طبع یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور ۱۹۷۰ء

۵۱:۔تذکرۃ الابرار والاشرار (فارسی) از آخوند درویزہ طبع پشتو اکیڈمی پشاور

۵۲:۔مخزن الاسلام از خوند درویزہ" پشتو اکیڈمی پشاور (۱۹۶۹ء

۵۳:۔تذکرۃ الاولیا،(نامکمل) از سلیمان ماکو طبع واہتمام وتقدیم عبدالحی حبیبی طبع،افغانستان،علوم اکاڈمی کابل ۱۹۸۱ء

۵۴:۔د افغانستان کالنی (پشتو فارسی مجلّہ) شائع کردہ وزارت اطلاعات وثقافت کابل افغانستان شمارہ

۳۷،۰ ۱۹۷ء

۵۵:۔

An Inquiry Into The Enthnography Of Afghanistan By H.W. Bellew G.S,I, Reprinted By Indus Publications, 26 Farid Chambers, Abdullah Haroon Road Karachi 1977

۵۶:۔تاج التواریخ (فارسی) دو جلد یکجا از امیر عبدالرحمن خان والئے کابل طبع شیخ الہی بخش جلال الدین کشمیری لاہور

۵۷:۔جامع التواریخ،، از رشید الدین فضل اللہ جلد اول احوال محمود سبکتگین طبع دنیائے کتاب،، خیابان جمہوری تہران (۱۳۶۶ھ ش ۱۹۸۶ء)

۵۸:۔دقندھار مشاہیر از محمد ولی زلمئی، طبع دولتی مطبعہ کابل ۱۳۲۹ھ ش ۱۹۵۹ء

۵۹:۔تردید شائعات بادشا مخلوع فارسی مصور و آفسٹ طباعت طبع ۱۳۱۰ھ ش ۱۹۳۰ء)

۶۰:۔شہاب الدین غوری ''پشتو'' از محمد ابراہیم ثابت طبع دمطبوعاتو وزارت کابل ۱۳۴۴ھ ش ۱۹۶۴ء

۶۱:۔ Operations Of The Zhob Field Force By Major General Sir|G.S White K.S.B,K.C.I.E,V.C First Published 1890 Publisher Gosha-E-Adab Jinnah Road Quetta

۶۲:۔دافغانستان پیشلیک'' از عبدالحی حبیبی طبع بیہقی کتاب خپر ولو موسسہ کابل

۶۳:۔دافغانستان او انگلیس دوہم جنگ'' طبع کردہ دافغانستان دعلوموا کاڈمئی کابل ۱۹۷۹ء پشتو فارسی

۶۴:۔سیر افغانستان اردو از علامہ سلیمان ندوی طبع مجلس نشریات اسلام کراچی

۶۵:۔شاہنامہ احمد شاہ ابدالی۔ از حافظ پشتو) طبع پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی پشاور

۶۶:۔تاریخ افغانستان ''اردو'' از میر اشرف علی دوبارہ اشاعت انڈس پبلی کیشنز فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی ۱۹۸۲ء پہلی اشاعت ۱۸۴۵ء بمبئی

۶۷:۔حبیب السیر ''از میر خواند طبع بمبئی ۱۸۵۸ء

۶۸:۔پشتانہ شخصیات پہ سیاسی او علمی ڈگر کی، از صاحبزادہ حمید اللہ مطبع قلات پبلشرز جناح روڈ کوئٹہ ۱۹۸۳ء

۶۹:۔نامتو او تاریخ ساز شخصیات (پشتو) از صاحبزادہ حمید اللہ غیر مطبوعہ

۷۰:۔ North West Frontiet By H.A.Rose,I.C.S

Published By Sang-E-Meel Publications Lahore

۷۱:۔تکملہ تذکرہ''، اردو) از روشن خان جونا مارکیٹ کراچی

۷۲:۔اردو انسائیکلوپیڈیا ناشر فیروز سنز لمیٹڈ لاہور طبع ۱۹۶۸ء

۷۳:۔ Encyclopaedia Of Facts U.S.A

۷۴:۔تزک تیموری'' ترجمہ اردو طبع سنگ میل پبلی کیشنز لاہور

۷۵:۔پٹھانوں کی اصل نسل ''از بہادر شاہ ظفر کاکا خیل طبع یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور

۷۶:ہفت روزہ آواز پختون کراچی ۱۹۶۶ء تا ۱۹۶۹ء کے مختلف شمارے

۷۷:۔تاریخ فرشتہ'' از محمد قاسم فرشتہ ترجمہ اردو طبع ۱۸۹۲ء لاہور

۷۸:۔مختصر تاریخ پشتون'' اردو از پروفیسر صاحبزادہ حمید اللہ طبع ہمت پبلی کیشنز، پٹیل روڈ کوئٹہ ۲۰۰۴ء

۷۹:۔سفر نامہ ابنِ بطوطہ'' عربی دو جلد، طبع قاہرہ ۱۹۳۴ء

۸۰:۔تاریخ اسلام (اردو) تین جلد از مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی مطبع نفیس اکیڈیمی بلاسس سٹریٹ کراچی ۱۹۸۶ء

۸۱:۔منجد لاعلوم (عربی) پندرھواں ایڈیشن طبع بیروت ۱۹۶۶ء

۸۲:۔قندھار د تاریخ پہ اوزدو کی (پشتو) طبع قندھار ۲۰۰۴ء مضمون میرویس ہوتک از صاحبزادہ حمید اللہ

۸۳:۔اردو انسائیکلوپیڈیا'' طبع فیروز سنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۶۵ء

۸۴:۔ماہنامہ اولس (پشتو) کوئٹہ مختلف شمارے

۸۵:۔تاریخ اسلام (چھ جلد یکجا) از صاحبزادہ ابو الحکیم نشتر جالندھری طبع کتاب منزل کشمیری بازار لاہور ۱۹۴۲ء

۸۶:۔تاریخ بیہقی (نامکمل)از ابوالفضل بیہقی طبع رائل ایشاٹک سوسائٹی کلکتہ

۸۷:۔روضۃ الصفا طبع نولکشور انیسو صدی عیسوی

۸۸:۔افغانستان در سیر تاریخ' از محمد غبار فارسی طبع ایران
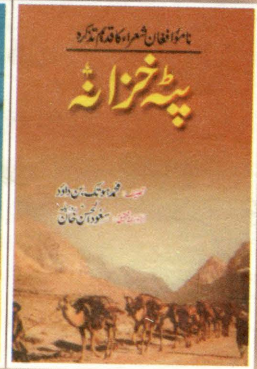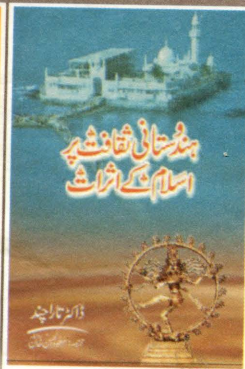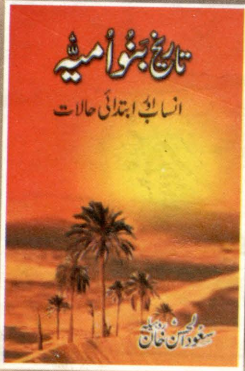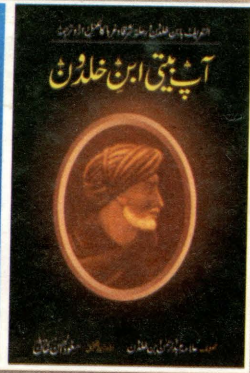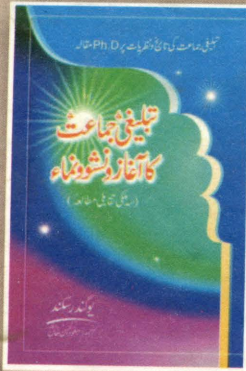
غزنوی پبلشرز

سوئیس پلازہ نزد زہری مسجد جناح روڈ کوئٹہ کینٹ

فون: 2005872 81 (0) 0092 موبائل: 4879704 0321

E-mail:-ghaznavikitabtoon@yahoo.com
Web :- www.ghaznavi.cjb.net